محافل شیخ

از افادات:

امیر محمد اکرم اعوان

ترتیب وتدوین : ثمینہ اعوان، عفیفہ خان
ناشر : ادارہ نقشبندیہ اویسیہ دارلعرفان، چکوال
کمپوزنگ : سلمان تصدق
سرورق : ساجد قریشی
قیمت : -/200 روپے
پرنٹرز : تایا پرنٹرز لاہور
سن اشاعت : اگست 2006ء

تصوف
عقائد
عبادات
معاملات
اخلاقیات
فقہ

شیخ المکرم حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالیٰ

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم امابعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

چند سوالات جو احباب نے دریافت فرمائے اور بحمد للہ انہیں انفرادی جوابات بھی عرض کر دیئے۔ افادہ عام کیلئے انہیں ضبط تحریر کرنا مناسب خیال کر کے اس مضمون کی ابتدا کی گئی ہے ممکن ہے اس طرح سے کسی وقت تک یہ ایک الگ کتاب بن جائے اور احباب طریقت کے قلوب گرماتی رہے۔

واللہ التوفیق

جون 1984ء رمضان المبارک 1404ھ

فہرست سوالات

تصوف

۱۔ سانس کے ذریعے ذکر کرنے سے دل ودماغ پر طبی نقطہ نظر سے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟ 19

۲۔ دورانِ ذکر تھکاوٹ وکمزوری کا محسوس ہونا۔ 21

۳۔ کیا ذکر بغیر سانس کھینچے کیا جا سکتا ہے؟ 21

۴۔ سانس کے ساتھ ذکر کی سند قرآن وسنت کی روشنی میں۔ 23

۵۔ آپ ﷺ پر نزولِ وحی اور سانس مبارک کا تیز چلنا اور ذکر الٰہی۔ 25

۶۔ کشف ومشاہدات کا اصل مقصد کیا ہے؟ 26

۷۔ مراقبہ دربارِ نبوی ﷺ میں اولیاء اللہ کا صحابہؓ کے پیچھے بیٹھنا۔ 28

۸۔ کیا دورانِ ذکر شیخ ایک سے زیادہ جگہ پر موجود ہو سکتے ہیں؟ 29

۹۔ روحانی بیعت کے دوران شیخ کا منصب والی کرسی سے خود اٹھ کر بیعت والوں کو حضور ﷺ کے حضور پیش کرنا۔ ایک مشاہدہ۔ 29

۱۰۔ روحانی بیعت کے دوران آپ ﷺ کا سالک کو کسی چیز کا عطا کرنا۔ 29

۱۱۔ دورانِ تلاوتِ قرآن یا بیان، سالک کو مشاہدات کا ہونا۔ 30

۱۲۔ دوران مشاہدہ صاحب منصب حضرات کا پتہ نہ چلنا۔ 30

۱۳۔ ارتکازِ توجہ یا Power of concentration کا تعلق دماغ سے ہے یا دل سے؟ 31

۱۴۔ کسی کی شکایت پر منازل سے گرنا 33

۱۵۔ اپنے اپنے مراقبات تک دھیان رکھنا اور توجہ میں کمزوری۔ 33

۱۶۔ روح و بدن کا تعلق؟ 34

۱۷۔ آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے علوم کے حقیقی وارث کون ہیں؟ 34

۱۸۔ تصوف کی تعریف، حدیث مبارکہ کی روشنی میں کیا ہے؟ 35

۱۹۔ کیا آپ ﷺ نے اپنے صحابہؓ کو کبھی ولی، قطب غوث وغیرہ کہہ کر مخاطب کیا؟ کیا کسی صحابیؓ پر کبھی حال وغیرہ پڑتا تھا؟ 35

۲۰۔ مجاہدہ کی عملی صورت کیا ہے؟ 36

۲۱۔ نفس کیا ہے؟ 36

۲۲۔ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ میں نو وارد کے لیے یومیہ معمولات کیا ہیں؟ 36

۲۳۔ حلقے اور تنہائی میں ذکر کرنے کا کیا فرق ہے؟ 37

۲۴۔ لطائف کے منور ہونے کی پہچان کیا ہے؟ 37

۲۵۔ روح کی پرواز سے کیا مراد ہے؟ 37

۲۶۔ مولانا احمد لاہوریؒ روحانیت کے کس مرتبے پر فائز تھے؟ 37

۲۷۔ دوران ذکر رونا و گریہ وزاری کا زیادہ رہنا۔ 38

۲۸۔ پاس انفاس اور ذکر قلبی کی سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ میں حقیقت۔ 38

۲۹۔ ذکر کے دوران چھینک آ جائے تو کیا کرنا چاہیے؟ 39

۳۰۔ مراقبات تصور و خیال ہیں یا حقیقت ہیں؟ 39

۳۱۔ مراقبات میں شیطانی وساس کیوں آتے ہیں؟ 39

۳۲۔مراقبات میں کیا تصور کیا جائے؟ 40
۳۳۔دورانِ مراقبات کیا سوچا جائے؟ 41
۳۴۔نماز میں سستی کی بنیادی وجہ اوراس کا تدارک کیا ہے؟ 41
۳۵۔اگر صوفی کسی کے ہاں مہمان ہے اور جانتا ہے کہ کھانا رزقِ حرام سے
ہے تو کیا کرے؟ 41
۳۶۔کیا ذکر سکھانا فرضِ کفایہ ہے؟ 41
۳۷۔مراقبات کا عالم برزخ کی زندگی پر کیا اثر ہوگا؟ 42
۳۸۔کیا اپنا خواب دوسروں کو بتایا جا سکتا ہے؟ 42
۳۹۔کیا ''کرامتِ غوث اعظم'' صحیح ہے؟ 43
۴۰۔خواب میں کسی دوسری زبان والی ہستی سے کیسے بات کی جاتی ہے؟ 44
۴۱۔دربارِ نبوی ﷺ میں بیعت ہونے کے بعد ذکر چھوڑ دینا اور کچھ عرصہ بعد
دوبارہ ذکر شروع کر دینا' ایسی صورت میں کیا کیا جائے؟ 45
۴۲۔کیا ذکر کیلئے قبلہ رخ بیٹھنا ضروری ہے؟ 45
۴۳۔کیا درود شریف بھی اللہ کے ذکر میں شامل ہے؟ 46
۴۴۔صحبت شیخ سے کیا مراد ہے؟ 46
۴۵۔کیا نئے ساتھیوں کو ذکر کے متعلق کچھ معلومات دے کر پھر شیخ کے پاس
لے کر جانا چاہیے؟ 46
۴۶۔کیا دورانِ ذکر آیات یا اشعار پڑھ سکتے ہیں؟ 47
۴۷۔کیا ذکر کا پیغام پھیلانے کے لیے موجودہ ذاکرین کی تربیت کا اہتمام ہونا چاہیے؟ 48
۴۸۔محبت کیا ہے؟ نیز کیا کافر' فاسق اور فاجر سے محبت رکھنا جائز ہے؟ 50
۴۹۔کسی دوسرے کا بیعت شخص سلسلہ عالیہ کی بیعت کر سکتا ہے؟ 53
۵۰۔۔انٹرنیٹ پر ذکر اور دارالعرفان میں ذکر میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟ 55

۵۱۔دورانِ اعتکاف اجتماعی عمل اور عبادات کی زیادہ اہمیت ہے یا انفرادی اعمال کی؟ 55
۵۲۔دورانِ عبادت توجہ نہیں رہتی اور ہر طرف ذہن جاتا ہے؟ 56
۵۳۔آدابِ شیخ کی تفصیل بیان فرما دیجئے 56
۵۴۔حصول رزق، اولاد، عمر، تنگ دستی کیلئے دم تعویزات سے کیا فرق پڑتا ہے؟ 56
۵۵۔کسی ساتھی کو مراقبہ کے دوران مسجد نبوی ﷺ میں نبی کریم ﷺ کسی کام کا حکم
فرمائیں تو اس کو اس کام کیلئے اپنے شیخ سے اجازت لینا ضروری ہے؟ وضاحت فرمائیں؟ 57
۵۶۔ایک ساتھی نے کہا ہے کہ حضرت اللہ یار خانؒ پہلے مجدد تھے، وضاحت فرمائیں؟ 58
۵۷۔بعض ساتھی فرماتے ہیں کہ سوال پوچھنا گستاخی ہے وضاحت فرمائیے؟ 58
۵۸۔نیک لوگوں کو اللہ کے دیدار کے حوالے سے کچھ فرمائیں؟ 58
۵۹۔کیا ہمارے طریقہ ذکر میں سانسوں اور اللہ ھو کی Coordination
ضروری ہے؟ 60
۶۰۔توجہ اور القاء میں کیا فرق ہے؟ 61
۶۱۔چھٹے اور ساتویں لطیفے کا طریقہ کیا ہے؟ 62
۶۲۔کیا گھر والوں کو مراقبات کرائے جا سکتے ہیں؟ 63
۶۳۔مرشد حقیقی کے اوصاف کیا ہیں؟ 63
۶۴۔کیا ذکر کرنے کے لیے ظاہری بیعت ضروری ہے؟ 63
۶۵۔دوسرے سلاسل کے شیوخ سے کیسے ملنا چاہیے؟ 64
۶۶۔دورانِ ذکر پاس بیٹھے شخص کو زیارت نبوی ﷺ کا ہونا یا زیارتِ بیت اللہ کا
ہونا یا مدہوشی طاری ہونا کیسا ہے؟ 64
۶۷۔کیا کشف و مشاہدات کا لالچ دیکر ذکر کی دعوت دی جا سکتی ہے؟ 65
۶۸۔کیا غیر مسلم کو ذکر کروایا جا سکتا ہے؟ 66
۶۹۔روح کی ترقی کے لیے زبانی ذکر و اعمال کیسے ہیں؟ 66

۷۰۔کیا دورانِ ذکر آنکھیں کھولی جاسکتی ہیں؟ 66
۷۱۔اخبار پڑھنے سے دل پر نحوست کا اثر کیوں پڑتا ہے؟ 67
۷۲۔شیخ سے ملاقات کتنے عرصے بعد کرنی چاہیے؟ 67
۷۳۔کیا برے اعمال سے روح کی شکل مسخ ہو جاتی ہے؟ 68
۷۴۔اگر خاتمہ بالایمان نہیں تو کیا روح کو دوزخ میں جلنا ہوگا؟ 68
۷۵۔لطائف کا روشن ہونا اور کلمات اور ان کے مفاہیم کا سمجھنا، کے بیان میں۔ 70
۷۶۔کیا شیخ کے اہل خانہ بھی باقی سالکین کی طرح فیض حاصل کر سکتے ہیں؟ 70
۷۷۔کیا شیخ کو ہر ارادتمند کا ذہنی بگاڑ معلوم ہوتا ہے؟ 71
۷۸۔نیند میں روح کا جسم سے الگ ہونے کے بیان میں۔ 71
۷۹۔مشاہدات کا حاصل کیا ہے؟ 72
۸۰۔کیا خواتین کو ذکر کروایا جاسکتا ہے؟ 73
۸۱۔کیا ذکر الٰہی شروع کرنے سے پہلے والے کلمات کا پڑھنا اور ان کی ترتیب ضروری ہے؟ 73
۸۲۔کیا دوسرے کو پہلی دفعہ ذکر کروانے سے پہلے کسی خاص چیز کا خیال رکھنا ضروری ہے؟ 74
۸۳۔دورانِ ذکر اذان کے ہونے پر آپ ﷺ پر درود پڑھنے۔کے بیان میں۔ 74
۸۴۔کیا بازاری اشیاء کا کھانا، لطائف و مراقبات پر کوئی اثر رکھتا ہے؟ 74
۸۵۔ساتواں لطیفہ سلطان الاذکار کے کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ 75
۸۶۔قلب کی اصلاح، اور یہ کہنا زیر قدم حضرت آدمؑ سے کیا مراد ہے؟ 76
۸۷۔علم غیب کیا ہے اور کس کو ہوتا ہے؟ 77
۸۸۔کیا ارواح کو بلا کر ان سے بات کی جاسکتی ہے؟ 78
۸۹۔تصوف کیا ہے؟ 79

۹۰۔ وحدت الوجود و وحدت الشہود کی حقیقت کیا ہے؟	79
۹۱۔ وساوس کا آنا اور ان سے بچنا۔ کے بیان میں۔	80
۹۲۔ کیا مرید کو دنیا سے با ایمان برزخ میں منتقل کرنا شیخ کی ذمہ داری ہے؟	81
۹۳۔ اللہ کے ساتھ ھو کیوں لگایا جاتا ہے؟	81
۹۴۔ کیا مراقبات میں کشف و کرامات کا ہونا لازمی ہے؟	82
۹۵۔ حضرت شاہ ولی اللہ کا آپ ﷺ سے قرآن پاک کا پڑھنا۔ کے بیان میں۔	83
۹۶۔ کیا بدعت کرنے والوں کو مراقبات میں آپ ﷺ اطلاع دیتے ہیں؟	84
۹۷۔ کیا صاحب حال کو گناہگار کا پتہ چل جاتا ہے؟	84
۹۸۔ صوفیاء کرام کا اقتدار و اختیارات یا سیاست سے بے تعلق ہونے کے بیان میں۔	85
۹۹۔ دورانِ نماز درودِ ابراہیمی پڑھتے وقت روضۂ اطہر ﷺ کا تصور کرنا۔ کیا جائز ہے؟	86
۱۰۰۔ حقیقت نور و بشر کے متعلق ایک وضاحت۔	87
۱۰۱۔ ذکر سے پہلے مشائخ سے اجازت لینے سے کیا مراد ہے؟	87
۱۰۲۔ کیا دربار نبوی ﷺ کی قربت کے لیے بلند منازل ضروری ہیں؟	87
۱۰۳۔ دورانِ ذکر خوشبو کا محسوس ہونا۔	88
۱۰۴۔ کیا دورانِ ذکر ھو کی ضرب دوسروں پر لگا سکتے ہیں؟	89
۱۰۵۔ سلوک میں صاحب منصب کو اپنے منصب کا پتہ ہوتا ہے یا نہیں؟	89
۱۰۶۔ خاص دنوں میں ملائکہ کی تعداد کا روئے زمین پر بڑھ جانا کے بیان میں۔	89
۱۰۷۔ مشاہدات کے رُک جانے کے بیان میں۔	90
۱۰۸۔ دارالعرفان میں ہوتے ہوئے ہم سے کوتاہیاں سرزد ہو جائیں تو اس کا تدارک کیا ہے؟	90
۱۰۹۔ اجتماعی ذکر میں شیخ کے قریب بیٹھنے اور دور بیٹھنے کے بیان میں۔	91
۱۱۰۔ ربط شیخ سے کیا مراد ہے؟	92

۱۱۱۔مجذوب کسے کہتے ہیں؟ 92

۱۱۲۔حضوریٔ دوام کی، زندگی اور بعداز موت میں کیا حقیقت ہے؟ 93

۱۱۳۔مسئلہ حیات النبی ﷺ کے بیان میں۔ 93

۱۱۴۔علیین، سجین، بیت المعمور، سدرۃ المنتہٰی، عالم حیرت و عالم لامکاں کیا ہے؟ 99

۱۱۵۔کیا مناصب اولیاء اللہ ان کی زندگیوں میں راز رکھے جاتے ہیں اور بعداز وفات Disclose کیے جاتے ہیں؟ 103

۱۱۶۔سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ میں مناصب کے حامل اولیاء کرام کا ہونا۔ کے بیان میں۔ 105

۱۱۷۔اولیاء کرام کی ارواح سے حصولِ فیض سے کیا مراد ہے؟ 106

۱۱۸۔شیطان لعین جب سالک کے دل میں شیخ سے متعلق وساوس ڈالے تو سالک کو کیا کرنا چاہیے؟ 107

۱۱۹۔تصوف کے چار بڑے سلاسل میں سلسلہ نقشبندیہ کا حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وساطت سے چلنا۔ کے بیان میں۔ 108

۱۲۰۔حدیث مبارکہ ہے انما انا قاسم و اللّٰہ یعطی. کا مفہوم کیا ہے؟ 109

۱۲۱۔مراقبۂ روضۂ اطہر ﷺ میں کونسا درود پڑھنا چاہیے؟ 112

۱۲۲۔اگر کوئی مسلمان گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں جائے گا تو کیا روح بھی ساتھ جائے گی؟ 112

۱۲۳۔روح کا عالم امر سے ہونا اور دوزخ جانا۔ کے بیان میں۔ 113

۱۲۴۔اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ کے بیان میں۔ 114

۱۲۵۔ذکر الٰہی کی طرف راغب کرنے کے لیے کسی کو بتائے بغیر اس پر توجہ کرنا۔ کیسا ہے؟ 114

۱۲۶۔ذکر دوام کیسے حاصل ہوتا ہے؟ 115

۱۲۷۔مقام صدیقیت، حضرت ابوبکر صدیقؓ کے لیے اور مقام صدیقیت

اولیاءِ کرام کے لیے۔ 115

۱۲۸۔ زیارتِ رسول ﷺ کیسے ہوتی ہے؟ 118

۱۲۹۔ کیا روحانی بیعت سے مشرف ہونا زیارتِ رسول ﷺ کے زمرے میں آتا ہے؟ 118

۱۳۰۔ کیا کسی دوسرے سلسلے کے بزرگ کے تقویٰ وعلم وعمل کی تعریف کرنا مانع فیض ہے؟ 119

۱۳۱۔ سالوں کے مجاہدے کو بری مجلس میں بیٹھ کر ضائع کرنا کیسا ہے؟ 121

۱۳۲۔ کیا مراقبہ مسجد نبوی ﷺ میں اپنی کسی حاجت کی درخواست کی جاسکتی ہے؟ 123

۱۳۳۔ کیا سالک دن رات کا زیادہ وقت مراقبہ مسجد نبوی ﷺ میں مشغول رہ سکتا ہے؟ 124

۱۳۴۔ مراقبات میں سونا کیسا ہے؟ 125

۱۳۵۔ ایک کامل شیخ کا روحانی گائیڈ ہونے سے کیا مراد ہے؟ 125

۱۳۶۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور تصورِ شیخ۔ کے بیان میں۔ 126

۱۳۷۔ ''حضرت'' کا لفظ کب اور کس کے ساتھ استعمال ہوتا ہے؟ 126

۱۳۸۔ دوامِ حضور کی کیفیات کیا ہیں؟ 127

۱۳۹۔ درود شریف میں آلِ محمد ﷺ سے کیا مراد ہے؟ 127

۱۴۰۔ ایک مشاہدہ اور اس کی تعبیر کے بیان میں۔ 127

۱۴۱۔ دربارِ نبوی ﷺ میں طریقۂ نشست اور ایک کرسی کا خالی ہونا۔ دنیا میں موجود شخص کا ادھر دیکھے جانا۔ ایک مکاشفہ۔ 129

۱۴۲۔ اگر روح کو زوال یا فنا نہیں ہے تو پھر اعمال کا اثر کیسے ہوتا ہے؟ 129

۱۴۳۔ روحانی بیعت میں حضور اکرم ﷺ کی طرف سے جو کچھ عطا ہوتا ہے اس کی اہمیت کے بیان میں۔ 130

۱۴۴۔ امام مہدی کا جب ظہور ہوگا تو کیا وہ صاحبِ سلسلہ ہوں گے؟ 131

۱۴۵۔ سلاسل کی حقیقت' نسبت اویسیہ کی حقیقت 132
۱۴۶۔ کیا صرف لطیفہ قلب حاصل ہونے پر ذکر دوام حاصل ہو جاتا ہے؟ 134
۱۴۷۔ دوران کام توجہ کام پر ہو یاذکر پر؟ 135
۱۴۸۔ کیا درود شریف کیلئے وضو ضروری ہے؟ 136
۱۴۹۔ سماع اور قوالی کے متعلق شریعت کیا کہتی ہے؟ 137
۱۵۰۔ مراقبہ موت میں جنت کے مشاہدے کی حقیقت کیا ہے؟ 137
۱۵۱۔ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ میں تعلیم کیا جانے والا درود شریف درست کیسے پڑھا جائے؟ 138
۱۵۲۔ بیعت کی اہمیت وضرورت پر کچھ ارشاد فرمایئے؟ 138
۱۵۳۔ لطائف پر انوارات کہاں سے آتے ہیں' شیخ کے قلب سے انبیاء کے قلوب سے یا مقامات سے؟ 140
۱۵۴۔ حصول فیض کیلئے شیخ کی خدمت یا مجلس میں کیا خیال رکھنا چاہیے جبکہ وہ دوسرے شہر میں رہتا ہو؟ 140
۱۵۵۔ تصدیق قلبی سے کیا مراد ہے؟ 141
۱۵۶۔ عامل اور کامل میں کیا فرق ہے؟ 142
۱۵۷۔ اجتماع میں حاضری کا شرعی طریقہ بیان فرمائیں؟ 142
۱۵۸۔ شیخ کی استعمال شدہ اشیا کو بطور تبرک پاس رکھنے کے متعلق کچھ فرمایئے؟ 144

دیگر

۱۔ قبروں پر جا کر مانگنے کے بیان میں۔ 147
۲۔ تاریخ اسلام کی کتب میں صحابہؓ کے متعلق نازیبا الفاظ استعمال کرنے والے حضرات کیا دیوبندی ہیں؟ 148
۳۔ ہندومت اور بدھ مت کی حقیقت کیا ہے؟ 150

۴۔شیطان کا دعویٰ اور ارشادِ باری تعالیٰ۔ 150
۵۔سورۃ فتح کی ایک آیہ مبارکہ کا ترجمہ اور انبیاء کا معصوم الخطا ہونا۔ 151
۶۔نعت خواں کا یہ عقیدہ کہ آپ ﷺ محفل نعت میں موجود نعت سن رہے ہیں؟
کیا یہ عقیدہ درست ہے؟ 152
۷۔ابلیس کے شیطان بننے میں اس کا کیا عمل دخل تھا؟ 154
۸۔کوئی ایسا طریقہ کہ انسان شیطان نہ بنے؟ 154
۹۔کتاب اللہ کے اندر ارشادات کے اندر رہ کر حالاتِ حاضرہ کے مطابق
معانی و مفاہیم کا اظہار۔ 155
۱۰۔کیا صحابہؓ پر ایمان لانا فرض ہے؟ 155
۱۱۔کیا میت والے گھر سے کھانا کھانا جائز ہے؟ 156
۱۲۔اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ دنیا کے ہر کونے میں مبعوث فرمائے۔ 156
۱۳۔اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو اپنی صورت پہ بنایا۔(حدیث مبارکہ)۔ 158
۱۴۔اعتکاف کے لیے چھٹی لینا، یا حج قرض لے کر کرنا۔ 160
۱۵۔الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ پڑھنا کیسا ہے؟ اس کی فضیلت کیا ہے؟ 160
۱۶۔الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ کو تسبیحات کی شکل میں پڑھنا کیسا ہے؟ 161
۱۷۔سرپرست کا حرام ذریعہ معاش، اہل خانہ کے لیے کیسا ہے؟ 162
۱۸۔درود شریف کا ایصالِ ثواب پہنچانا۔ 163
۱۹۔کیا دورانِ نماز امام صاحب سے تجاوز کیا جاسکتا ہے؟ 165
۲۰۔لسانی تسبیحات کا تسبیح یا کاونٹر پر پڑھنا۔کے بیان میں۔ 165
۲۱۔الٹراساؤنڈ سے ماں کے پیٹ میں موجود بچے کی جنس (Gendre) کا پتہ
چل جاتا اور آیہ مبارکہ کہ انسان کو اس کا علم نہیں دیا گیا۔کے بیان میں۔ 165
۲۲۔رفع یدین کے متعلق ایک وضاحت۔کے بیان میں۔ 167

۲۳۔فاتحہ خلف امام پڑھنا کیا ضروری ہے؟ 168

۲۴۔نمازِ جنازہ کے بعد دعا مانگنے کے بیان میں۔ 168

۲۵۔سر اور داڑھی کے بالوں کو رنگنے کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ 169

۲۶۔حدیث شریف مَنْ عرف نفسهٗ کیا اس فقہ بھی ہے عرف ربهٗ کی وضاحت۔ 169

۲۷۔عبادت اور عادت میں کیا فرق ہے؟ 170

۲۸۔کیا گھروں میں ہر جمعرات کو ختم دلانا جائز ہے؟ 170

۲۹۔اسلام میں عورت کا مقام بیان فرمایئے؟ 171

۳۰۔کیا کسی غیر مسلم ادارے میں کام کرنا جائز ہے؟ 172

۳۱۔مادی وسائل کے باوجود مسلمانوں کی زبوں حالی کے بیان میں۔ 172

۳۲۔قریبی رشتہ داروں کی مدد کے لیے ذاتی مکان کے بیچنے۔کے بیان میں۔ 174

۳۳۔اہل دنیا کے میاں بیوی اگر جنت میں ساتھ نہ رہنا چاہیں تو کیا یہ ممکن ہے؟ 174

۳۴۔رسم قل۔کے بیان میں۔ 175

۳۵۔حضرت عثمانؓ کے قصاص کے بیان میں۔ 176

۳۶۔بیوی ساری نمازیں نہ پڑھے تو خاوند کو کیا کرنا چاہیے؟ 177

۳۷۔آپ ﷺ کا ہجرت کے وقت حضرت علیؓ کے ذمے امانتوں کا لگانا۔
ایک وضاحت۔ 178

۳۸۔سکول میں سٹاف کے ساتھ کھانا کھانا جائز ہے؟ 179

۳۹۔شکر کی حقیقت کے بارے میں ارشاد فرمایئے؟ 179

۴۰۔فقہی احکام کو حالات وواقعاتِ جدیدہ کے مطابق انھیں حدود کے اندر حل کیا
جائے اور پرانے فقہی ذخیرہ پر نہ چھوڑا جائے۔کے بیان میں۔ 180

۴۱۔مسلمانوں کا شافعی، مالکی، حنبلی وحنفی کہلوانا اور اس کی بنیاد۔کے بیان میں۔ 180

۴۲۔کیا بنک میں نوکری جائز ہے؟ 180

۴۳۔زرعی زمین سے حاصل شدہ پیداوار سے عشر کی ادائیگی 181
۴۴۔وکالت کے پیشہ کے متعلق شرعی نقطہ نگاہ کی وضاحت فرمایئے۔ 181
۴۵۔کیا ہوائی جہاز میں نماز پڑھی جا سکتی ہے؟ 181
۴۶۔ادویات میں الکحل کے متعلق کچھ ارشاد فرمایئے؟ 182
۴۷۔تلاوت وتسبیحات میں وقت مقرر کرنا۔ 182

تصوف

تصوف

سوال: سانس کے ساتھ طریقہء ذکر میں کیا انسان کے دماغ، دل اور پھیپھڑوں پر طبی نقطہء نظر سے کوئی مضر اثرات مرتب ہوتے ہیں؟ جب تنفس کو غیر فطری طریقے سے لیا جائے تو اثرات نیک و بد میں احتمال تو ضرور ہے۔

جواب: کئی طریقہ ہائے ذکر ہیں۔ جو سارے قرونِ اولیٰ سے ہی شروع ہو گئے تھے۔ صحابہؓ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی ذکر کرتے تھے۔ لیکن ان کا وجود طبعی طور پر نگاہِ مصطفوی ﷺ سے ذاکر ہو گیا جس کی شہادت قرآن کریم میں موجود ہے۔ مثالی مسلمان کے جو احوال قرآن نے بیان کئے ہیں (اور چونکہ صحابہ کرامؓ ہی قرآن کے مثالی مسلمان ہیں) اس کی یہ دلیل دی جاتی ہے۔ انسان جب اللہ کا ذکر یا اللہ کی آیات یا اللہ کے احکام سنتا ہے تو نہ صرف اس کا دل و دماغ بلکہ اس کی جلد کے جو ذرات ہیں دل کے جو اجزاء ہیں وہ بھی محسوس کرتے ہیں اور وہ بھی لرز اٹھتے ہیں۔ پھر یہ ہوتا ہے۔

ثم تلین جلودھم و قلوبھم الی ذکر اللّٰہ

کھال سے لے کر قلب تک ہر ذرہء بدن ذاکر ہوتا ہے۔ تو صحابہؓ کا تو یہ حال تھا۔ لیکن اس کے لیے انھیں کوئی محنت و مشقت نہیں کرنا پڑی' نگاہ مصطفوی ﷺ سے سارا کام ایک نگاہ سے ہو گیا۔

صحابہؓ کی صحبت میں تابعین کو محنت نہیں کرنا پڑی۔ آنے والا پاس بیٹھنے سے ہی تابعی بن گیا۔ تابعی سے ملاقات کرنے والا تبع تابعی ہو گیا۔ شیخ کی مجلس میں بیٹھ کر ذکر کرنا یہ تو صحابہؓ سے بھی ثابت ہے۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھ بیٹھ کر ذکر کرنا' خود آپس میں حلقہء ذکر مسجد نبوی ﷺ میں ثابت ہے۔

ذکر سے آج تک تو دل و دماغ کی بیماریوں کی اصلاح ہی ہوئی ہے یعنی ہمارے تجربے میں بھی ہے اور اس سے پہلے کے بھی جو حالات ہم نے پڑھے اور سنے ہیں ان میں بھی مریضوں کو شفایاب ہوتے دیکھا ہے۔ خود مجھے بتیس برس ہو گئے ہیں یہ ذکر کرتے ہوئے اور بتیس برس بڑا عرصہ ہوتا ہے۔ کوئی مضر اثر ہمارے مشاہدے میں نہیں آیا۔

حضرتؒ اسی سے اوپر عمر گزار کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ آخر تک ان کا دل بھی دماغ بھی دوسروں سے قوی دوسروں سے زیادہ مضبوط تھا۔ ذہنی یادداشت بھی سب سے اچھی، دل بھی سب سے ٹھیک تھا۔ سارے اعضاء بھی درست تھے۔ ان کی عمر بیت گئی۔ رات دن اسی میں۔ یعنی کوئی ایک آدمی یا دو آدمیوں یا ایک صدی کی تو بات نہیں ہے۔ یہاں تو لاکھوں کی تعداد میں ذکر کر رہے ہیں۔ جہاں تک تعلق ہے تنفس کو غیر فطری طریقے سے لینے کا، اگر چلنا ایک فطری عمل ہے تو تیز چلنا یا تیز دوڑنا غیر فطری کیسے ہو جائے گا۔ اگر سانس لینا ایک فطری عمل ہے تو تیزی سے سانس لینا مشکل تو ضرور ہو سکتا ہے۔ لیکن اسے غیر فطری کیسے کہا جائے گا؟ (غیر فطری تو یہ ہے ہی نہیں۔ یہ تو محض ایک نہ سمجھنے کی اور محض ایک کہہ دینے کی بات ہے۔ لوگ دوڑتے ہیں۔ پینتیس میل کی دوڑ کیا غیر فطری ہو جائے گی)۔ جب غیر فطری ہے ہی نہیں تو غیر فطری کا احتمال کیسا؟ اور اگر احتمال کو لیا جائے۔ تو احتمال تو ہر چیز کے ساتھ ہے۔ مثلاً پانی پینے کے ساتھ احتمال ہے کہ اس سے آدمی بیمار ہو سکتا ہے۔ کھانے کے ساتھ احتمال ہے کہ اس سے بیمار ہو سکتا۔ سونے کے ساتھ احتمال ہے کہ اوپر چھت گر جائے گی۔ گاڑی پر بیٹھے احتمال ہے کہ ایکسیڈنٹ ہو جائے گا۔ ہوائی جہاز میں چڑھتے ہوئے احتمال ہے کہ یہ کریش ہو جائے گا تو دنیا کا نظام چھوڑ دیا جائے؟ کہ اس میں تو موت کا یقین ہے پھر زندگی کے کام کرنے سے کیا فائدہ؟

سوال: سانس کے ساتھ ذکر کرنے میں تکلیف ہوتی ہے۔ تھکاوٹ اور نیند محسوس ہوتی ہے؟

جواب: یہ سب کچھ اس لیے ہوتا ہے کہ آپ اس سے بھاگنے کے دروازے ڈھونڈ رہے ہیں۔ آپ ابھی اس کو فیس Face کرنے کے لیے ذہنی طور پر تیار ہی نہیں ہیں۔ آپ ابھی تک اس سے نکل بھاگنے کا راستہ ڈھونڈ رہے ہیں تو آپ اس کو کرنے پہ قادر کیسے ہوں گے؟ آپ ایک کام ذہنی طور پر کرنا چاہتے ہی نہیں۔ آپ نہیں کرنا چاہیں گے تو نہیں ہو سکے گا۔ آپ پہلے یہ طے کر لیجئے کہ آپ کو یہ کام کرنا ہے پھر رفتہ رفتہ (وہ بھی ایک دم سے نہیں ہوگا۔ انسان کوئی ایسی مشین نہیں کہ اس کا سوئچ آن آف کر دیا جائے)۔ اسے بتدریج اس سٹیج پر لانا پڑتا ہے۔ جیسے ایک شخص دوڑ میں حصہ لینا چاہتا ہے تو ایک دم نہیں دوڑ پڑتا۔ دو دو منٹ سے شروع کر کے بڑھاتا جاتا ہے۔ ۳ منٹ ۱۰ منٹ پھر سالوں میں شاید پانچ گھنٹے تک چلا جائے۔ اسی طرح پریکٹس شروع کریں اور آہستہ آہستہ ذکر میں وقت بڑھاتے جائیں تو یہ تھکاوٹ اور تکلیف نہیں رہے گی۔

سوال: کیا ذکر بغیر سانس کے کیا جا سکتا ہے؟

جواب: سانس کے ساتھ تو ہم ذکر کرتے ہی نہیں۔ ذکر تو قلبی ہوتا ہے۔ سانس ضرور تیزی سے لیا جاتا ہے اور اگر سانس تیزی سے نہ لیا جائے تو پھر قلب پر توجہ کر کے بیٹھ جاؤ۔ ذکر قلبی ہوتا رہے گا۔ جبکہ تیزی سے سانس لینے میں دو فائدے ہیں۔ ایک تو جسم کی حرارت، حدتِ خون تیزی کے ساتھ سانس لینے سے بڑھتی ہے۔ آپ کوئی ایسا کام کریں جس سے خون میں حدت پیدا ہو مثلاً آپ دوڑ لگا کر دیکھ لیں۔ وزن اٹھا کر دیکھ لیں۔ جب حدت پیدا ہوگی تو لازماً تنفس، دل کی دھڑکن کا عمل تیز ہوگا۔ جب دل کا عمل تیز ہوگا تو سانس کی آمد و شد تیز ہوگی اور سانس از خود تیز آنا شروع ہوگی۔ آپ سانس روکنا چاہیں تو نہیں رُکے گی۔ تیز ہوگی چونکہ یہ سارا ایک سسٹم ہے قدرت کا بنایا ہوا کہ جب خون میں حدت پیدا ہوتی ہے تو دل کا عمل تیزی سے خون کو لانے لوٹانے لگتا ہے۔ جب دل کی دھڑکن تیز ہوگی تو سانس از خود تیز ہو جاتی ہے تو سانس تیزی سے اس لیے

لی جاتی ہے کہ تیز سانس خون میں حدت پیدا کرتی ہے۔یعنی وہی عمل لوٹے گا۔جب خون میں حدت پیدا ہوتی ہے تو وہ انوارات کو جذب کرنے کی کیفیت اپنے اندر پیدا کر لیتا ہے۔جیسے آپ ایک رنگ کو پانی میں گھول کر کپڑا ڈبو دیتے ہیں تو کپڑے پر رنگ تو چڑھ جاتا ہے لیکن اسی رنگ کو پانی میں گھول کر کڑاہی میں ڈال کر کاڑھ لیا جائے اور پھر اس میں کپڑا ڈبو دیں تو اس پہ بھی رنگ چڑھ جاتا ہے۔رنگ تو وہی ہے رنگت میں کوئی فرق نہ پڑا۔جس کپڑے کو بغیر کاڑھے رنگ چڑھایا تھا اسے ایک دفعہ پانی میں جھول کر دیکھیں کپڑا صاف ہو جائے گا۔نہیں تو ڈب کھڑیا تو ہو جائے گا یا ایک دفعہ دھو کر اتر جائے گا۔جبکہ جسے آپ نے کاڑھ کر چڑھایا ہے ساری زندگی کپڑے سے نہیں جائے گا۔اسی طرح بغیر تیزی سے سانس لیے آپ بیٹھ جائیں انوارات تو پڑیں گے۔لیکن جب آپ اٹھیں گے تو اس میں اس طرح جذب نہیں ہوں گے۔جس طرح آپ تیزی سے سانس لے کر خون میں حدت پیدا کر کے جذب کرتے ہیں۔اس لیے تمام طریقہ ہائے ذکر میں بطور ایک اصول کے مکمل ایک طریقے سے اس طرح سانس لینا صرف ہمارے ہاں ہے۔ باقیوں میں آپشنل ہے۔کوئی چاہے کرے۔کوئی چاہے نہ کرے اور عموماً بہت کامل اساتذہ اور مشائخ نے ایک لطیفے کے لیے کم از کم ایک سال عرصہ رکھا ہے۔سالک تیزی سے سانس نہ لے، آرام سے بیٹھ کر قلب پر توجہ کرے، شیخ کی مجلس میں رہے۔دو سال صحبت شیخ میں رہ کر صبح شام توجہ کرے تو دو سال میں ایک لطیفہ کر سکے گا اور وہ بھی کامل مشائخ سے جو بہت اولوالعزم ہوئے ہیں۔ ہمارے ایک بزرگ ساتھی ہوا کرتے تھے۔انھوں نے اپنے شیخ سے چودہ سال میں پانچ لطیفے سیکھے۔چودہ برس میں پانچویں لطیفے پر سبق تھا کہ شیخ فوت ہو گئے۔ورنہ شاید ایک دو سال اور انھیں پانچویں لطیفے پر لگتے۔بہر حال چودہ برس مسلسل شیخ کے ساتھ رہ کر پانچویں لطیفے تک پہنچے۔سانس تیزی سے نہ بھی لیا جائے تو وہ مقصد تو حل ہو جاتا ہے لیکن چونکہ وہ قوتِ جاذبہ جو ہے وہ قلب میں اور وجودِ انسانی میں اس درجہ تک کام نہیں کرتی لہٰذا پیریڈ یعنی وقفہ بڑھ جاتا ہے اور اس طرح ذکر کرنے سے چونکہ خون میں حدت پیدا ہوتی ہے اور انوارات کو جذب کرنے کے لیے قلب میں اور خون کی حدت میں قوتِ جاذبہ بڑھ جاتی ہے۔اس سے یہ ہوتا ہے کہ ایک توجہ میں سات لطائف روشن ہو

جاتے ہیں۔ یہ معمولی سافرق ہے' آرام سے ذکر کرنے میں اور تیزی سے سانس لینے میں۔

سوال: سانس کے ساتھ ذکر کرنے کی کوئی سند قرآن وحدیث سے درکار ہے؟

جواب: جہاں قرآن میں حج کا حکم ہے اگر اس کے ذرائع اختیار کرنے کی تفصیل قرآن میں ہوگی تو وہاں ذکر کرنے کے سارے طریقے لکھے ہوں گے۔ قرآن حکیم میں وضو کا حکم ہے نماز کے لیے' وضو کے لیے کنویں کھودنے یا لگانے کا حکم کہاں ہے؟ دریا سے پانی لینے کا یا نہر سے پانی لینے کا حکم کہاں ہے؟ قرآن پاک میں مقاصد کا ذکر ہے، ذرائع کا نہیں، ذرائع کے لیے ایک ہی قید ہے کہ کوئی غیر شرعی کام اس بہانے نہ ہو۔ ہمیں نماز پڑھنی ہے ایک پیاسا مر رہا ہے اس سے پانی چھین لیں؟ نہیں۔ پانی نہیں ہے تو تیمم کرلیں' پیاسا نہیں دینا چاہتا اس کا حق ہے کہ وہ نہ دے۔ آپ اس سے نہ چھینیں لیکن ان چیزوں پر قیود شرعی حلت وحرمت جائز و ناجائز کی تو وارد ہوتی ہیں ذرائع کا کوئی مخصوص طریقہ قرآن وحدیث میں زیر بحث نہیں آتا۔ قرآن وحدیث میں مقاصد آتے ہیں مسجد بنانا مقصد ہے اس کے لیے دیواریں پتھروں کی ہونگی یا اینٹوں کی' چونا لگے گا یا نہیں لگے گا' اسے آپ سیمنٹ سے بنائیں گے یا گارے سے بنائیں گے' اس پر لکڑی کی چھت ڈالیں گے' لوہے کی ڈالیں گے۔ اب کوئی آدمی کہے گا کہ لینٹر کی سند قرآن وحدیث سے لو تو یہ بچوں کی سی بات ہے۔ قرآن نے تو بڑا سمپل بڑا سادہ کہا ہے اور بار بار کہا ہے کہ:

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْراً كَثِيْراً ، زندگی میں جتنے کام آپ کرتے ہیں۔ ان میں سے زیادہ کثرت سے جو کام کرو، وہ ذکر الٰہی ہے۔ سوتے ہوئے کرو، ہر حال میں کرو۔ اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْداً وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ. قرآن نے پابندی نہیں لگائی کہ کوئی تیزی سے سانس لے رہا ہے کوئی آہستہ لے رہا ہے بلکہ قلب سے ذکر کرنے کو افضل قرار دیا ہے اور ضروری قرار دیا ہے۔ فرمایا:

وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا.

جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کردیا گویا یہ گناہ کی' کسی جرم کی یا کسی کوتاہی کی سزا ہے

کہ قلب کو ذکر کی توفیق نہ ہواور ساتھ نبی کریم ﷺ سے ارشاد فرمایا کہ ایسوں کی بات کو پرکاہ وقعت نہ دی جائے۔اس کی پرواہ نہ کی جائے وہ اس قابل ہوتا تو ہم اس کے دل سے اپنی یاد کیوں نکال لیتے۔یہ اس قابل ہی نہیں کہ اس کی بات سنی جائے۔

حضور ﷺ نے حدیث تو ارشاد فرمائی لیکن عہد نبوی ﷺ میں بخاری شریف تو نہیں تھی۔اب اگر بخاری و مسلم (خود ان کتابوں) کی سند چاہیے تو وہ کہاں سے آئے گی۔اب یہ جو ہمارے مروجہ دینی مدارس ہیں جو قرآن و حدیث پڑھاتے ہیں۔ان کی کوئی سند تلاش کریں تو حیاتِ نبوی ﷺ میں تو کوئی مدرسہ اس طرح کا مروجہ نہیں ملتا جہاں ایک استاد صرف ونحو پڑھاتا ہے۔ایک استاد حدیث پڑھاتا ہے ایک استاد تفسیر پڑھاتا ہے ایک استاد حفظ کراتا ہے۔اتنے کوئی شعبے نہیں ملتے ایک ہی استاد ہے ایک ہی سکول ہے۔ایک ہی مدرسہ ایک ہی مسجد نبوی ﷺ ہے۔ایک ہی استاد ﷺ ہیں۔وہیں جنگ کی تربیت بھی ہو رہی ہے۔فوجوں کی بھی ہو رہی ہے۔پڑھایا بھی جا رہا ہے۔قرآن بھی آ رہا ہے۔حدیث بھی ہو رہی ہے۔سب کچھ ایک ہی جگہ ہو رہا ہے تو اب کیوں الگ الگ مدرسوں کا اہتمام کیا گیا ہے؟ اس کی سند کہاں ہے؟ یہ ذرائع ہیں۔ذرائع کے لیے سند کی ضرورت نہیں ہوتی۔اس کے لیے جواز کافی ہے کہ وہ کام شرعاً جائز ہو۔ناجائز نہ ہو، سند کی ضرورت مقاصد کے لیے ہوتی ہے۔مقصد کو ذریعے سے الگ کرنا چاہیے۔جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے۔حج کرنا مقصد ہے جس پر فرض ہے اسے کرنا ہے۔اب کوئی گھوڑے پر جاتا ہے۔اونٹ پر جاتا ہے گاڑی پر جاتا ہے، جہاز پر جاتا ہے اس سے قرآن کو غرض نہیں ہے۔نہ اس کا جہاز پر جانے سے ثواب بڑھ جائے گا۔نہ گھوڑے پر جانے سے کم ہو جائے گا، نہ پیدل جانے سے زیادہ ہوگا۔نہ بیٹھ کر جانے سے کم ہوگا۔بلکہ یہ تو جہالت کی باتیں ہیں۔اللہ کریم نئے نئے اسباب و ذرائع دیتا ہے۔اسی طرح مقصد ذکر الٰہی کرنا ہے۔اس کے لیے ذریعہ (شرعی حدود میں) کوئی بھی ہوسکتا ہے۔اور جس قدر مستند کام اور جس قدر مدلل کام صوفیاء نے اور مشائخ حضرات نے کیے ہیں اتنی احتیاط علمائے ظواہر کر ہی نہیں سکتے۔علماء ظواہر کے پاس ایک ذریعہ اور ایک سورس (Source) ہوتا ہے۔وہ ہوتا ہے نقلی اور کتابی جبکہ صوفیاء کے پاس دو ذریعے ہوتے ہیں۔نقلی اور

کتابی بھی اور کیفی بھی۔ یہ جہاں سنت کے خلاف قدم اٹھاتے ہیں ان لوگوں کے قلوب اور ان کی کیفیات متاثر ہوتی ہیں اور یہ فوراً وہاں رُک جاتے ہیں کہ بات صحیح نہیں ہے اور کتنی ایسی باتیں آپ کو صوفیاء کی تحریروں میں ملتی ہیں جنھیں علمائے ظواہر جائز کہتے ہیں اور صوفی درست نہیں سمجھتے۔ ایسی حدیثیں ملتی ہیں جن کی سندیں جو ہیں وہ نہیں پکڑی جاتیں۔ لیکن صوفیاء نے کہہ دیا کہ ان میں حضور ﷺ کے انوارات نہیں ہیں۔ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ ایسی احادیث ملتی ہیں۔

سوال: دلائل السلوک میں ملتا ہے کہ جب حضور ﷺ پر وحی آتی تھی تو آپ ﷺ کا سانس تیزی سے چلنے لگتا تھا۔ لیکن اس میں ذکر کا ذکر نہیں ملتا؟

جواب: کلام باری کا نزول ہوتا تھا تو ساتھ تجلیات باری ہوتی تھیں۔ تجلیات باری جب قلب اطہر رسول اللہ ﷺ پر آتی تھیں تو وہاں بھی خون میں حدت پیدا کرتی تھیں۔ وہاں بھی قلب اطہر کی حرکت تیز ہوتی تھی۔ وہاں بھی سانس تیزی سے چلنے لگتا تھا۔ کسی نے امام اعظم ابوحنیفہؒ کے بارے میں کہا تھا۔

ےاے روشنی طبع تو من بلا شدی

ایک کتاب کسی نے لکھی "حیات ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ" آخر میں ساری بحث سمیٹتے ہوئے انھوں نے لکھا کہ جو لوگ ان پر اعتراض کرتے ہیں' ان کا قصور نہیں۔ ان کے ارشادات اور ان کی ان مسائل کو سمجھنے کی Approach اتنی بلند ہے کہ سطحی آدمی اس بات کو سمجھ ہی نہیں سکتا۔ ان کی باتیں اتنی بلند ہوتی ہیں کہ عام آدمی ان کے خلاف فتوے دینے لگ جاتا ہے تو آخری مصرعہ جو انھوں نے نقل کیا اس میں حیات ابوحنیفہؒ میں انھوں نے لکھا کہ:

ےاے روشنی طبع تو من بلا شدی

یہاں بھی یہی بات ہے کہ حضرتؒ کے ارشاد میں اتنی واضح اور مضبوط دلیل تھی اور آپ کو دلیل نظر ہی نہیں آئی۔ ان باتوں کو سمجھنے کے لیے کسی کے پاس بیٹھنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔ نبی اکرم ﷺ پر جب کسی نئی آیت کا نزول ہوتا تھا تو پھر وہی کیفیت وارد ہو جاتی تھی۔ جو ہر وقت

منبع نور ہیں۔ ہر وقت محیط تجلیات ہیں ہمہ وقت اللہ کی تجلیات کا مرکز ہیں۔ان پر جب کوئی نئی آیت آتی تھی تو سارا حال پھر لوٹ آتا تھا۔خون میں حدت پیدا ہوتی تھی۔قلب اطہر کا عمل تیز ہو جاتا تھا اور وہ تیزی آپ ﷺ کے عمل تنفس سے ظاہر ہوتی تھی۔سانس مبارک تیز ہو جاتی تھی۔تو اب اس قاعدے کو اساتذہ نے الٹایا کہ عمداً سانس تیزی سے لو۔سانس تیزی سے لینے سے قلب تیزی سے حرکت کرے گا۔جب تیزی سے حرکت کرے گا تو خون میں حدت پیدا ہوگی اور خون کی حدت ان انوارات کے ساتھ ربط پیدا کرے گی جو شیخ کی توجہ سے قلب پر پڑ رہے ہیں اور قلب انھیں زیادہ سے زیادہ جذب کرے گا۔

سوال: سلسلۂ عالیہ میں بہت کشف والے ساتھی ہیں۔ پاکستان کا جہاز گم ہو گیا کسی کشف والے نے نہیں بتایا؟

جواب: ذکر کا مقصود کشف اور مشاہدات نہیں ہیں بلکہ کشف اور مشاہدہ ذکر سے ہو جاتا ہے۔ کشف ہو یا نہ ہو۔مقصود وہ کیفیت ہے جو گناہ سے بچائے اور نیکی کا جذبہ دل میں مضبوط کرتی چلی جائے۔کشف ہوتا ہی دین کی تفہیم اور سمجھ کے لیے ہے۔آپ کسی صاحب کشف سے بات کریں گے تو وہ آپ کی بات کو جلدی سمجھ لے گا بہ نسبت دوسرے آدمی کے۔یا جو سوال کریں گے اس کا جواب وہ دوسرے کی نسبت زیادہ اچھی طرح دے سکے گا۔کیونکہ اس کے قلب میں وہ لطافت اور نزاکت ہے جو حقائق کو قبول کرتی ہے۔

کشف کا حال یہ ہوتا ہے۔فرمایا

"کذلک نری ابراھیم ملکوت السموات والارض"

ایک لمحے میں ارض وسما کی ساری حکومت اور کائنات کھول کے رکھ دیں۔ وہی ابراہیمؑ ہیں اوران کا چھوٹا سا بیٹا اسمٰعیلؑ ہیں اور وہ بھی نبیؑ ہیں نہ انھیں بتایا کہ آپ کو ذبح نہیں ہونا۔نہ ہی ابراہیمؑ کو چھری چلنے تک پتہ چلنے دیا کہ یہ بچ جائیں گے۔کشف میں پتہ چلنا چاہیے تھا لیکن اللہ نے پتہ نہیں چلنے دیا اگر یہ مانا جائے کہ پتہ تھا پھر تو کسی باپ کو بھی کہیں کہ تیرا بیٹا ذبح نہیں کرنا۔

چھری لے کر اس کی گردن پر رکھو پھر دنبہ ذبح کریں گے، یہ تو کوئی بھی کر دے گا۔ پھر اسمٰعیلؑ کی تخصیص کیا ہے؟

اس اعتبار سے کشف کے معنی ہی پردے کو ہٹانا ہے اور اسے ہٹانا اللہ کریم کے ہاتھ میں رہتا ہے۔ وہ چاہے تو بہت دور کی بات سمجھ میں آ جائے نہ چاہے تو قریب کی بھی نہ آئے۔

حضرت رحمتہ اللہ نے ایک دن مجلس میں ایک ولی اللہ کا واقعہ سنایا، بڑی خوش مزاجی سے فرمانے لگے "اس کشف کا یہ حال ہوتا ہے کہ ایک ولی اپنے بالا خانے میں بیٹھے دوستوں سے کہنے لگے کہ فلاں جنگل میں کچھ مسافر آ رہے ہیں۔ ڈاکوؤں نے لوٹ کر انھیں قتل کر دیا اور بڑا ظلم کیا۔ بات درست تھی کچھ ہی دیر بعد شور ہوا کہ جنگل میں چند لاشیں پڑی ہیں۔ کوئی قافلہ لوٹا گیا ہے۔ اب اسی رات ان ولی اللہ کا بدکردار بیٹا قتل ہو گیا۔ قاتلوں نے اس کا سر کاٹ کر اندر ڈیوڑھی میں پھینک دیا۔ صبح ان کی بیوی نے دیکھا تو میاں پر بہت برسیں کہ دیکھ لی تیری فقیری۔ جنگل میں ڈاکوؤں کا ذکر کرتا رہا جبکہ یہاں میرا بیٹا مارا گیا اور تیری آنکھ بند رہی۔ ادھر تیرا کشف کہاں گیا۔"

اس معاملے میں بڑے بڑے عجیب واقعات ہوتے ہیں۔ ہمارے ہاں قاعدہ ہے کہ جب لوگ کسی جنازے کے ساتھ قبرستان جاتے ہیں تو جتنی دیر میں قبر تیار ہوتی ہے باقی لوگ گپ شپ کرتے رہتے ہیں تو اگر میں کسی جنازے کے ساتھ ہوں تو اس دورانیے کو استعمال کرتے ہوئے وہاں بیان دے دیتا ہوں۔ اسی طرح ایک دن کسی جنازے کے ساتھ قبرستان میں کوئی آدھ پون گھنٹہ بیان کرتا رہا۔ ہمارے ایک پرانے ساتھی بابا رمضان اللہ انھیں غریق رحمت کرے۔ وہ حیات تھے اور جنازے میں شریک تھے۔ ان کو مشاہدات تھے اور ایسے موقعوں پر ساتھی اکثر انھیں کریدتے رہتے تھے کہ اس قبر میں کیا ہے کون ہے؟ اس دن بھی واپسی پر ایسی ہی باتیں ہو رہی تھیں۔ میں ان کی طرف اتنا متوجہ نہیں تھا لیکن میں نے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے کہ اس قبر میں کوئی ملنگ ہے۔ ہمارے ہاں ملنگ باطل فرقوں کے ہوتے ہیں۔ میں نے ان کی بات سن کر کہا کہ یہ ملنگ تو نہیں ہے یہ تو نجات میں نظر آتا ہے۔ باباجی کہنے لگے کہ ملنگ سے میری مراد فقیر سا آدمی ہے۔ میں نے کہا کہ اس کا تو سینہ منور نظر آتا ہے۔ یہ تو اچھا بھلا آدمی نظر آتا ہے۔ یہاں سے گزر ہوتا رہتا ہے کبھی

پوچھا ہی نہیں، باباجی بھی کہنے لگے کہ اس کا دل روشن ہے پھر یہ پوچھنے پر کہ اس نے یہ انوار کہاں سے پائے؟ وہ آدمی کہنے لگا کہ میرا شیخ یہ ساتھ والے قبرستان میں دفن ہے۔ان کی خدمت میں رہ کر لطیفۂ قلب روشن کیا۔ ساری عمر قلب پر ہی رہا اور اسی پر میرا وصال ہوا۔ باباجی نے وہیں کھڑے کھڑے ان کے شیخ کا پتہ لگایا تو معلوم ہوا کہ جس جگہ میں آدھ پون گھنٹہ کھڑا بیان دیتا رہا وہ عین اسی جگہ دفن ہیں ۔ بہت نیک اور سالک المجذ وبی کی آخری منازل تک ان کے مراقبات تھے اب پتہ نہیں کس زمانے کی وہ پرانی قبر تھی کیونکہ جہاں میں کھڑا رہا وہاں تو کوئی نشان نہ تھا۔ اب دہاں کھڑے ہوئے مجھے کچھ پتہ نہیں چلا اور میل دور سے مشاہدہ ہو گیا۔ میں نے ان کے شیخ سے کہا کہ اگر مجھے سمجھ نہیں آئی تھی تو آپ ہی متوجہ کر لیتے کہنے لگے کہ میں نے تو بہت کوشش کی۔ آپ نے میری طرف توجہ ہی نہیں کی۔تو یہ اللہ کی اپنی شان ہے اس کی اس وسیع کائنات میں پتہ نہیں کتنے راز کہاں کہاں دفن ہیں ہر ایک کو تو کوئی نہیں جان سکتا۔تو کشف کی اصل دین کی سمجھ کے لیے اور اس پہچان کے لیے ہے کہ ایک گناہ کرنے سے کیا نقصان ہوا وہ کیفیات محسوس ہو جائیں۔نیکی کرنے کا کیا لطف آتا ہے۔ وہ ایک شعور ایک ادراک ایک احساس پیدا ہو جاتا ہے اور اگر یہ نہ ہو تو آدمی گومگو کی کیفیت میں رہتا ہے کہ جی علماء کہتے ہیں ثواب ہوگا۔ پتہ نہیں ہوگا بھی کہ نہیں۔تو اس گومگو سے یہ مشاہدہ آدمی کو آگے یقین تک لے جاتا ہے۔

سوال: حضرت! میں مراقبہ دربارِ نبوی ﷺ میں دیکھتا ہوں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی نشست کے دائیں جانب بڑے بڑے گزرے ہوئے اولیاء کرام بیٹھے ہیں اور دوسری جانب چاروں صحابہؓ ۔ان صحابہؓ کی نشستوں کے پیچھے دنیا میں موجود صاحب منصب (اولیاء کرام) بیٹھے ہیں۔سوال یہ ہے کہ دنیا میں موجود اولیاء کرام صحابہؓ کے پیچھے کیوں بیٹھتے ہیں؟ اولیاء کرام کے پیچھے کیوں نہیں بیٹھتے؟

جواب: چونکہ صحابہ کرامؓ ہمیشہ رہنے والی شخصیات ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں جو نبوت ﷺ کے گواہ ہیں۔اس لیے ان کا انکار کفر ہے کیونکہ ان کے انکار سے نبوت ثابت ہی نہ ہو سکے گی۔ان کا زمانہ

ہمیشہ کا ہے۔ اس لیے موجودہ اولیاء ان کے تابع ہیں پرانے بزرگوں کا زمانہ گزر چکا ہے۔ اسی وجہ سے دنیا میں موجود اولیاء کرام ان کے پیچھے نہیں بیٹھتے بلکہ صحابہ کرامؓ کے پیچھے بیٹھتے ہیں۔

سوال: ذکر کے دوران اور ویسے بھی آپ کو روحانی طور پر ایک سے زیادہ جگہ پر ایک ہی وقت میں موجود پاتا ہوں۔ آپ اقربیت کے مقام پر بھی ہوتے ہیں۔ دربارِ نبوی ﷺ میں بھی ہوتے ہیں اور اولیاء کرام کی صف میں بھی۔ براہِ مہربانی سمجھایا جائے۔

جواب: یہ آپ ٹھیک دیکھتے ہیں اسے تصوف میں ''تعدد امثال'' کہتے ہیں اس کی مثال اسی طرح ہے کہ جیسے سورج نکلتا ہے تو ایک جگہ کو منور نہیں کرتا بلکہ تمام دنیا کو روشن کرتا ہے۔ ہر جگہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ سورج صرف ان کے اوپر ہے۔ لیکن وہ ہر جگہ نظر آ رہا ہوتا ہے۔ اسی طرح ولی بھی سورج کی مانند ہوتا ہے ایک ہی وقت میں مختلف جگہوں پر نظر آتا ہے۔ اور سالک کے قلب سے منعکس ہونے والے انوارات میں شیخ کی صورت نظر آتی رہتی ہے۔

سوال: آج رات روحانی بیعت کے وقت دیکھا کہ آپ منصب والی کرسی سے اٹھ کر خود حضور ﷺ کے سامنے آئے اور پھر بیعت والوں کو پیش کیا۔ جبکہ عام طور پر ایسا نہیں ہوتا۔

جواب: عمومی حاضری میں منصب والی کرسی سے اٹھنا نہیں پڑتا۔ عام حاضری اور رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں ہاتھ دینے میں بہت فرق ہے۔ اس کے لیے خود بھی حاضر ہونا پڑتا ہے۔
(اسی قرب پر جو اللہ نے نصیب فرمایا ہے میں نے نظم بھی لکھی ہے)

سوال: اعتکاف کے دوران جتنی بھی روحانی بیعت ہوئیں اس میں زیادہ تر لوگوں کو قرآن کریم عطا ہوا۔ اس سے پہلے حضور ﷺ روحانی طور پر سالک کو کبھی تلوار، جھنڈا، قلم یا قرآن اور کبھی سب کچھ عطا فرماتے۔ صرف ایک چیز ملنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟

جواب: جو کچھ بھی روحانی بیعت کے وقت عطا ہوتا ہے وہ روحانی استعداد کے مطابق عطا ہوتا ہے جن اصحاب کی استعداد زیادہ ہو انھیں زیادہ ملتا ہے۔

سوال: تلاوت قرآن کے دوران یا آپ کے بیان کے دوران جو بھی واقعہ بیان ہو رہا ہو میں اس کا مشاہدہ کرتا ہوں۔ وہ واقعہ تمام تر جزیات کے ساتھ ساتھ سامنے آ جاتا ہے۔ جنت یا دوزخ کا مشاہدہ ہوتا ہے آپ سے درخواست ہے کہ رہنمائی فرمائیں یہ ٹھیک ہے یا شیطانی القاء؟

جواب: یہ صحیح ہے۔ خاص طور پر میں جب بیان کر رہا ہوتا ہوں تو تمام طرف روشنی منعکس ہو رہی ہوتی ہے۔ اس وقت کشف والے ساتھی اگر توجہ دیں تو ان کو ہر وہ چیز نظر آ سکتی ہے جو میں بیان کر رہا ہوتا ہوں۔

سوال: مشاہدے میں چند صاحب منصب حضرات میں سے آپ کے علاوہ صرف دو اور ہیں جن کی سمجھ آتی ہے۔ باقی حضرات کا پتہ نہیں چلتا۔ درخواست ہے کہ تربیت کے لیے رہنمائی فرمائیں۔

جواب: اس سوال کا تربیت سے کوئی تعلق نہیں۔ میں نے خود بتانے والا سلسلہ بند کر رکھا ہے۔ اسی وجہ سے آپکو سمجھ نہیں آتی۔ جب تک میں نہ بتاؤں، پتہ نہ چلے گا۔ پہلے چند لوگوں کو حضرت جیؒ نے بتایا تھا ان میں سے تھوڑے بچ سکے زیادہ تباہ ہو گئے کہ یہ سب برداشت کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ آپکے لیے اتنا کافی ہے کہ دین کا جس سے بھی کام ہو رہا ہے۔ وہ بغیر منصب کے ممکن نہیں۔ مجھے جو اللہ نے منصب دیا ہے وہ نہ تو پہلے کسی کے پاس تھا اور نہ ہی شاید بعد میں کسی کو ملے۔ آج تک کسی ایک سلسلہ نے اتنا کام نہیں کیا جتنا کہ اللہ کریم نے ہم سے لیا۔ ہمارے ساتھی حضرات امریکہ، کینیڈا، جاپان، ناروے، افریقہ، انڈیا اور بنگلہ دیش میں موجود ہیں۔ یہ اس منصب کی برکات ہیں کہ ایک جسم سے اتنے سلسلوں کو برکات، نصیب ہو رہی ہیں۔ بیک وقت روئے زمین پر پوری انسانیت کا کسی ایک سلسلہ کی برکات سے مستفید ہونا اللہ کریم کی خصوصی عنایت ہے اور خیر القرون کے بعد آج تک سلاسل ولایت میں ایسا نہیں ہوا۔ اللہ کریم نے ہر دور میں متعدد وجودوں کو برکات کا منبع بنایا۔ مگر آج اللہ کی عنایت سے ایک ہی سلسلہ ساری انسانیت میں برکات

الٰہی بانٹ رہا ہے۔

سوال: ارتکازِ توجہ خیالات کی یکسوئی یا Power of concentration کا تعلق دماغ سے ہے یا دل سے؟

جواب: میرے بھائی! انسانی جسم کے وہ پانچ حصے جنھیں حواس خمسہ کہتے ہیں وہ چھونے، چکھنے، سونگھنے، دیکھنے اور سننے کی صلاحیتیں ہیں۔ اسی طرح ایک صلاحیت اور بھی ہے جو سوچنے کی ہے یہ ساری صلاحیتیں جو کچھ بھی محسوس کرتی ہیں اس کا اثر براہ راست دل پر مرتب ہوتا ہے۔ آنکھ کوئی خوبصورت چیز یا اچھا پھول یا اچھی تصویر یا اچھے گھر کو دیکھتی ہے تو اس سے دل بھی خوش ہوتا ہے۔ کوئی برائی دیکھتی ہے تو اس سے دل کو تکلیف ہوتی ہے۔ کان اچھی بری آواز سنتا ہے تو اس کا دل پر اثر ہوتا ہے۔ زبان سے اچھے برے الفاظ نکلیں تو دل پر اثر مرتب ہوتا ہے اسی طرح دماغ کی سوچیں بھی دل کو متاثر کرتی ہیں تو ذکر کے وقت جو کہا جاتا ہے کہ آنکھ بھی بند ہو زبان بھی بند ہو اور سوچ بھی اس بات پر مرتکز کر دی جائے کہ اللہ ھو ہو رہا ہے یا اس کے ساتھ ساتھ تھوڑی سی جسم کو حرکت بھی دینا شروع کر دیں تو یہ سارے حیلے حوالے ہیں کہ خارجی اثرات دل پر کم سے کم مرتب ہوں اور جو توجہ ہو رہی ہے دوران ذکر وہ قلب کرے گا۔ جب بھی خارجی اثرات قلب پر آئیں گے اور قلب ان کی طرح متوجہ ہو گا تو ذکر اللہ سے رابطہ کٹ جائے گا۔ چونکہ جب دل میں یکسوئی نصیب ہوتی ہے تو سمجھ نہیں آتی کتنی دیر گزر گئی ہے۔ گرمی سردی یا ارد گرد کیا ہو رہا ہے سے رابطہ کٹ جاتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ قلب ایک وقت میں صرف ایک ہی طرف متوجہ رہ سکتا ہے۔ ارتکازِ توجہ یا Power of concentration دراصل یوگا میں ہندوؤں کی عبادتوں اور مجاہدوں کا ایک شعبہ ہے۔ یہ ایک طرح کی ذہنی ورزشیں ہیں جو ٹیلی پیتھی بھی کہلاتی ہیں۔ یہ Power پوری دماغی صلاحیت کو ایک نقطے پر مرتکز کر کے دیکھتے رہنے سے آتی ہے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے یہ لوگ ایک ہی نقطے کو پانچ منٹ دس منٹ، پندرہ منٹ اور بڑھاتے بڑھاتے گھنٹوں تک لے جاتے ہیں پھر موم بتی رکھ کر دیکھتے رہتے ہیں جو بہت ماہر ہو جاتے ہیں وہ سورج کو گھنٹوں دیکھ سکتے

ہیں اور یہ ساری پریکٹس وہ دماغی صلاحیتوں کو ایک نقطے پر مرتکز کرنے کے لیے کرتے ہیں جب یہ دماغی صلاحیت ان میں آ جاتی ہے تو اس کو استعمال کرتے ہوئے وہ دوسروں کے ذہنوں میں اپنی سوچ القاء کرنے یا دوسروں سے ان کے منصوبوں کو Suck کرنے کی اہلیت کس حد تک پا لیتے ہیں۔ اس زمانے میں یہ کام آپ مشینوں سے بھی لے رہے ہیں جیسے ٹیلی ویژن پر دنیا کے ایک سرے پہ بیٹھے آپ دوسرے سرے پر ہوتی گیم دیکھ لیتے ہیں اسی طرح ارتکازِ توجہ والا بغیر ٹیلی ویژن کے دیکھ سکتا ہے یہ ممکن ہے۔ آپ ٹیلی فون سے دنیا کے دوسرے سرے کی بات سن سکتے ہیں اور ارتکازِ توجہ والا اس کے بغیر بھی سن سکتا ہے۔ افریقہ میں ابھی تک ایک قبیلہ ایسا ہے جن میں یہ ارتکازِ توجہ عبادت کا درجہ رکھتی ہے اور ان کا مذہب قبل تاریخ کا ہے۔ ان میں آج بھی یہ طریقہ کار رائج ہے کہ گھر سے جب کوئی نکلتا ہے تو آپس میں وقت مقرر کر لیا جاتا ہے کہ فلاں وقت میں تم سے رابطہ کروں گا۔ اس وقت دوسرا بھی متوجہ ہو جاتا ہے۔ خواہ وہ سومیل دور ہو جونہی وہ ایک دوسرے کی طرف توجہ کرتے ہیں تو وہ بات کر لیتے ہیں۔ یہ سب کچھ ممکن ہے۔ مادی قوت سے جو کچھ کیا جا سکتا ہے وہی ارتکازِ توجہ سے بھی ہو سکتا ہے کیونکہ عقل مادی ہے البتہ ارتکازِ توجہ سے برزخ، ملائکہ، بالائے آسمان یا تجلیات باری کا مشاہدہ ممکن نہیں۔

سوال: خیال یا توجہ کی کمی یا کمزوری سے مراقبات یا مشاہدات پر جو اثر پڑتا ہے وہ کمزوری کیسے دور کی جائے؟

جواب: ہمارے ہاں توجہ یا یکسوئی صرف اس لیے ہے کہ دل پر حواس کی وجہ سے جو Disturbance پیدا ہوتی ہے وہ نہیں ہونی چاہیے۔ ہمارا اصل معاملہ دل کے ساتھ ہے لیکن اگر اس میں توجہ یا یکسوئی نہ آئے تو دماغ کچھ سوچنا شروع کر دیتا ہے۔ آپ آنکھ کھول کر کسی اور کو دیکھنا شروع کر دیں کان سے کوئی گانا سننا شروع کر دیں تو یہ دل کی یکسوئی کو ڈسٹرب کرتا ہے جس کی وجہ سے ہمارا دل پوری کیفیات اخذ نہیں کر پاتا۔ اب یہ سوال کہ اس کمزوری کو کیسے دور کیا جائے تو اس کا سب سے اچھا علاج کثرت مراقبہ ہے۔ ذکر کے بعد طویل مراقبہ کیا جائے اگر آپ کے

مراقبات ثلاثہ ہیں تو اقربیت پر دھیان کر کے سو جائیں۔ اگر صرف لطائف یا رابطہ ہی ہے تو قلب پر توجہ کر کے سو جائیں اگر بیٹھنے کے لیے کچھ لمحے فرصت مل گئی ہے تو بیٹھ کر مراقبہ کر لیں۔ زیادہ سے زیادہ مراقبہ کرنا دل میں قوت پیدا کرتا چلا جاتا ہے۔

سوال: کیا کسی ساتھی کی شکایت کرنے سے انسان منازل سے گر سکتا ہے؟

جواب: جہاں تک منازل سے گرنے کا تعلق ہے تو اس سے لوگ غلطی سے نہیں گرتے، بددیانتی سے گرتے ہیں۔ غلطی اور بددیانتی میں بڑا فاصلہ ہے۔ بددیانتی یہ ہوتی ہے کہ آدمی جانتا ہے کہ یہ کام غلط ہے مجھے نہیں کرنا چاہیے لیکن وہ پرواہ نہ کرتے ہوئے احکام الٰہی کو چھوڑتے ہوئے یا شیخ سے بددیانتی کرتے ہوئے، سلسلے سے، سلسلے کے کسی ساتھی کسی عام آدمی سے بددیانتی کرتے ہوئے عمداً وہ کام کرتے ہیں۔ ترقی اور ہدایت میں غلطی سے مراد یہ ہے کہ آدمی سمجھ رہا ہوتا ہے کہ میں صحیح کر رہا ہوں جبکہ وہ غلط کر رہا ہوتا ہے۔ اسے غلطی کہتے ہیں تو غلطی سے نقصان نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ جب آدمی کو پتہ چلتا ہے کہ میں غلطی کر رہا ہوں تو وہ اس کی اصلاح کرتا ہے توبہ کرتا ہے۔ اللہ کریم غلطیاں معاف فرماتے ہیں۔ انسان فرشتہ تو نہیں ہے غلطی اس سے ہو سکتی ہے۔ جہاں تک شکایت کرنے سے نقصان کا تعلق ہے تو اسے شکایت نہیں کرنی چاہیے۔ یہ ایک قسم کی ثالثی سی بن جاتی ہے کہ آپ کا کوئی جھگڑا یا اختلاف آپس میں طے نہیں ہوتا اور آپ اپنے کسی بڑے سے طے کرا لیں تو یہ کوئی شکایت نہیں ہوتی۔ شکایت وہ ہوتی ہے جو آدمی کسی کے منہ پر بات نہیں کر سکتا وہ اس کی پیٹھ پیچھے کہہ دیتا ہے اور ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ کوئی بھی ساتھی کسی بھی ساتھی کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہے تو جب وہ سامنے بیٹھا ہو تب بات کی جائے۔ یہ شکایت نہیں ہے۔ یہ تو ہے اصلاح کی بات۔ اور اگر ہم سمجھتے ہیں کہ جی شیخ سے جا کر بات کہیں لیکن اسے پتہ نہیں چلے تو یہ دیانت داری کے خلاف ہے اس سے بات کرنے والے کا نقصان پہلے ہوگا اور جس کے متعلق کر رہا ہے اس کی تو شاید کچھ بچت ہو جائے کہ نجانے بات میں حقیقت کتنی ہوگی۔

سوال۔ مراقبات میں جب روح کسی مقام پر جاتی ہے تو بدن کیسے زندہ رہتا ہے؟

جواب: آپ کو اگر مراقبہ احدیت ہے ہی نہیں تو اس کی سمجھ کیسے آئے گی کہ مراقبہ احدیت یا کسی بھی اور مقام پر روح جسم کو جب چھوڑتی ہے تو انسان زندہ کیسے رہتا ہے؟ بہرحال جیسے سارے جہان میں روشنی پھیلا کر بھی سورج نہیں پھٹتا۔ اسی طرح جب روح بھی جسم سے نکل کر مختلف مقامات تک جاتی ہے تو انسان مرتا نہیں۔ روح کا اپنے جسم سے تعلق قائم ہوتا ہے البتہ موت پر روح کا جسم سے تعلق منقطع کر دیا جاتا ہے۔ موت کی ایک الگ کیفیت ہے جبکہ مراقبات کی کیفیات الگ ہیں۔ اس چھوٹی سی مادی آنکھ کا ہی تجزیہ کریں۔ جب یہ اٹھتی ہے تو آسمان تک جاتی ہے۔ چاند سورج تک ایک لمحہ میں پہنچ جاتی ہے۔ کیا نگاہ کے اس طرح جانے اور آنے میں آنکھ پھٹ جاتی ہے؟ اگر مادی آنکھ میں قوت وصلاحیت ہے تو روح کی قوت وصلاحیت کا ادراک آپ کر ہی نہیں سکتے۔

سوال: رسالت مآب ﷺ کے بعد ان کے علوم کا حقیقی وارث کون ہوا ہے؟ اگر آپ صحابہ کرامؓ کا نام لیں گے۔ تو اس وقت ان میں بھی اختلاف رہا۔ اگر آپ علما کرام کا نام لیں۔ ان میں آج بھی اختلاف ہے۔ اگر آپ اولیاء کرام کا نام لیں تو ہر ولی کی طریقت جدا نظر آتی ہے۔ اگر آپ یہ کہیں کہ ان سب کی منزل ایک ہے' صرف راستے جدا جدا ہیں تو میری نظر میں قابل قبول نہیں کیونکہ صراطِ مستقیم صرف ایک ہوتا ہے؟

جواب: علمی وراثت کے بارے میں ایک اصولی بات سمجھ لیں۔ نبی کریم ﷺ اور امت کے درمیان صحابہ کرامؓ ایک واسطہ ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے جو دولت بانٹی اور لٹائی وہ امت کو صحابہ کرامؓ کے ذریعے ہی پہنچی۔ اگر یہ درمیانی واسطہ قابل اعتبار نہ ہو تو سارا دین ہی قابل اعتبار نہیں رہتا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس درمیانی واسطہ کو کیا اللہ کریم نے اور رسول کریم ﷺ نے قابل اعتبار قرار دیا ہے اور اگر قرار دیا ہے تو اس میں شک کرنا کسی طرح مناسب نہیں۔ قرآن کریم کی سو سے زیادہ آیات اس امر پر شاہد ہیں کہ صحابہؓ قابل اعتبار ہی نہیں بلکہ نبی کریم ﷺ کی عطا کردہ

دولت کے امین ہیں اور اسے مخلوق تک پہنچانا ان کے فرائض میں داخل ہے اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے جو آپ نے اپنے حجۃ الوداع کے خطبے کے دوران سارے صحابہؓ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جو موجود ہیں وہ ان تک پہنچائیں جو موجود نہیں۔ یعنی حضور اکرم ﷺ نے سارے صحابہؓ کو دینی علوم کا وارث قرار دیا اور امت کو اس کی ضمانت دی کہ **اصحابیؓ کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم** کہ میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں۔ جس کا دامن تھام لو گے تمھیں منزل مقصود تک پہنچا دے گا۔ اب یہ فیصلہ امت کو خود کرنا ہے کہ وہ اللہ و رسول ﷺ کی بات پر اعتماد کرے یا عام انسانوں کی رائے کو اپنائے۔

سوال: تصوف کی جامع تعریف کیا ہے؟ اس ضمن میں حضور اکرم ﷺ کی کوئی حدیث مبارکہ ہو تو بتائیں۔

جواب: تصوف کی جامع تعریف یہ ہے کہ یہ دین کا پریکٹیکل پہلو ہے۔ اسی لیے قرآن کریم میں تزکیہ کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے اور حدیث پاک میں احسان کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کی حقیقت کے متعلق نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا کہ احسان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت یوں کر جیسے تو اسے دیکھ رہا ہے یہ وصف پیدا کرنا تصوف کا مقصود ہے۔

سوال: کیا اشرف الانبیاء ﷺ نے اپنے کسی صحابیؓ کو ولی، قطب، ابدال یا غوث کہہ کر مخاطب کیا؟ آپ ﷺ نے کسی صحابیؓ کو کسی علاقے کی ولایت تفویض فرمائی؟ کیا ان کے زمانے میں کوئی مجذوب یا سالک گزرا ہے؟ کیا کسی صحابیؓ پر حال وغیرہ چڑھتا تھا؟

جواب: صحابیؓ کا منصب اتنا بلند ہے کہ ولی، قطب، غوث اس کی جوتی کی خاک کے برابر بھی نہیں ہوتے لہٰذا صحابیؓ کو غوث کہہ کر پکارنا ایسا ہے جیسے کسی صدر مملکت کو پٹواری کہہ کر پکارا جائے۔ حال پڑنا ناقص ہونے کی دلیل ہے۔ کامل کو حال نہیں پڑتا۔ لہٰذا صحابیؓ کو حال پڑنا ممکن ہی نہیں۔

سوال: حضرت ابوعلی وفاق نے ارشادفرمایا کہ جس شخص نے اپنے ظاہر کومجاہدہ کے ذریعے آراستہ کیا، اللہ تعالیٰ اس کے باطن کو مشاہدہ کے ذریعے آراستہ فرمادے گا۔ اس مجاہدہ کی عملی صورت کی وضاحت فرمائیں؟

جواب: مجاہدہ فرائض ادا کرنے کے بعد نوافل اور اذکار میں بقدر ہمت محنت کرنے کا نام ہے۔ اس کے علاوہ زندگی میں پوری طرح شرکت کرے۔ حرام اور جھوٹ سے بچے، فضول باتوں سے بچے' نوافل ادا کرے، ذکر کثرت سے کرے۔

سوال: ابوعثمانؒ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو اپنے نفس کی کوئی بات اچھی لگتی ہے تو وہ شخص اپنے نفس کا عیب نہیں دیکھ سکتا۔ یہ ''نفس'' کیا ہے؟

جواب: یہ قانون صرف اپنے نفس کے لیے ہی نہیں بلکہ عام ہے۔ آپ جسے پسند کرنے لگیں وہ انسان ہو یا جانور، کوئی گھر ہو یا مکان' اس کے عیب کم ہی نظر آئیں گے۔ ایسے ہی نفس کی خواہش یا آرزو اگر پسندیدہ نظر آئے تو اس کے عیب بھی کم نظر آئیں گے۔ نفس کیا ہے؟ وہ شے جو انسان کے اندر خواہشات کو جنم دیتی ہے اگر تو خواہش تابع شریعت ہوگی تو درست ہے کہ یہ خواہش نفس کی ذاتی نہیں بلکہ اطاعت اللہ کی آرزو ہے۔ اگر شریعت کے خلاف ہوگی تو وہ نفس کی ذاتی ہوگی جو کبھی پسندیدہ نہیں ہوتی۔ لیکن عموماً انسان اسے پسند کرتا ہے۔

سوال: نقشبندیہ، اویسیہ سلسلہ میں ایک نووارد کے لیے ''معمولات یومیہ'' تجویز فرمائیے۔ آپ کے ''لائحہ عمل'' میں نووارد تشنگی محسوس کرتا ہے کہ اس کے علاوہ بھی کچھ کرنے کی تمنا ہے۔

جواب: کرنے کا اصل کام ذکر قلبی ہے۔ جو رات دن کرنے کا مشورہ دیا گیا ہے۔ زبانی اذکار باعث ثواب ضرور ہیں مگر کیفیات پیدا کرنا ان کا کام ہی نہیں۔ یہ مقصد ذکر قلبی ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ اگر آپ نے چلتے پھرتے، کام کاج کرتے' سوتے جاگتے ذکر کی طرف توجہ راسخ کر لی تو بہت بڑا کام ہوگا۔ اس لیے سلسلہء عالیہ میں تلاوت کلام اللہ اور درود شریف یا کلمہ شریف کے علاوہ

اذکار کم بتائے جاتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ وقت ذکر قلبی پر ہی صرف کیا جائے۔

سوال: نقشبندیہ اویسیہ سلسلہ کا ایک شخص بوجوہ کسی بھی حلقۂ ذکر میں شامل نہیں ہوسکتا۔ مگر وہ خود پابندی سے لطائف کرتا رہتا ہے۔ کیا وہ موثر ہوں گے؟

جواب: حلقۂ ذکر میں اگرچہ تنہا ذکر کی نسبت فائدہ زیادہ ہوتا ہے لیکن تنہا ذکر بھی کیا جا سکتا ہے۔ منع نہیں ہے اور مفید بھی ہے۔

سوال: لطائف کے منور ہونے سے آپ کی کیا مراد ہے؟ اس کی کیا پہچان ہے؟

جواب: لطائف منور ہو جائیں تو گناہ سے تنفر پیدا ہو جاتا ہے اور نیکی سے ایک مسرت کی لہر سی دوڑتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ یہ ہی اصل پہچان ہے۔ اگر مشاہدہ نصیب ہو تو پھر لطائف کے انوارات اور ان کی کمی بیشی بھی نظر آتی ہے۔

سوال: ''روح کی قوتِ پرواز'' کیا چیز ہے؟

جواب: ذکر اذکار میں ایک طریقہ پاس انفاس کا ہے۔ یہ ہی طریقۂ ذکر ہمارے سلسلے میں رائج ہے۔ ذکر کے آخر میں رابطہ کیا جاتا ہے جب یہ رابطہ مضبوط ہو جائے تو روح کے لیے سیڑھی کا کام دیتا ہے اور روح اس کے ذریعے سے پرواز کر کے مقاماتِ عالیہ تک رسائی حاصل کرتی ہے۔ اس کو روح کی پرواز کہتے ہیں۔

سوال: مولانا احمد علی لاہوریؒ، مولانا عبید اللہ انور صاحب روحانیت میں کس مرتبہ پر فائز تھے؟

جواب: مولانا احمد علی لاہوریؒ برصغیر کے ان اولیاء اللہ میں سے تھے جن کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے۔ صاحبِ منصب تھے۔ قطبِ ارشاد تھے۔ عبید اللہ انور صاحب سے آشنائی نہیں ہوئی۔ ان کی بات خدا جانے۔

تلک امۃٌ قد خلت لھا ما کسبت ولکم ما کسبتم۔ (القرآن)

سوال: روناوگریہ زاری زیادہ رہتی ہے۔خصوصاً سلطان الاذکار کے وقت۔ یہ پہلے نہیں تھی۔ اب ۹،۸ ماہ سے شروع ہے۔اس کے متعلق فرمادیں کہ کیا کرنا چاہیے؟

جواب: روناوگریہ کا ہونا یا مغلوب الحال ہونا ایک مقام پر کھڑا رہنے کا نتیجہ ہے۔اگر سالک مسلسل آگے بڑھتا رہے تو عموماً یہ حالت نہیں ہوتی۔آپ کی ملاقات عرصہ بعد ہوتی ہے۔اس میں بھی غالباً توجہ حاصل نہیں فرماتے۔اب کے ملاقات پر یاد کرادیں۔انشاءاللہ آگے توجہ دے دی جائے گی۔

سوال: ابھی تک میں یہ سمجھتا رہا کہ ہمارا ذکر (جو ہم کرتے ہیں) یہ پاس انفاس کا ذکر ہے اور یہی ذکر قلبی ہے۔ جناب حافظ صاحب نے بھی مرشد آباد اور کئی مقامات میں اسی کو پاس انفاس اور ذکر قلبی فرمایا۔مولانا حسین احمد مدنیؒ کے ایک مکتوب سے معلوم ہوتا ہے کہ پاس انفاس علیحدہ اور ذکر قلبی علیحدہ ہے۔وضاحت فرمائیے؟

جواب: ہر سلسلہ کا اپنا ایک طریقۂ ذکر ہوتا ہے تمام سلاسل تصوف میں پہلے سانس کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے پھر سانس کی طرف سے توجہ ہٹا کر صرف قلب کی دھڑکن پہ مراقبہ کر کے کوشش کی جاتی ہے کہ لطیفہ روشن ہو۔بعض سلاسل میں پاس انفاس سے قبل ذکر جہر پھر لسانی پھر پاس انفاس اور بعد ازاں توجہ الی قلب کا طریقہ رائج ہے۔اس طرح ایک لطیفہ کے لیے سالوں کا عرصہ درکار ہے۔جن حضرات نے بہت جلدی کیا انھیں بھی دو سال عموماً ایک لطیفہ کے حصول میں صرف کرنا پڑے۔یہ کمال نسبت اویسی کا ہے کہ ایک نگاہ میں سارے لطائف روشن ہو جاتے ہیں۔ہمارے سلسلے میں مراقبہ بر قلب کی جگہ پہلا مراقبہ، ربط بالاحدیت اور مقام احدیت کا ہے۔

کیا آپ کو یہ بات عجیب محسوس نہیں ہوئی کہ تمام سلاسل میں لاکھوں میں صرف چند افراد کو لطائف کرائے جاتے رہے۔ورنہ سب کو ذکر لسانی اور تسبیحات ہی بتائی جاتی رہیں اور تبع تابعین

کے بعد یہ فیوضات شیخ المکرمؒ سے جاری ہوئے کہ ہر آنے والا لطائف پر توجہ حاصل کر کے گیا۔ حالانکہ سنت یہی طریقہ تھا۔ مگر خیر القرون کے بعد یہ سعادت حضرتؒ اور سلسلہ عالیہ کے حصہ میں آئی۔ اب یہ اللہ کی مرضی کہ کس کو کیا عظمتیں بخشتا ہے اور اس سے کیا کام لیتا ہے۔ سو حافظ صاحب نے درست فرمایا اور آپ نے درست سمجھا تھا۔

سوال: ذکر کے دوران چھینک آ جائے تو کیا کرنا چاہیے؟

جواب: ذکر کے دوران اگر چھینک آ جائے تو چھینک کر دوبارہ ذکر شروع کر دینا چاہیے۔

سوال: ہمارے ہاں جو ساتھی ذکر کرانے آتے ہیں انھوں نے ایک دفعہ فرمایا کہ مراقبات صرف خیال یا تصور ہیں؟ اس کی وضاحت کر دیں۔

جواب: یہ بات درست نہیں۔ خیال یا تصور تو ہندوؤں کے یوگا میں ہے۔ اسلامی تصوف میں جو مراقبات ہیں یہ حق ہیں اور حقیقت ہیں اس میں تصور کی ضرورت ہی نہیں ہوتی نہ ہی یہ تصور کروایا جاتا ہے۔

سوال: اگر مراقبے میں شیطانی وسوسے آئیں تو کیا کرنا چاہیے؟

جواب: وسوسے کا صرف ایک علاج ہے کہ اس کی طرف آدمی متوجہ نہ ہو۔ اس کے علاوہ دنیا میں وساوس کا کوئی علاج نہیں اور شریعت نے بھی وسوسے کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ یقین کو اہمیت دی ہے۔ مثلاً آپ نے وضو کیا پھر وسوسہ آتا ہے کہ میرا وضو نہیں رہا۔ لیکن چونکہ یقین وضو قائم ہونے کا ہے تو نماز جائز ہوگی۔ اعتبار یقین کا ہوگا، وسوسے کا نہیں۔ آدمی نماز پڑھ رہا ہے اسے یقین ہے کہ میں نے چار پوری پڑھ لیں۔ وسوسہ آتا ہے کہ نہیں تین پڑھیں ہیں تو وہ عمل اپنے یقین پر کرے گا وسوسے کا پابند نہیں ہوگا۔ اہمیت یقین کی ہے وسوسے کی نہیں۔

سوال: احدیت، معیت، اقربیت میں کیا تصور باندھا جائے؟

جواب: میرے بھائی! اس میں تصور کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کو جب بھی احدیت نصیب ہوگی تو صاحب مجاز یا شیخ کی توجہ سے دو میں سے ایک بات آپ کو حاصل ہوگی یا تو مشاہدہ نصیب ہو جائیگا اور احدیت نظر آئے گی یا احدیت کے انوارات نظر آئیں گے یا احدیت پر کھڑی ہوئی اپنی روح نظر آئے گی یا کسی خوش نصیب کو تینوں چیزیں نظر آ جائیں گی۔ یا کسی کو تینوں میں سے دو نظر آ جائیں گی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مشاہدہ نہ ہو تو دوسری صورت میں وجدان نصیب ہو جائے گا۔ دو میں سے ایک چیز نصیب ہو جاتی ہے۔ وجدان میں کچھ نظر نہیں آ رہا ہوتا۔ لیکن دل مان رہا ہوتا ہے کہ میں وہاں کھڑا ہوں۔ وہاں یہ چیزیں ہیں۔ اور وجدان کی شناخت یہ ہے کہ وہ دل میں اتنی شدت سے اللہ کی طرف سے آتا ہے کہ کوئی عقلی دلیل اسے رد نہیں کر سکتی کوئی اسے یہ نہیں منوا سکتا کہ یہ صحیح نہیں ہے۔ بظاہر وہ دیکھ نہیں رہا ہوتا لیکن وہ دیکھ رہا ہوتا ہے۔ وجدان مشاہدے سے مضبوط چیز ہوتی ہے۔ مشاہدے میں ایک نقصان کا اندیشہ یہ ہوتا ہے کہ شیطان آسمان سے اوپر تو نہیں جا سکتا لیکن جو انوارات جا رہے ہوتے ہیں ان میں کوئی تصویر پرنٹ کر دیتا ہے۔ کوئی اپنا رنگ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے جسے نوٹ کرنا یا محسوس کرنا آسان نہیں ہوتا لیکن جسے وجدان ہوتا ہے اس پر انوارات اس کے دل کی طرف آ رہے ہوتے ہیں۔ اس میں القاء ہو رہا ہوتا ہے کہ یہ بات ہو رہی ہے تو اس میں اگر وہ مداخلت کرے تو وہ بات فوراً دل پہ آ جاتی ہے بال بال کھڑا ہو جاتا ہے۔ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پتہ چل جاتا ہے کہ کچھ گڑبڑ ہے۔ لہٰذا وجدان زیادہ محفوظ راستہ ہے۔ لیکن اس میں نہ میری مرضی ہے نہ آپ کی پسند۔ یہ اللہ کریم کی عطا ہے۔ وہ اپنی مرضی سے دیتا ہے۔ کسی کو وجدان دے دیتا ہے کسی کو مشاہدہ دے دیتا ہے، خالی کسی کو نہیں رکھتا۔ دیتا ضرور ہے۔ اگر دیر لگتی ہے یا بہت جلدی ہوتی ہے تو یہ بھی وہ خود ہی جانتا ہے کہ کسی کو کس وقت کیا دینا ہے۔ آپ کا کام محنت کرنا ہے۔ ہمارا کام توجہ کرنا اور آپ کے لیے کوشش کرنا ہے۔ اس کے بعد اس پر ثمرات مرتب کرنا یہ اس کا اپنا کام ہے۔

سوال: مراقبات کرتے وقت کیا سوچا جائے؟

جواب: مراقبات کرتے وقت کچھ نہ سوچا جائے سوچنے کی بات نہیں ہے۔ میرے بھائی بات یہ ہے کہ ذکر کرتے وقت آپ جب کوشش کرتے ہیں کہ اللہ ھو کر رہا ہوں تو باقی باتیں سوچنے کی ضرورت نہیں ہے۔ پوری توجہ اللہ ھو پر ہی رہے۔ جب مراقبہ کرتے ہیں تو سب سے پہلے رابطہ ہوتا ہے قلب سے انوارات اٹھ کر عرش تک جا رہے ہیں تو توجہ اس طرف رہے اگر مراقبات نصیب ہوں تو پوری توجہ اس مراقبہ پہ رہے جسے کر رہے ہیں۔

سوال: تمام نیک اعمال پر حتی الوسع عمل ہے۔ مگر نماز میں نہایت سستی ہے۔ بنیادی وجہ اور تدارک بتائیں۔ عین نوازش ہوگی۔

جواب: ذکر الٰہی پابندی سے شروع کر دیں اور پورے خلوص سے کریں۔ اللہ کا نام خود راہ پیدا کر دے گا اور نیک اعمال کی توفیق ارزاں کر دے گا۔

سوال: تصوف میں حرام سے بچنے پر زور دیا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کے ہاں مہمان ہو اور کھانا کھانا پڑے اور پتہ ہو کہ میزبان کا ذریعہ آمدن ٹھیک نہیں تو کیا کیا جائے؟

جواب: مہمان، میزبان کے ذرائع آمدنی جاننے کا مکلف نہیں ہوتا لیکن حرام کی جو کدورت یا نحوست یا سیاہی ہے وہ دل پر ضرور جاتی ہے۔ صرف اخروی عذاب یا مواخذہ نہیں ہوگا۔

سوال: آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر شخص دین کو پھیلانے کی کوشش کرے خواہ کسی کے پاس ایک لطیفۂ قلب ہی ہو وہ اسے آگے سکھائے جبکہ دوسری طرف فقہا کے نزدیک دوسروں کا تزکیہ کرنا فرض کفایہ ہے۔ برائے مہربانی وضاحت فرمایئے۔

جواب: میرے بھائی! یہ فرض کفایہ کتنے لوگ کر رہے ہیں۔ کبھی آپ نے انسانی آبادی گنی چھ سو اور سات سو کروڑ کے درمیان ہے اور اس میں چھ ہزار تو آپ ذکر کرنے والے نہیں آپ بھی

چھوڑ دیں تو یہ فرض کفایہ کون کرے گا۔ فرض کفایہ بھی تو تب ادا ہوتا ہے جب شہر میں سے دو چار آدمی تو جنازہ پڑھیں۔ سارے نہیں پڑھیں تو فرض عین ہو جائے گا سارے فرض عین کے تارک ہوں گے ایک مسلمان مرتا ہے تو اس کا جنازہ پڑھنا فرض علی الکفایہ تب ہے کہ کچھ لوگوں نے پڑھ لیا اور جو رہ گئے ان کی طرف سے بھی ہو گیا لیکن اگر کسی نے بھی نہیں پڑھا تو سارے فرض عین کے تارک ہوں گے تو آپ اپنی تعداد دیکھ کر انسانی آبادی دیکھ کر حساب لگائیں یہ فرض کفایہ کتنے لوگ کر رہے ہیں تو میاں یہ تو پسند کی بات ہے۔ یہ مال بیچنے سے بڑھتا ہے اگر کوئی دوسروں کو نہیں سکھانا چاہتا تو وہ اپنے اجر میں کمی کرے گا ہمارا نقصان تو نہیں کرے گا۔ اگر ایک لطیفہ بھی آتا ہے تو آپ نے فقہاء کی یہ نصیحت تو پڑھ لی کہ یہ فرض کفایہ ہے۔ نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کو کیوں بھول گئے کہ

''بلغوانی ولو کان ایة''

کہ ایک کلمہ بھی میرا تم تک پہنچے تو دوسرے مسلمان تک پہنچا دو اور اللہ کے اس حکم کو کیوں بھول گئے کنتم خیر امة اخرجت للناس تم بہترین امت اس لیے ہو کہ تم دوسروں کے لیے زندہ رہتے ہو تو کیا اس آیت کے مطابق پوچھا نہیں جائے گا کہ دوسروں کے لیے آپ نے کیا کیا۔

سوال: مراقبات کا عالم برزخ کی زندگی میں کیا اثر ہوگا؟

جواب: مراقبات برزخ کا سکہ ہیں۔ جس ملک میں آپ جاتے ہیں۔ اس ملک کے سکے کا جو استعمال اس ملک میں ہوتا ہے وہی اثر مراقبات کا برزخ میں ہوگا۔ اور علمائے حق کے نزدیک فرائض اور سنن کے بعد نوافل سے مراقبات زیادہ بہتر ہیں۔ اور کاملین کثرت نوافل کی بجائے کثرتِ مراقبات کو ترجیح دیتے ہیں۔

سوال: خواب آپ کے علاوہ کسی اور کو بتا سکتے ہیں؟

جواب: خواب خواب ہوتے ہیں اور ہم مکلف ہیں حقائق کے۔ خواب اچھا آئے تو اللہ کا شکر

ادا کرو، برا خواب آئے تو جس وقت آنکھ کھلے، تین دفعہ لاحول پڑھ کر پھونک دو اور بھول جاؤ۔ خواب، خواب ہوتے ہیں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا ایک شعر ہے ان سے کسی نے اپنا خواب بیان کیا تو انھوں نے فرمایا۔

نہ شمم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم

نہ تو میں رات کی ظلمت ہوں نہ رات کا پجاری کہ خواب کی باتیں کروں۔

من غلام آفتابم ہماں آفتاب گویم

میں تو سورج کا غلام ہوں نبی کریم ﷺ سے میرا رشتہ ہے میں جو کہتا ہوں وہ حضور ﷺ سے سن کر کہتا ہوں میں خوابوں والوں کو کچھ نہیں سمجھتا۔

تو ہم مکلّف ہیں ارشاداتِ نبوی ﷺ کی اطاعت کے۔خواب میں کوئی اچھا نظر آیا الحمد للہ، برا نظر آیا تو لاحول ولا، لیکن ہم ماننے کے اور عمل کرنے کے مکلّف ہیں حضور ﷺ کے ارشادات کے۔

سوال: کرامت غوث اعظم صحیح ہے یا غلط؟ ڈوبتی ہوئی کشتی کو ترانا وغیرہ۔

جواب: یہ خرافات ہیں اور لوگوں نے چندہ لینے کے لیے بنائی ہوئی ہیں۔کرامت کا مفہوم آپ کو بتادوں۔ولی کی کرامت جو ہوتی ہے دراصل نبیؑ کا معجزہ ہوتا ہے۔ولی کی اپنی نہیں ہوتی یہ اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ نبیؑ کا سچا پیروکار ہے اور اس کے ہاتھ سے بھی وہ معجزات ظاہر ہو رہے ہیں۔معجزہ نبیؑ کا ہے اس کا ظہور ولی کے ہاتھ پر ہو رہا ہے اس لیے اسے کرامت کہتے ہیں۔ نبیؑ کا معجزہ بھی اس کا ذاتی نہیں ہوتا۔فعل اللہ کا ہوتا ہے صادر نبیؑ کے ہاتھ پر ہوتا ہے۔دراصل معجزہ اور کرامت یہ ہوتی ہے کہ اس کے ظہور سے لوگوں کے دین کا بھلا ہو لوگوں کے عقیدے کی اصلاح ہو اور لوگوں کو اللہ کا قرب نصیب ہو وہ جسے عرف عام میں کرامت کہا جاتا ہے یہ شعبدہ بازی ہے اور اس سے اولیاء اللہ کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔لوگوں نے جیسے فیض سمجھ لیا کہ میں فلاں دربار پر گیا تو میری روزی وسیع ہوگئی فلاں دربار پر گیا تو بیماری ٹھیک ہوگئی یہ فیض نہیں ہے۔اولیاء اللہ اور انبیاء کا

فیض یہ ہے کہ بندے کا رشتہ رب کریم سے جوڑ دیں۔ یہ بہت بڑی بات ہے۔ اولیاء اللہ سے دعا کرانا یہ ایک علاج ہے۔ کسی نیک بندے سے دم کروانا بھی ایک علاج ہے۔ جیسے کسی طبیب سے آپ نے پڑیا لے لی۔ پڑیا میں تاثیر بھی اللہ نے ڈالنا ہے۔ اس کے دم اور اس کی دعا میں اسی نے اثر پیدا کرنا ہے۔ کرامت یہ ہے کہ کس آدمی کی وجہ سے کتنے لوگوں کا تعلق رب کریم سے جڑ گیا۔ یا کہیں لوگ گمراہ ہو رہے تھے۔ وہاں کوئی ایسا واقعہ عجیب ظاہر ہوا جس کی وجہ سے وہ لوگ ہدایت کی طرف آ گئے۔ حضرت سیدنا غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ بہت عظیم اولیاء اللہ میں سے ہوئے ہیں اور بہت بلند منازل کے حامل ہیں اور ان کی سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ ان کے زمانے میں شیعیت بہت عروج پر جا رہی تھی جس کی انھوں نے کمر توڑ دی اور بڑے بڑے نامور شیعہ جرنیل ان کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے اور اس بات پر انھیں بادشاہ نے نیم روز صوبہ جاگیر کے طور پر عطا کرنے کی کوشش کی تو انھوں نے انکار کر دیا اور فرمایا تھا کہ میں کسی صوبے کی صوبے داری کے لیے کام نہیں کر رہا میں جس کے لیے کام کر رہا ہوں وہ مجھے جانتا ہے اور مجھے اس سے زیادہ ملنے کی امید ہے یعنی ایک تاریخی کام انھوں نے اپنے زمانے میں کیا۔ یہی ان کی سب سے بڑی کرامت ہے۔

سوال: خواب میں جب ہم کسی دوسری زبان (Language) والی ہستی سے بات کرتے ہیں تو تب وہ ہماری زبان میں کس طرح بات کر لیتی ہے؟

جواب: خواب میں ہر آدمی یا نبیؑ یا ولی جس سے ہماری ملاقات ہو ہمارے ساتھ ہماری زبان بولتا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ روح کی الگ زبان ہے۔ روح کی زبان میں الفاظ نہیں ہوتے الفاظ مادی زبان کے لیے ہیں روح کی زبان میں مفہوم ایک دل سے دوسرے دل پر القاء ہو جاتا ہے اور مفہوم سارے زمانے کے ایک ہیں۔ جیسے اردو میں پانی فارسی میں آب، انگریزی میں واٹر، عربی میں ماء، پشتو میں اوبہ کہیں گے۔ لیکن زبان کوئی بھی ہو مراد پانی ہی ہوگا۔ یوں ایک روح سے دوسری روح تک ہر زبان (Language) والے کو مفہوم پہنچ جاتا ہے۔

سوال: ایک آدمی حلقۂ ذکر میں شامل ہوا۔ اس کی دربارِ نبوی ﷺ میں بیعت بھی ہو گئی۔ اب وہ ذکر چھوڑ بیٹھا کئی سال تک ذکر کرنے سے محروم رہا۔ اب دوبارہ وہ ذکر کرنے لگا ہے تو کیا نئے سرے سے مراقبات کرائے جائیں گے اور دوبارہ روحانی بیعت کروائی جائے گی۔

جواب: اس طرح ہوتا رہتا ہے۔ بعض لوگ بعض اوقات اسلام سے مرتد ہو جاتے ہیں پھر اللہ انھیں توبہ کی توفیق نصیب کر دیتے ہیں تو وہ پھر سے مسلمان ہو جاتے ہیں جو بات آپ نے پوچھی ہے اس کا جواب واپس آنے والے کی حالت پہ منحصر ہوتا ہے کہ اس نے ذکر کتنی دیر چھوڑا کیونکہ ہمارا طریقہ کار یہ ہے کہ ہم مراقبات سلب نہیں کرتے اس لیے کہ اگر مراقبات سلب کیے جائیں تو ایمان تک سلب ہو جاتا ہے۔ آدمی مسلمان نہیں رہتا ساری کیفیات سلب ہو جاتی ہیں۔ ہمارے مشائخ کا یہ قاعدہ ہے کہ مراقبات سلب نہ کیے جائیں اگر آدمی چھوڑ بھی جائے تو اسے اللہ کے سپرد کر دو اسے اپنے حال پر چھوڑ دو اگر وہ گناہ کبیرہ نہ کرے تو اس کے مراقبات ختم نہیں ہوتے کمزور ہوتے رہتے ہیں۔ دھیمے ہوتے رہتے ہیں۔ اگر وہ بچتا رہے اور عملی زندگی میں ٹھیک ٹھاک رہے تو ایک ملاقات میں بحال ہو جاتے ہیں لیکن اگر عملی زندگی میں عمل کو بھی ضائع کر بیٹھے گناہ کرتا رہے تو پھر جتنی ٹوٹ پھوٹ ہو چکی، اتنی مرمت کی ضرورت پڑ جاتی ہے اور الحمد للہ ہر چیز بحال ہو سکتی ہے۔ لیکن یہاں ہم ہر آدمی کے لیے ایک قانون نہیں بنا سکتے۔ یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ وہ کتنی ٹوٹ پھوٹ لایا اتنی اس کے ساتھ محنت کی ضرورت پڑتی ہے۔

سوال: کیا ذکر کے لیے قبلہ رو ہو کر بیٹھنا ضروری ہے؟

جواب: کسی خاص سبب سے مثلاً جگہ کی تنگی کے باعث یا دورانِ سفر اگر آپ قبلہ رو نہیں ہو سکتے تو حرج نہیں کیونکہ قبلہ رو ہونا نماز کی طرح فرض نہیں ہے۔ البتہ بہتر صورت یہ ہے کہ ذکر قبلہ رو بیٹھ کر کیا جائے۔

سوال: درود شریف بھی اللہ کے ذکر میں شامل ہے یا نہیں؟

جواب: بھئی آپ درود کی بات کرتے ہیں ہر وہ کام جو سنت کے مطابق کیا جائے وہ ذکر میں شامل ہے۔ ذکر کی تین اقسام ہیں۔ دین کے مطابق عمل کرنا عملی ذکر کہلاتا ہے۔ دین کے مطابق تسبیحات پڑھنا درود پڑھنا یا قرآن پاک پڑھنا لسانی ذکر ہے۔ تیسرا قلبی ذکر جیسے ہمارے سلسلہ میں پاس انفاس کا طریقہ رائج ہے۔

سوال: صحبت شیخ سے کیا مراد ہے؟

جواب: صحبت شیخ کا مطلب یہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ وقت شیخ کے ساتھ گزاریں۔ اگر آدمی اکثر پاس نہ بیٹھ سکے (پاس بیٹھنے کے لیے ضروری نہیں کہ آپ ساتھ لگ کر بیٹھیں) جیسے آپ یہاں موجود ہیں صبح شام ذکر نصیب ہو جائے، ملاقات ہو جائے یہ صحبت شیخ ہی ہے تو پھر سال الگ بیٹھ کر ذکر کرنے سے روح میں استعداد پیدا ہوتی ہے ترقی نہیں ہوتی۔ جب سالک شیخ کے پاس بیٹھتا ہے تو جتنی استعداد ہوتی ہے آن واحد میں اتنی ترقی نصیب ہو جاتی ہے کیونکہ فیوضات اس کے دل سے سالک کے دل نے اخذ کرنے ہوتے ہیں اور یہ تمام سلاسل میں ہے۔ اس سلسلہ عالیہ میں یہ ہے کہ ایک سٹیج ایسی آتی ہے کہ اس پر پہنچ کر آدمی دنیا میں کہیں بھی ہو وہ صحبت میں رہنے کے برابر ہے۔ اور اس کے منازل چلتے رہتے ہیں لیکن پھر بھی اس کے منازل میں وہ قوت جو ملاقات سے نصیب ہوتی ہے۔ دور رہ کر نہیں ہوتی۔

سوال: نئے آدمی کو ہم آپ کے پاس کس حالت میں لے کر آئیں۔ پہلے ذکر کرانا ضروری ہے کہ نہیں؟

جواب: میں تو یہ چاہتا ہوں کہ آپ پہلے آدمی کو ذکر کا طریقہ بتائیں، ذکر کرنا سکھائیں تاکہ میرے پاس آنے تک کچھ اس میں استعداد پیدا ہو جائے۔ اللہ کرے ایک ہی توجہ سے اسے کچھ مراقبات نصیب ہو جائیں۔ اگر کوئی یہاں آ کر پہلی دفعہ ذکر شروع کرتا ہے تو اس سے اتنا فائدہ

نہیں ہوتا۔ اسی لیے ہر ساتھی کو اجازت ہوتی ہے کہ دوسرے بندے کو لطائف سمجھا بھی سکتا ہے اور کرا بھی سکتا ہے۔

سوال: کیا ذکر کرتے ہوئے قرآنی آیات یا اشعار پڑھنے چاہئیں؟ یہ صرف ذکر کرنے والوں کے لیے یا کرانے والوں کے لیے بھی ہے؟

جواب: میرا خود بھی جی چاہتا ہے (اور میں جو پڑھوں اس میں حرج بھی کوئی نہیں ہوتا اللہ کا احسان ہے مجھ پر کہ اس میں مزید توجہ اور گرمی پیدا ہوتی ہے) لیکن میں اس لیے نہیں پڑھتا کہ دوسرے لوگ بھی اپنا لیں گے تو آیت یا شعر پڑھنے کے لیے ذکر کرانے والے کو وہ قوت چاہیے کہ وہ اگر زبان سے بات بھی کرے تو اس کی قلبی کیفیات میں کوئی فرق نہ آئے۔ یہ بہت مشکل کام ہے اس لیے بجائے شعر یا آیات پڑھنے کے پوری توجہ اس لطیفے پر رکھے جو کروایا جا رہا ہے۔

شعر پڑھنے سے لطف تو آتا ہے لیکن نفس کو آتا ہے روح کو جو انوارات پہنچ رہے ہیں وہ شعر پڑھنے سے منقطع ہو جاتے ہیں اس لیے میں منع کیا کرتا ہوں بلکہ طریقہ یہ ہے کہ جو ساتھی ذکر کرا رہا ہے جب وہ پہلا لطیفہ کروا کر دوسرے پہ جانا چاہے تو پہلے اپنا دوسرا لطیفہ تبدیل کرے اور پانچ سات سانس دوسرے لطیفے پر لے جب اس لطیفے کے انوارات آنے شروع ہو جائیں تب دوسروں کو کہے کہ دوسرا لطیفہ کرو تا کہ پہلے اس کے اپنے لطیفے پر وہ انوارات موجود ہوں پھر القا کر سکے گا۔ اس طرح صحیح نہیں ہے کہ خود بھی اسی وقت منتقل ہو جب ساتھیوں کو بھی منتقل کرے۔ اس سے انوارات میں کمی ہو جاتی ہے۔ پہلے اپنی توجہ مضبوط کرے اس لطیفے پر پھر ساتھیوں کو آواز دے کہ چلو دوسرے لطیفے پر۔ تو اگر اتنی احتیاط کی ضرورت ہے تو جو آدمی یہ سارا چھوڑ کر شعر پڑھنے بیٹھ جائے تو نقصان تو ہوگا اگرچہ شرعاً گناہ نہیں ہوگا۔ لیکن وہ جو انوارات آ رہے ہیں' ان میں اوّل انقطاع آ جائے گا۔ ورنہ کمی ضرور آئے گی تو بجائے غزلیں پڑھنے کے پوری توجہ ذکر پر ہی کی جائے تو وہ زیادہ بہتر ہے۔

سوال: تزکیہ اور صحبت شیخ تو یہاں آنے والے ہر سالک کو نصیب ہوتا ہے اور سالکین سے بجا طور پر یہ توقع کی جاتی ہے کہ جو کچھ وہ خود سیکھ کر حاصل کر لیتے ہیں وہ دوسروں کو بھی پہنچائیں۔ دوسروں تک یہ پیغام موثر طریقے سے پہنچانا بذاتِ خود ایک فن ہے اور ہر فن کے لیے کچھ نہ کچھ تربیت ضروری ہوتی ہے تو کیا سالکین کے لیے اس فن کی تربیت کا اہتمام بہتر نتائج کا حامل نہ ہوگا؟

جواب: اصل بات یہ ہے کہ جتنے دنیاوی فنون ہیں وہ سکھانے کے لیے الگ سے ایک فن سکھایا جاتا ہے۔ مثلاً ایک شخص ڈاکٹر بنتا ہے تو اسے ڈاکٹر بنانے کا ایک الگ طریقہ ہے اگر وہی ڈاکٹر کہیں ڈاکٹری پڑھانے پہ لگتا ہے تو اسے کوئی اور کورس کرنا پڑتا ہے کہ دوسروں کو کیسے پڑھایا جائے۔ ایک آدمی خود پڑھتا ہے لیکن اگر اسی کو مدرس یا ٹیچر بننا ہے تو پھر اسے سیکھنا پڑتا ہے کہ کیسے پڑھانا ہے۔ جبکہ یہ کام ذکر سکھانا' عقل سے نہیں ہوتا یہ جنون سے ہوتا ہے۔ آپ کسی کو کچھ نہ بتائیں لیکن جب دوسرا بزنس کی بات کرتا ہے تو آپ لطائف کی کریں دوسرا گھوڑا دوڑانے کی کرتا ہے تو آپ قلبی کیفیات کی کریں۔ جب تک آپ اس کے ساتھ عشق اور جنون کی حد تک پیوست نہیں ہوں گے اور آپ کے دل میں وہ درد نہیں آجائے گا کہ کاش اللہ کے دوسرے بندے بھی یہ نعمت حاصل کرلیں تب تک کسی بھی طریقے سے آپ یہ نہیں سکھا سکتے۔ آپ جماعت بنا سکتے ہیں آپ لوگوں کو جمع کر سکتے ہیں، آپ لیکچر دے سکتے ہیں، آپ ایک تنظیم بنا سکتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں وہ درد یا دلوں میں وہ تبدیلی پیدا نہیں کر سکتے۔ جب تک آپ کے دل میں خود یہ درد نہ آجائے اور یہ درد جنون سے آتا ہے۔ عقل سے نہیں آتا۔ اس کے لیے پاگل ہونا پڑتا ہے۔ جہاں آ کر ہم عقل کی بات کرتے ہیں وہاں سے یہ کام بگڑ جاتا ہے۔ پاگل پن یہ ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ایک قاصد کسریٰ کے پاس بھیجا۔ وہ ایک بہت بڑا سلطان ہے اس کے پاس قاصد جا رہا ہے اسے لازماً چاہیے کہ وہ ایک خاص لباس بنائے جوتے بنوائے، سواری کا گھوڑا ہو وہ ایک سٹیٹس کے ساتھ دربار میں جائے' لیکن ان ہستیوں پر اللہ کا عشق ایسے سوار تھا کہ انھیں فقط ایک بات کا ہوش تھا کہ یہ بات حضور ﷺ نے فرمائی ہے اس کو اسی طرح کرنا اور کہنا ہے۔ کسریٰ کون

ہے کتنا بڑا بادشاہ ہے انھیں اس کی پرواہ نہ تھی۔ وہی لباس جو زیب تن تھا وہی جوتے پہنے ہوئے، وہی تلوار جو ان کے پاس تھی اسی حال میں کھٹ سے جا کر وہاں کھڑے ہو کر کہا" اللہ اس پر سلامتی بھیجے جو اس کو ماننے والا ہے۔" نہ وہ جھکے نہ آداب بجالائے، نہ کوئی خاص اہتمام کیا' تو کیا یہ سارا پاگل پن نہیں ہے؟

اگر آپ دنیاوی اعتبار سے عقل مندی دیکھیں تو عقلمندی کا تقاضا یہ تھا کہ اس بندے کو (Trained) کیا جاتا انہیں دربار میں آنے جانے کے طریقے سکھائے جاتے انہیں درباری لباس پہنایا جاتا انہیں اس معیار کا گھوڑا مہیا کیا جاتا وہ سارا کچھ کر کے خاص قسم کے کاغذ پہ لکھا جاتا، اسے مخصوص طریقے سے لپیٹا جاتا پھر وہ فرشی سلام کرتے ہوئے داخل ہوتے۔ جو طریقہ صحابہؓ نے اپنایا یہ تو جنون ہے اور یہی جنون اصل ہے دین کی۔ ہم دنیوی معاملے میں عقل کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں بچوں کو پڑھانے کے معاملے میں' دولت کمانے کے معاملے میں، اقتدار و وقار کے معاملے میں، عقل کہتی ہے کہ یار اتنی گھٹیا حرکت نہ کر کیوں خوشامد کرتا ہے۔ لیکن ہم کرتے ہیں مزاج کہتا رہتا ہے یہ چوری نہ کر لیکن ہم کرتے رہتے ہیں۔ حالانکہ یہ کیفیت دین کے لیے آنی چاہیے چونکہ قرآن نے یہی شرط لگائی ہے۔

لا یخفون لومة لائم.

ایسے پاگل ہو جاتے ہیں کہ لوگ انھیں ملامت کرتے ہیں، بے وقوف کہتے ہیں مگر وہ اس کی پرواہ نہیں کرتے اور حضور اکرم ﷺ نے یہ فرمایا۔

حتی یقولون انهٗ لمجنون.

لوگ کہیں انھیں کہ یہ دیوانہ ہے۔ تو یہ دیوانوں کا کام ہے فرزانوں کا نہیں اور یہ دیوانگی اللہ سے مانگنی پڑتی ہے یہ اس کا انعام ہے یہ اس کی عطا ہے۔ ہمارا یہ کام ہے کہ خلوص کے ساتھ اپنا دل اس کے سامنے رکھ دیں۔ اس میں دیوانگی بھرنا یہ اس کا کام ہے۔ جہاں یہ دیوانگی آ جائے تو اس کام کے کرنے کا ڈھنگ بھی آ جاتا ہے۔

کل رات مجھے امریکہ سے ایک ساتھی بچی کا فون آیا کہ چند دن پیشتر میری ملاقات ایک

عرب خاتون سے ہوئی۔ وہ اپنی بہت سی اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی رہی۔ پھر موقعہ پا کر میں نے اسے ذکر کا بتایا کہ یہ اس طرح کرتے ہیں۔ اس کے کرنے سے مجھے یہ یہ فائدے ہوئے ہیں' یہ محسوسات ہوئے۔ پھر میں نے نوٹ کیا کہ وہ خاتون بات بات پر علیؑ کہتی ہے۔ پوچھنے پر اس نے بتایا کہ وہ شیعہ ہے۔ اب عرب کے شیعہ بہت ہی کٹر قسم کے ہوتے ہیں۔ میں نے اسے بتایا کہ میں سنی ہوں اور یہ طریقہ ذکر بھی سنیوں کا ہے۔ لہٰذا تمہارا دل چاہے تو کرو چاہے نہ کرو۔ لیکن اگلے ہی دن اس کا فون آ گیا کہ گھر آ کر میں نے ذکر کیا اور مجھے بہت اچھا محسوس ہوا اور سکون آیا۔ اب اس بچی کا سوال یہ تھا کہ آگے میں کیا کروں۔ میں نے جواباً بتا دیا کہ ذکر کرنا چاہتی ہے تو کرنے دیں۔ ممکن ہے اس سے عقائد کی درستگی ہو جائے۔ اب بظاہر تو اس بچی کی کوئی تربیت نہیں ہوئی۔ اسے یہ فن کس نے سکھایا۔ جب کوئی شخص ذکر شروع کرتا ہے اور اس کو ذکر قلبی کی افادیت سمجھ آ جاتی ہے تو پھر یہ بات اندر سے اٹھتی ہے کہ ہمارے اردگرد کے تمام لوگوں تک یہ نعمت پہنچے اور کوئی بھی اپنے اللہ اور اس کے نبی اکرم ﷺ کی محبت سے محروم نہ رہے۔ پھر آپ دوسرے جاننے والوں کو بہانے بہانے بار بار بتاتے ہیں وہ نہ سمجھے تو آپ کوئی اور طریقے ڈھونڈتے ہیں کہ کسی طرح یہ ذکر شروع کر دے اور اس نعمت سے محروم نہ رہے لیکن یہ صرف تب ہوگا جب آپ کو خود اس کی افادیت سمجھ آ جائے گی، اور خود آپ کو اس پر شدت کا اعتماد ہوگا۔ ورنہ کسی بھی دوسرے کو آپ اس کی دعوت کیوں دیں گے۔ تو یہ کام دیوانگی سے ہوتا ہے۔ عقل کے تابع رہ کر یہ کام نہیں ہوگا۔

سوال: محبت کیا ہے؟ نیز کیا کافر' فاسق اور فاجر سے محبت رکھنا جائز ہے؟ شریعت کا اس میں کیا حکم ہے؟

جواب: محبت ایک جذبہ' ایک کیفیت ہے جسے ہم کسی مقصد کے بغیر استعمال کرتے ہیں۔ دینوی تعلقات میں دیکھا گیا ہے کہ محبت بہت کم ہوتی ہے اور غرض یا ضرورتیں زیادہ ہوتی ہیں اور ہم اسے محبت کہہ دیتے ہیں کہ اسے فلاں سے محبت ہے لیکن اگر اس کی غرض پوری نہ ہو تو پھر وہ

اسے سلام بھی نہیں کرتا۔ تو پھر اس وقت وہ محبت کہاں گئی تو یہ ضرورتوں کو محبت کا نام دینا صحیح نہیں ہے؟

دوسرا درجہ ہوتا ہے کہ کسی کو دوسرے کے اوصاف سے محبت ہوتی ہے جیسے کوئی مالدار ہے اس کے مال کی وجہ سے لوگوں کو اس سے محبت ہے اور اگر وہ غریب ہو جائے تو کوئی پوچھتا نہیں۔ اسی طرح کوئی نہ کوئی وصف ہر کسی میں ہوتا ہے۔ کوئی گانے والا ہے' کسی کا چہرہ خوبصورت ہے لیکن اگر وہ صورت نہ رہے' عمر ڈھل جائے اس کی آواز صحیح نہ رہے پھر تو کوئی نہیں پوچھتا' تو اسے بھی حقیقی محبت نہیں کہا جا سکتا۔

کسی بھی غیر مسلم سے ایسے تعلقات جن کی دین پر زد نہ پڑتی ہو وہ جائز ہیں۔ جیسے کہ کوئی ان سے کاروبار یا تجارت کرتا ہے' وہ بیمار کی بیمار پرسی کرتا ہے۔ محتاج ہے اسے کوئی خیرات دیتا ہے' اس پر ظلم ہو رہا ہے اسے ظلم سے بچاتا ہے' اسے کوئی چور ڈاکو پڑ گئے' اس کی مدد کرتا ہے تو یہ سب درست ہے' لیکن ایسے تعلقات جو دین کو متاثر کریں وہ جائز نہیں۔ لیکن فاسق' فاجر کو کافر کے ساتھ ملانا یہ درست نہیں ہے۔ آپ نے ایک ہی سطر میں لکھ دیا کافر' فاسق' فاجر۔ فاسق فاجر تو مسلمان ہوتا ہے اس سے خطا ہو جاتی ہے یا وہ پارسا نیک نہیں ہے غلطیاں کرتا ہے۔ لیکن وہ مسلمان تو ہے مسلمان کا حکم اور ہے' کافر کا حکم اور ہے۔ کافر کے متعلق صاف حکم ہے کہ کافر سے ایسے تعلقات جن کی زد دین پر پڑتی ہو وہ ہرگز جائز نہیں۔ ویسے بحیثیت انسان' انسانی ہمدردی یا انسانی رشتے سے اس کی مدد کرنا یہ سب جائز ہے۔

اب اللہ سے محبت اور بندے سے محبت یا نبی کریم ﷺ سے محبت اور عام آدمی سے محبت آپ غلط ملط نہ کریں۔ محبت الٰہی جو ہے اس کیلئے بھی وہ بندے چن لیتا ہے اور انہی کو محبت نبوی ﷺ بھی نصیب ہوتی ہے۔

قرآن کریم کا انداز بیان بتاتا ہے۔ یحبھم و یحبونہ۔ وہ ان سے محبت کرتا ہے تو جواباً ان کے دل میں بھی محبت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ محبت اتابت سے اور نبی کریم ﷺ کی اطاعت سے ہوتی ہے۔ اللہ کریم عطا فرما دیتے ہیں اور مسلمان خواہ کتنا بھی گیا گزرا ہو کسی نہ کسی درجے میں

محبت نبوی ﷺ اس کے دل میں موجود ہوتی ہے بلکہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جب ضرورت پڑتی ہے تو بڑے بڑے پارساؤں سے جنہیں ہم فاسق فاجر کہتے ہیں وہ زیادہ کام کر جاتے ہیں۔ جانیں بھی دے جاتے ہیں اس محبت میں۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ ''گناہ سے نفرت کی جائے گنہگار سے محبت''۔ یہ وہ محبت نہیں جو دیوانہ کر دے گی۔ یہ ہمدردی کی ایک قسم ہے جسے محبت کہا جاتا ہے لفظ تو ایک ہی ہے محبت' لیکن اس کے مختلف انداز مختلف طریقے' مختلف درجے ہیں۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ گنہگار سے محبت کرو تو اس محبت کا مفہوم یہ نہیں ہوتا کہ گناہ سے تو نفرت ہے لیکن گنہگار پر عاشق یا فریفتہ ہو جاؤ' وہاں اس محبت سے مراد ہے کہ اس سے نفرت کی بجائے ہمدردی کی جائے کہ شاید اس طرح وہ گناہ سے واپس آسکے۔ جیسے ڈاکٹر بیمار کا علاج کرتا ہے تو اس کی محبت میں وہ دیوانہ تو نہیں ہو جاتا ہاں اسے بیمار سے ہمدردی ضرور ہوتی ہے' بیماری کو ختم کرنا اور اس کو بچانا چاہتا ہے۔ اسی طرح ایک مسلمان بھائی خطا کار ہے تو خطا سے تو نفرت کی جائے لیکن اسے خطا سے بچانے کے لئے کوشش اور اس سے ہمدردی کی جائے۔

تو میرے خیال میں لفظ محبت کو ہر جگہ ایک ہی معنی میں استعمال کرنا صحیح نہیں ہے کہ اس کی بہت سی قسمیں اور بہت سے مدارج ہیں تو الحب لله و البغض لله بڑا سادہ سا حکم ہے کہ کسی سے کوئی تعلقات جب رکھو تو اس میں للھیت ہو اللہ کیلئے رکھو اور کسی سے دشمنی کرو تو وہ بھی اللہ کی پسند سے کرو یعنی جس سے اللہ حکم دیتا ہے دشمنی رکھو' اس سے دشمنی رکھو اور جس سے دوستی کا حکم دیتا ہے اس سے دوستی رکھو۔

جہاں تک اللہ سے محبت کی بات ہے کہ اللہ سے محبت بندہ کر ہی نہیں سکتا اگر وہ توفیق نہ دے۔ بندہ کیا محبت اللہ سے کریگا اور اسی میں محبت نبوی علیٰ صاحبہ الصلوة والسلام آتی ہے اس کے مختلف انداز ہیں اپنا اپنا ہر ایک کا رنگ ہے۔

ہر گل را رنگ و بوئے دیگر است

ہر ایک پھول کی اپنی خوشبو ہوتی ہے' ہر عاشق کا اپنا مزاج اس کی محبت کا اپنا معیار ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ جب فجر کی نماز تیار ہو جاتی تو حضور ﷺ حجرہ مبارک سے باہر

تشریف لاتے اور امامت فرماتے اور عشا کی نماز پڑھا کر حضور ﷺ فارغ ہو کہ حجرہ مبارکہ میں تشریف لے جاتے۔ ایک صحابی کو عشاء کے بعد بچے پکڑ کر گھر لے جاتے اور فجر کیلئے بچے پکڑ کر مسجد میں چھوڑنے آتے تھے تو کسی نے ان سے پوچھا کہ آپ کو رات کو کچھ نظر نہیں آتا' فرمایا نہیں۔ میری نظر تو بالکل ٹھیک ہے پوچھا پھر صبح بھی بچہ لیکر مسجد چھوڑنے جاتا ہے اور رات بھی پکڑ کر لاتا ہے؟ انہوں نے کہا بھئی میں آنکھیں بند کر لیتا جب نبی کریم ﷺ حجرہ مبارکہ میں تشریف لاتے ہیں میں چاہتا ہوں کہ دن بھر کے بعد میری آخری نظر صرف حضور ﷺ کو دیکھے۔ پھر میں آنکھ نہیں کھولتا جب تک حضور ﷺ حجرہ مبارکہ سے مسجد نبوی ﷺ میں قدم رنجہ نہیں فرماتے اور اقامت شروع نہیں ہو جاتی۔ پھر مجھے پتہ ہوتا ہے کہ حضور ﷺ سامنے ہیں پھر میں آنکھ کھولتا ہوں صبح پہلی نظر حضور ﷺ پر ڈالتا ہوں اور رات کو آخری نظر حضور ﷺ پہ ڈالتا ہوں۔ اب یہ کوئی شرعی حکم تو نہیں ہے اور نہ ہی کوئی فرض واجب ہے۔ تو یہ محبت جو اللہ کی اللہ کے رسول ﷺ کی ہے مجبور کر دیتی ہے بندے کو اطاعت کیلئے اور بعض ایسے اکابر صحابہؓ تھے' جو بیٹھے تھے اور وصال نبوی ﷺ کی خبر سن کر زندگی بھر اٹھ نہ سکے' وہیں جسم منجمد ہو گیا۔

سو لفظ محبت کو ایک ہی معنی میں ہر جگہ سمجھنا صحیح نہیں ہے' محبت کے مختلف انداز بھی ہیں' مختلف رخ بھی ہیں اور مختلف طریقے بھی ہیں۔

سوال: کسی دوسرے کا بیعت شخص سلسلہ عالیہ کی بیعت کر سکتا ہے؟ اگر کر سکتا ہے تو پہلی بیعت توڑنے کا گناہ تو نہیں ملے گا؟

جواب: بیعت کی بہت سی اقسام ہیں' ایک بیعت امارت ہوتی ہے کہ کسی کو آپ امیر یا سربراہ مقرر کرتے ہیں۔ ایک اور بیعت موت کی بیعت ہوتی ہے جیسے نبی کریم ﷺ نے حدیبیہ میں موت کی بیعت لی کہ اگر مکہ والوں کے ساتھ ٹکراؤ ہو گیا تو ایک شخص بھی زندہ رہا تو وہ بھاگے گا نہیں بلکہ لڑے گا اور سب کو شہید ہونا پڑا تو سب شہید ہونگے۔ ایک ہوتی ہے بیعت اصلاح' کہ جس شخص کو ''محرمات'' کا علم ہو یعنی حلال حرام جانتا ہو (کوئی ضروری نہیں کہ بہت بڑا عالم فاضل

ہو) جائز ناجائز اور روزمرہ کے ضروری مسائل سے واقف ہوتو اس کی بیعت کی جاسکتی ہے اس کے بعد ہوتی ہے تصوف کی بیعت۔ حضرت اللہ یار خانؒ نے ''دلائل السلوک'' میں (اور دیگر صوفیاء کے نزدیک بھی) تصوف کی بیعت کیلئے یہ شرط لکھی ہے کہ کم ازکم خود **فنا فی الرسول** صلی اللہ علیہ وسلم ہو اور نہ صرف خود ہو بلکہ دوسرے کو فنا فی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کرا بھی سکتا ہو۔ اگر خود ہے لیکن دوسرے کو کرا نہیں سکتا تو پھر اس کی بیعت جائز نہیں ہے۔

عطاء اللہ شاہ بخاریؒ چکوال کے قریب قلعہ ''بھون'' میں تقریر فرما رہے تھے متحدہ ہندوستان تھا ابھی پاکستان نہیں بنا تھا۔ ایک ہندو نے سوال لکھ کر بھیجا کہ اسلام میں نکاح ہوتا ہے اور چند الفاظ کہنے یا کوئی کام کرنے سے ٹوٹ بھی سکتا ہے۔ جبکہ ہندومت میں شادی ہوتی ہے اور پھر وہ ختم نہیں ہوسکتی (اب تو ہندوؤں کے ہاں بھی طلاق کا رواج ہوگیا ہے ورنہ ان کے عقیدے اور مذہب کے مطابق طلاق یا علیحدگی ممکن نہیں۔ بلکہ خاوند مر جائے تو عورت کا مرے ہوئے خاوند کے ساتھ جل جانا وہ مناسب سمجھتے ہیں بجائے اسے زندہ رہنے دینے کے)۔ شاہ صاحبؒ بڑے مزے کے آدمی تھے (اللہ ان پر کروڑوں رحمتیں فرمائے) کہنے لگے کہ بھئی دھاگا اور ایک چاقو لاؤ۔ سو دھاگا اور چاقو سٹیج پر لائے گئے۔ ایک شخص سے کہا کہ یہ دھاگہ دونوں سروں سے پکڑو۔ اس نے پکڑا اور انہوں نے چاقو سے اسے کاٹا اور پوچھا کٹ گیا۔ کہا جی کٹ گیا' پھر انہوں نے دھاگا پھینک دیا۔ اب کہا کہ ویسا ہی ہاتھوں کا عمل دوبارہ کرو (اگرچہ دھاگا نہیں ہے لیکن جیسے پکڑا ہوا ہو) اور پھر اس میں آپ نے چاقو اس طرح گھمایا اور پوچھا کہ کچھ ٹوٹا۔ کہا کچھ نہیں ٹوٹا۔ انہوں نے فرمایا۔ کچھ ہوگا تو ٹوٹے گا۔ طلاق کیلئے پہلے نکاح ہونا چاہیے۔ تمہارا نکاح ہی نہیں ہوتا طلاق کہاں سے ہوگی۔ تمہاری تو رسومات ہیں تمہارے پاس دین' کوئی آسمانی کتاب' کسی پیغمبر یا رسول کا بتایا ہوا طریقہ' اللہ کے نام پر کوئی عہد معاہدہ نہیں ہے نہ ہی کوئی گواہ یا ایجاب و قبول ہے تم نے چادر سے چادر باندھی اور پنڈت منتر پڑھتا رہا اور تم آگ کے گرد پھیرے لیتے رہے اور کہا کہ نکاح ہوگیا تو یہ سارے مفروضے ہیں نکاح ہوتا ہی نہیں تو ٹوٹے گا کہاں سے؟

تو یہ جو بغیر جانے بوجھے رسمی بیعت کی جاتی ہے یہ ہوتی ہی نہیں' ٹوٹے گی کہاں سے؟ بندہ خواہ

مخواہ تصور کرلے کہ میں بندھا ہوا ہوں' ایسے بندھے ہوئے کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ الٹا نقصان ہی ہوتا ہے ایک اندھی سی عقیدت پیدا ہو جاتی ہے۔اب وہ صحیح رہنمائی کرتا ہے یا غلط راستے پہ لے کر چلتا ہے۔اس کے پیچھے چلتے رہتے ہیں تو یہ بیعت نہیں ہوتی۔

سلسلہ عالیہ میں تصوف کی بیعت لیتے ہیں' اس وقت اللہ کا فضل ''نسبت اویسیہ'' پر ہے۔ میرے علم میں نہیں ہے کہ کہیں روئے زمین پر کسی دوسرے سلسلے کا کوئی ایسا شخص موجود ہے جو فنا فی الرسول ﷺ کرا سکتا ہو۔آپ کو یا کسی اور کو پتہ ہو تو ہو سکتا ہے۔یہ میرے علم میں ہے کہ ایسے لوگ دوسرے سلاسل کے ہیں جو قلب یا لطائف یا مراقبات ثلاثہ کر سکتے ہیں۔لیکن کم از کم میرے علم میں نہیں ہے کہ کوئی فنا فی الرسول ﷺ کرا سکتا ہے۔تو جسے سلسلہ عالیہ میں بیعت ہونا ہے وہ بیعت ہونے سے پہلے یہ سمجھ لیا کرے کہ یہ بیعت تصوف ہے اور ضوابط تصوف کی پابندی کرنا پڑے گی اور طریقے کے مطابق محنت کرنا پڑے گی۔

سوال: انٹرنیٹ پر ذکر اور دارالعرفان میں ذکر میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟

جواب: دارالعرفان میں اور انٹرنیٹ پہ ذکر کا ایک فرق جو ہے وہ مادی قرب کا ہے یعنی وجودی طور پر قریب ہونا۔پھر دارالعرفان مسجد یا زمین کی اپنی برکات ہیں کہ یہاں کس کس نے ذکر کیا۔ کیسے کیسے لوگ آئے اور کس کس کی برکات یہاں موجود ہیں تو دارلعرفان کی اپنی حیثیت ہے یہاں تو بندہ ذکر نہ بھی کرے صرف مسجد میں آئے تو کیفیت وارد ہو جاتی ہے۔بلکہ ایسے لوگ جو ذاکر بھی نہیں ہیں کبھی کبھار اتفاقاً نماز پڑھنے آجائیں تو وہ بھی بتاتے ہیں کہ جی مسجد میں جائیں تو عجیب سی کیفیت محسوس ہوتی ہے' حالانکہ نہ وہ ذاکر ہیں اور نہ وہ سلسلے میں ہیں' انٹرنیٹ پہ بھی اگرچہ توجہ پوری ملتی ہے چونکہ ذکر براہ راست ہو رہا ہوتا ہے لیکن دارالعرفان سے دوسرے درجے پہ ہے۔

سوال: دوران اعتکاف اجتماعی عمل اور عبادات کی زیادہ اہمیت ہے یا انفرادی اعمال کی؟

جواب: جس طرح نماز اکیلے میں ادا کرنے کا اپنا ایک مقام ہے اور نماز با جماعت کا اپنا مقام

ہے اورنماز باجماعت کا ثواب زیادہ ہے تو کیا اعتکاف میں نماز باجماعت نہ پڑھی جائے گی۔اسی طرح باقی کی اجتماعی عبادات کا بھی اپنا مقام ہے اور انفرادی کا ایک اپنا۔اجتماعی اعمال میں ثواب زیادہ ہوتا ہے۔

سوال: دوران عبادت توجہ نہیں رہتی اور ہر طرف ذہن جاتا ہے؟

جواب: یہ تو چلتا رہتا ہے اور ایک مستقل مجاہدہ ہے۔عبادات کبھی بھی عادت نہیں بنتیں۔آپ ساری عمر نماز ادا کرتے ہیں اور وہ عادت نہیں بنتی۔ہر نماز کے لئے اہتمام کرنا پڑتا ہے دل میں کوئی نہ کوئی کوتاہی یا سستی آ ہی جاتی ہے۔تو عبادت عادت نہیں بنتی' اگر عادت بن جائے تو پھر عبادت تو نہ رہی اسی لئے کسی وقت توجہ بھی نہیں رہتی یہ مختلف کیفیات ہوتی ہیں۔آدمی بعض اوقات تو بالکل اس میں یکسو ہو جاتا ہے اور بعض اوقات نہیں ہو سکتا۔انسان ہے اگر بالکل دوسری طرف توجہ جائے ہی نہیں اور اس کیلئے محنت نہ کرنی پڑے تو پھر شاید اس میں وہ ثواب بھی نہ رہے تو یہ ایک فطری بات ہے کہ ذہن بھٹکتا ہے آدمی کو روکنا پڑتا ہے۔سادہ سی بات ہے جب کوئی خیال آئے تو اس کے پیچھے نہ چلا جائے' اسے سوچنا نہ شروع کر دیا جائے تو وہ خیال خود بخود چلا جاتا ہے۔

سوال: آداب شیخ کی تفصیل بیان فرما دیجئے

جواب: سادہ سی بات ہے حصول برکات کیلئے ادب ایک ذریعہ ہے اور بے ادبی اس ذریعے کو منقطع کر دیتی ہے اس موضوع پر ایک پوری کتاب طریق السلوک فی آداب الشیوخ لکھی جا چکی ہے یہ متقدمین اور مشائخ کے حوالے سے ہے۔اس میں ادب کی افادیت اور بے ادبی کے نقصانات بھی ہیں آپ لے لیجئے اور پڑھئے۔

سوال: حصول رزق' اولاد' عمر' تنگ دستی کیلئے دم تعویزات سے کیا فرق پڑتا ہے؟ کوئی جادو ٹونے سے کم کر سکتا ہے؟

جواب: یہ اپنے اپنے اعتقاد کی بات ہے، حصول رزق وصحت کیلئے دم بھی کروالے لیکن علاج بھی کرے، دم اور نقش ایک دعا ہیں اور دعا عمل کے ساتھ ہوتی ہے کہ عمل کیا جائے اور پھر دعا کی جائے کہ اللہ بہتر نتائج پیدا کرے۔ تقدیر دو طرح کی ہوتی ہے مبرم اور معلق۔ مبرم وہ ہے جو فیصلے ہو چکے اس میں تبدیلی نہیں ہوگی۔ معلق وہ ہوتی ہے جس کا تعلق آدمی کے کردار سے ہوتا ہے کہ اگر یہ کام کرے گا تو اس پر یہ بلا آئے گی یہ کام کرے گا تو اسے یہ نعمت نصیب ہوگی۔ اب راستہ اس کے سامنے ہے کہ وہ کیا کرتا ہے۔ تو تقدیر معلق جو ہے اس میں دعا یا نقش یا یہ چیزیں اللہ کے حکم سے مدد کرتی ہیں یہی معاملہ آسیب وغیرہ سے حفاظت کا بھی ہے۔ جادو ٹونا جو ہے یہ "مبرم" پہ تو اثر نہیں کرتا لیکن معلق پہ اس طرح اثر کر سکتا ہے کہ انسانی ذہن کو متاثر کر کے اس سے ایسے کام کروا سکتا ہے جس کے نتیجے میں اسے مصیبت دیکھنا پڑتی ہے۔ جادو ٹونے کی ایک بنیادی بات جو ہے وہ یاد رکھیں کہ جو شخص ذہنی طور پر ان سے خوفزدہ نہ ہو اس پر جادو ٹونے اثر نہیں کرتے خواہ وہ کوئی ہو۔

سوال: کسی ساتھی کو مراقبہ کے دوران مسجد نبوی ﷺ میں نبی کریم ﷺ کسی کام کا حکم فرمائیں تو اس کو اس کام کیلئے اپنے شیخ سے اجازت لینا ضروری ہے؟ وضاحت فرمائیں؟

جواب: پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ ﷺ کی دینوی حیات مبارکہ میں سارا دین مکمل ہو چکا ہے چونکہ نبی کریم ﷺ کا ہر حکم وحی الٰہی ہوتا ہے اور یہ احکام کا سلسلہ مکمل ہو چکا ہے اس کے بعد کوئی حکم مراقبات میں نہ صحابہؓ نے حاصل کیا نہ تابعین نے نہ تبع تابعین نے۔ بڑی غنیمت کی بات ہے کہ کسی کو بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضری نصیب ہو جائے۔ اکثر "تلوینات قلب" ہوتی ہیں یعنی ہم خود یہ سمجھ لیتے ہیں کہ مجھے یہ حکم دیا جا رہا ہے جبکہ دین مکمل ہو چکا ہے اس میں اب کوئی نیا حکم نہیں آئے گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ دنیا کا بھی کوئی کام کرنے کا حضور ﷺ حکم دیں تو وہ دین بن جاتا ہے۔

ما ینطق عن الھویٰ ۔ان ھو الا وحی یوحی (1)

یعنی آپ ﷺ نے جہاد کا حکم دیا تو وہ دین بن گیا آپ ﷺ نے کاروبار جس طرح کرنے کا

حکم دیا وہ دین بن گیا تو آپ ﷺ کا ہر حکم ہی دین ہے۔اب یہ الگ بات ہے کہ(آپ جو پوچھ رہے ہیں) پہلے سے حکم شرعی موجود ہے لیکن آپ تساہل برت رہے ہیں اور برکات نبوی ﷺ سے مراقبات کے دوران یہ بات دل میں آ جائے کہ عبادات میں سستی ہو رہی ہے محنت کرنی چاہیے تو یہ کوئی نیا حکم تو نہیں ہے۔ جسے کشف ہوتا ہے اس کا کشف اگر شرعی احکام کے مطابق ہو تو خود اس پر عمل کرنے کا پابند ہے۔ جیسے کہ میں نے عرض کیا کہ آپ اگر عبادات (جو کہ ایک شرعی حکم ہے) میں کوتاہی کرتے ہیں اور انہیں پوری محنت اور خلوص سے کرنے کا حکم ملتا ہے تو یہ تو حکم شرعی پہلے سے موجود ہے اس کیلئے کسی کی اجازت کی کیا ضرورت ہے وہ تو اسے کرنا چاہیے اور اگر یہ سمجھ آتی ہے کہ حکم کوئی نیا ہے شریعت میں اس کی سند موجود نہیں ہے تو یہ سمجھنے کی غلطی ہے۔اس بارگاہ عالی ﷺ سے ایسی کوئی بات ارشاد نہیں ہوئی۔

سوال :ایک ساتھی نے کہا ہے کہ حضرت اللہ یار خانؒ پہلے مجدد تھے' وضاحت فرمائیں؟
جواب :صرف ''پہلے'' کا لفظ انہوں نے زائد لگا دیا۔آپؒ نے سلسلے کی تجدید فرمائی اور جو رسومات اس میں آ گئی تھیں ان کو کانٹ چھانٹ کرا سے پھر سے صاف کر دیا۔

سوال :بعض ساتھی فرماتے ہیں کہ سوال پوچھنا گستاخی ہے وضاحت فرمایئے؟
جواب :نہیں سوال تو ضرور کرنا چاہیے' جاننے کیلئے پوچھنے پر تو کوئی پابندی نہیں ہے اور میں نے تو کبھی محسوس نہیں کیا کہ کسی نے کیوں سوال کیا ہے البتہ سوال برائے اعتراض مانع حصول برکات ہے۔اس میں احتیاط ضروری ہے۔

سوال :ایک طرف قرآن میں ہمیں ملتا ہے کہ **لا تدرک الابصار** جبکہ حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ ''فیض الباری'' میں لکھتے ہیں کہ حضرت امام احمد ابن حنبلؒ نے ستر مرتبہ اللہ کا دیدار کیا۔پیر کرم شاہ صاحبؒ ''فیض الانعام'' میں لکھتے ہیں کہ حضرت امام غزالیؒ نے ایک دفعہ اللہ

کا دیدار کیا اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے ننانوے دفعہ اللہ کا دیدار کیا ۔فیض الباری میں شاہ صاحب مزید لکھتے ہیں۔حضرت ابن حجر عسقلانیؒ نے ستر مرتبہ حضورعلیہ کی زیارت کی اور امام غزالیؒ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے بیداری کی زیارت کی۔ یہ جو روایات ملتی ہیں اس کے بارے میں آپ کا موقف جاننے کا خواستگار ہوں؟

جواب: اس عالم میں دیدار باری پہ علما کی مختلف آراء ہیں۔کئی بڑے پائے کے علما اس کیخلاف بھی ہیں کہ دنیا میں اللہ کا دیدار ممکن نہیں لاتدرک الابصار ۔ لیکن حق بات (جو میں سمجھتا ہوں) وہ یہ ہے کہ یہ حد بصر جو ہے وہ اس عالم آب وگل کیلئے ہے۔اس کے بعد تو کافر پر بھی یہ پابندی نہیں ہے۔

فبصرک الیوم حدید

جب اس عالم سے گزر جاتا ہے تو پھر ہر آدمی کی نظر جو ہے وہ اور ہو جاتی ہے۔اسی طرح جب روحانی منازل یا عالم بالا میں کسی کو داخلہ نصیب ہو جاتا ہے تو ایک طرف سے وہ یہ زندگی جی رہا ہوتا ہے اور دوسری طرف سے وہ اس عالم بالا میں بھی جی رہا ہوتا ہے تو یہ باتیں اس عالم کی ہوتی ہیں جیسے مسئلہ معراج شریف کی بحث میں بھی ہے کہ شب معراج نبی کریم ﷺ کو جمال ذات باری کا دیدار ہوا یا نہیں ہوا۔تو ایک جملہ حدیث شریف کا دوطرح سے پڑھا جاتا ہے۔بعض علما حضرات کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا

نور لی عن ارہ

اور بعض کہتے ہیں کہ یہ جملہ اس طرح سے ہے

نور لی راہ

حق بات یہ ہے کہ معراج میں اگر زیارت باری ہوئی تو اس میں لاتدر الابصار نہیں آتا۔ چونکہ وہ اس عالم کی بات نہیں ہے یعنی جو الابصار کے ادراک کی حد مقرر کی گئی ہے وہ اس عالم آب وگل میں ہے ورنہ جب بندہ برزخ میں جاتا ہے کہ کافر بھی فرشتوں کو دیکھ لیتا ہے اس سے سوال کرتے ہیں وہ جواب دیتا ہے تو وہ عالم دوسرا ہے تو جس طرح آخرت میں دیدار باری ہوگا۔

میدان حشر میں دیدار جمال باری نصیب ہوگا (اس پر بے شمار احادیث ہیں) اسی طرح اگر اہل اللہ کو ان کے اپنے مقامات پہ (جو قرب الٰہی کے ان کو روحانی طور پر نصیب ہیں) وہاں اگر جمال باری نصیب ہوتا ہے تو اس میں کہیں اشکال شرعی نہیں آتا۔

مجھے نصف صدی الحمدللہ اس راستے میں ہوگئی ہے اور اللہ کریم کا بہت بڑا احسان ہے کہ ایک عظیم شیخ کے واسطے سے بے شمار رسائی بھی نصیب ہے (یہ اللہ کا شکر ہے) لیکن مجھے ابھی تک دیدار باری نہیں ہوا۔ اس رمضان المبارک میں ''الحمدللہ میں نے کرسی کی زیارت کی (اب اس پر کسی کو اعتراض ہو تو اس کی مرضی) لیکن وہ اس دنیا کی بات نہیں ہے۔ تو یہ کیفیات نصیب ہوتی ہیں۔ وہ اس پائے کے لوگ ہوتے ہیں لیکن وہ ایسی بات اپنی شہرت کیلئے نہیں بلکہ اظہار تشکر کیلئے کرتے ہیں اور یہ بھی حق ہے کہ سب سے بڑی نعمت جو اہل جنت کو نصیب ہوگی وہ دیدار باری ہے۔

سوال: حضرت مدظلہ العالی، ہمارا ذکر کا یہ طریقہ کہ قلب سے کیا کرو، نیا ہے۔ پہلے ہم ایک اور طریقے سے کیا کرتے تھے۔ میں جب ذکر کرتا ہوں تو مجھ سے سانس اور اللہ ھو کی Co-ordination نہیں ہوتی۔ میں بس خیال کر لیتا ہوں کہ اب پہلے لطیفے پر اللہ ھو جاری ہے۔ اب دوسرے لطیفے پر اللہ ھو جاری ہے۔ یہ جو Seperation (الگ کرنے کا) کا سسٹم ہے کہ اللہ یہاں اور ھو یہاں، یہ مجھ سے نہیں ہو رہا۔ برائے مہربانی رہنمائی فرمایئے۔

جواب: پہلی بات تو جناب یہ ہے کہ یہ طریقہ نیا نہیں ہے۔ اصل طریقہ یہی ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ لوگ ذکر جہر کے عادی تھے۔ اور ذکر جہر میں یہ ہوتا ہے کہ لا الہ دل سے کھینچ کر عرش پر لے جاؤ اور پھر الا اللہ کی ضرب دل پر لگاؤ۔ ساتھیوں بلکہ عام مسلمان میں یہ کمزوری ہے کہ وہ بنیادی بات نہیں سیکھتے اور بڑی بڑی باتوں پہ بحث کرتے رہتے ہیں۔

قاعدہ یہ ہے کہ آپ جب سانس لیتے ہیں تو خیال کریں کہ لفظ اللہ دل کے اندر گہرائی تک جا رہا ہے۔ جب سانس چھوڑتے ہیں ھو خارج ہو، اور ھو کی چوٹ دل پر لگے۔ دوسرا لطیفہ کرتے وقت لفظ

اللہ قلب ہی میں جائے گا جبکہ ھو کی ضرب دوسرے لطیفے پہ لگے گی۔ یوں ہر لطیفہ میں لفظ اللہ قلب ہی میں لے کر جائیں۔ یعنی Base (مرکز) کو نہیں چھیڑیں گے۔ تنا وہی رہے گا، اس پر مختلف شاخیں پھیلتی چلی جائیں گی۔ تمام لطائف کے بعد آخر میں پھر پہلے لطیفہ پر آ جائیں۔

سانس کے ساتھ Co-ordination کی ضرورت نہیں ہے وہ از خود ہوتا رہتا ہے۔ پھر ایسے ہوتا ہے کہ سانس آدمی ایک دفعہ لیتا ہے اور یہ کام اس میں چار سو دفعہ ہو جاتا ہے۔ Co-ordination تو ممکن ہی نہیں رہتی۔ آپ تیزی سے ذکر کرتے جایئے۔

سوال: حضرت توجہ اور القاء میں کیا فرق ہے؟

جواب: توجہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب آپ ذکر شروع کرتے ہیں تو ذکر کرانے والا شخص یہ دیکھے کہ پہلا لطیفہ کر رہا ہوں اور اس دوران پہلے آسمان سے جو انوارات میرے قلب پر آ رہے ہیں وہی ان لوگوں کے قلب پر بھی جا رہے ہیں جن کو میں ذکر کرا رہا ہوں۔ اس کی یہ سوچ انوارات کو Divert کر دے گی اور یہ ان پر بھی جاتے رہیں گے۔ اس کو القاء بھی کہتے ہیں، یہی توجہ بھی کہلاتی ہے۔

دراصل القاء ہوتا ہے to reflect (انعکاس کا عمل) اور توجہ ہوتی ہے جب یہ سوچا جائے کہ reflection (انعکاس) ہو رہی ہے۔ جب ایک امام نماز پڑھاتا ہے تو اس نیت سے نماز شروع کرتا ہے کہ میں ان لوگوں کو بھی نماز پڑھا رہا ہوں۔ اس نیت کرنے سے سب کی نماز ہو جاتی ہے۔ وہی امام اگر اپنی اکیلی نماز شروع کر دے اور دس آدمی پیچھے آ کر صف بنا لیتے ہیں تو ان آدمیوں کی نماز نہیں ہوگی، اس لیے کہ امام نے یہ ارادہ یعنی نیت ہی نہیں کی تھی کہ میں ان کو نماز پڑھا رہا ہوں۔ جبکہ اگر نماز شروع کرنے سے پہلے وہ نیت کر لے، چاہے ایک آدمی بھی پیچھے کھڑا ہو، کہ میں اپنی نماز بھی پڑھ رہا ہوں اور اس کو بھی پڑھا رہا ہوں تو اس ایک کے ساتھ ایک لاکھ بھی آ کر کھڑے ہو گئے تو سب کی نماز ہو جائے گی۔ توجہ اس نیت کرنے کا ہی نام ہے، جبکہ القاء توجہ کرنے کے عمل کا نام ہے۔ اسی کو آپ انگریزی میں Reflection کہیں گے کہ جو Divert یا Reflect

(منعکس) ہوکر ادھر جانا شروع ہو جائے۔

اب یہ سوال کہ توجہ اور القاء کیسے کیا جاتا ہے؟ تو اس کے لیے آپ نے صرف فیصلہ کرنا ہے کہ میں ان کو کرا رہا ہوں۔ لطائف کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کا تعلق ایسے ہے جیسے آپ کے وجود کے ساتھ عناصر اربعہ کا۔ اب ہمیں مٹی نظر تو نہیں آتی۔ گوشت پوست کا انسان ہے، لیکن بنا وہ مٹی، ہوا، پانی اور آگ سے ہے، تو اسی طرح سے ہر نبیؐ کو اللہ کریم نے ایک کیفیت کا سمبل بنا دیا ہے۔ جس طرح مٹی کو ایک کیفیت کا حامل بنا دیا، ہوا کو دوسری کا، پانی کو تیسری کا، اسی طرح انبیاء علیہم السلام میں جو اولوالعزم ہیں انھیں سمبل بنا دیا ہے خاص خاص Relationship کا۔ ان سب کی Relationship جہاں ملتی ہیں وہ مرکز ہیں نبی کریم ﷺ۔ تو پہلے لطیفے پر جو انوارات آتے ہیں یہ حضرت آدمؑ کے ہیں اور پہلے آسمان سے آتے ہیں۔ یہ زرد رنگ کے ہوتے ہیں۔ دوسرے لطیفے پر حضرت ابراہیمؑ اور حضرت نوحؑ دونبیوںؑ کے انوارات آتے ہیں۔ تیسرے لطیفے پر حضرت موسیٰؑ کے انوارات آتے ہیں۔ چوتھے لطیفے پر حضرت عیسیٰؑ کے انوارات آتے ہیں اور یہ چوتھے آسمان سے آتے ہیں۔ یہ انوارات گہرے نیلے رنگ کے ہوتے ہیں۔ پانچویں لطیفے پر جو انوارات آتے ہیں وہ نبی کریم ﷺ کے ہوتے ہیں اور وہ پانچویں آسمان سے آتے ہیں۔ چھٹے اور ساتویں لطیفے پر تجلیاتِ باری ہوتی ہیں۔ ان کے رنگ اور کیفیات کا تعین نہیں کیا جا سکتا، بس جیسے بجلی چمکی اور غائب ہوگئی۔

تو جب بھی کوئی آدمی ذکر کرواتا ہے تو وہ یہ سوچے کہ جو انوارات میرے دل پر آ رہے ہیں وہ دوسروں کے دل پر یا ان کے لطائف پر بھی جا رہے ہیں، تو القاء ہونا شروع ہو جائے گا۔

سوال: چھٹے لطیفے اور ساتویں لطیفے کا طریقہ کیا ہے؟

جواب: چھٹے لطیفے میں سانس اندر لے جاتے وقت پہلے پانچ لطائف کی طرح لفظ اللہ قلب ہی میں جائے گا جبکہ سانس چھوڑتے وقت جب ھو کہیں تو ھو کا شعلہ پیشانی سے باہر نکلتا ہے جیسے بلب سے روشنی۔

ساتویں لطیفے پر جب آپ لفظ اللہ کا نور دل کی گہرائیوں میں لے جا کر ھو چھوڑتے ہیں تو ھو کے شعلے پاؤں کے ناخن سے لے کر سر کی چوٹی تک ہر مسام' ہر ہر بال سے نکل جاتے ہیں اور انوارات سے پورا بدن ایک شعلہ جوالہ بن جاتا ہے۔

سوال: کیا اپنے گھر والوں کو مراقبات کرائے جا سکتے ہیں؟

جواب: گھر والوں کو جو ساتھی کرائے گا وہ صرف لطائف کرائے گا۔ لطائف سے آگے اگر کچھ مراقبات کراتا ہے تو جیسے یہاں آ کر اور لوگ رہتے ہیں اور ایک توجہ سے ان کو اقربیت تک استطاعت ہو جاتی ہے تو پھر گھر میں انھیں اقربیت تک کراتے رہیں (جن کے مراقبات اقربیت تک ہو چکے ہوں) اگر کسی صاحب مجاز نے (جہاں تک اس کی استطاعت ہے) توجہ دی ہو یا شیخ نے دی ہو تو وہ دہرائے جا سکتے ہیں۔ کرانے کے لیے تو شیخ یا صاحب مجاز ہی ہوگا۔ لطائف البتہ ہر ساتھی کرا سکتا ہے۔

سوال: مرشد حقیقی کی چند صفات ارشاد فرمایئے، جن سے مجھے ان کا دامن پکڑنے میں آسانی ہو؟

جواب: مرشد حقیقی کی صفات دو قسم کی ہیں۔ ایک لازم اور دوسرا متعدی۔ لازم یہ ہے کہ دین کا ضروری علم رکھتا ہو۔ دین کے احکام پر عمل کرتا ہو۔ سنت کا پابند ہو۔

متعدی:۔ متعدی یہ ہے کہ دوسروں کو دین سکھانے اور ان کی عملی اصلاح کرنے کا سلیقہ اسے آتا ہو۔ یہ دونوں امور ایسے ہیں کہ عام آدمی اس پیمانے سے کسی کو ماپ نہیں سکتا۔ اس لیے اس کا عوامی پیمانہ یہ ہے کہ اس سے ملنے والوں کی سوچ اور عملی زندگی میں ایسی تبدیلی آ جائے کہ دیکھنے والوں کو محسوس ہو کہ ان کی عملی زندگی پر محمد رسول اللہ ﷺ کا ٹھپہ لگا ہوا ہے۔

سوال: سلسلے میں داخل ہونے کے لیے ظاہری بیعت ضروری ہے یا اس طریقے پہ ذکر کرنے

سے آدمی سلسلے میں داخل ہو جاتا ہے؟

جواب: ہم نے ظاہری بیعت کی شرط نہیں رکھی ہوئی۔ جو بھی اس طریقے سے ذکر کرتا ہے۔ سلسلے میں داخل ہے اور ساری برکات حاصل کر سکتا ہے۔ ظاہری بیعت مسنون ہے اور سنت کی اپنی برکات ہوتی ہیں جو کر لیتا ہے اس کی برکات سوائی ہو جاتی ہیں۔ لیکن یہ ہر کسی کا اپنا فیصلہ ہے جو نہیں بھی کرتا ہم نے کبھی فرق نہیں رکھا کہ ظاہری بیعت کی ہے یا نہیں کی۔

سوال: اگر دوسرے سلسلے کے شیخ جیسے کہ قادری، چشتی یا سہروردی سے اچانک یا اتفاقاً ملاقات ہو جائے تو ان کے آداب کی کیا صورت ہوگی؟

جواب: ادب واحترام ہر انسان کے لیے اللہ نے مقرر کیا ہے۔ یہ کوئی ضروری نہیں کہ آپ کسی غیر مسلم سے ملیں تو اس کے ساتھ بدکلامی کریں۔ آپ کسی کافر سے بھی ملیں گے تو انسانی اقدار کا لحاظ رکھتے ہوئے بات کریں گے۔ اور اگر دوسرے مسلمان سے ملیں تو اس کا احترام تو مزید بڑھ جاتا ہے کیونکہ اللہ کریم نے اور اللہ کے رسول ﷺ نے مومن کی حرمت کو بیت اللہ کی حرمت کے برابر قرار دیا ہے۔ پھر مومنین میں وہ آدمی نیک اور پارسا بھی ہے تو یہ احترام تو مزید بڑھ جاتا ہے۔ اور اگر اس سوال سے آپ کی مراد یہ ہے کہ شیخ کے گوڈے گٹے چومے جائیں یا اس کے آگے ہاتھ جوڑے جائیں تو یہ ساری غیر اسلامی ہندوانہ رسومات ہیں اور ان کی اسلام میں کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔

سوال: دورانِ ذکر آپ کے ساتھ بیٹھے ہوئے شخص کو اگر زیارت نبوی ﷺ ہو جائے یا بیعت اللہ کی زیارت ہو جائے یا خود پر مدہوشی طاری ہو جائے تو ان صورتوں میں کیا کرنا چاہیے؟

جواب: انوارات کی کثرت سے پاس بیٹھے ہوئے شخص پر یہ صورت واقع ہو سکتی ہے۔ ایسی صورت الحال ہو تو فوری لکھ کر رہنمائی حاصل کر لینی چاہیے۔ جب بھی کسی شخص پر اس کی قوت برداشت سے زیادہ انوارات آ جاتے ہیں تو یہی حال ہوتا ہے۔ یہ کیفیت ہو تو اسی وقت لکھ دیں تو

یہ شدت کم کی جاسکتی ہے۔

سوال: کیا کشف ومشاہدات کا لالچ دے کر ذکر اللہ کی دعوت دی جاسکتی ہے؟

جواب: ذکر کی دعوت کسی مشاہدے کے لیے دینا درست نہیں۔ ذکر محض اللہ کے لیے کیا جاتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ذکر کرنے سے مشاہدات ہو ہی جاتے ہیں۔ لیکن اگر ساری زندگی مشاہدات نہ ہوں تو بھی اس میں حرج نہیں بلکہ فائدہ ہی فائدہ ہے۔ جنھیں مشاہدات ہوتے ہیں، ایک حد تک وہ اپنے مجاہدے کا اجر لے لیتے ہیں اور اخروی اجر جسے مشاہدہ نہیں ہوتا اسے مشاہدے والے سے زیادہ ملے گا۔ کیونکہ اس کی ساری محنت آخرت کے لیے جمع ہو رہی ہے۔ مشاہدہ غرض نہیں ہوتی، انوارات کو دیکھنا یا منازل کو دیکھنا بھی غرض نہیں ہوتی، البتہ ان کا حصول صرف اس لیے غرض ہوتی ہے کہ وہ مظہر ہیں اللہ کی رضا کا، اللہ کے قرب کا، مقصد تو قرب الٰہی کا حصول ہے۔ لیکن منازل قربِ الٰہی کا مظہر ہیں۔ اسی لیے جنت مانگنے کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے اور اس کی ترغیب دی گئی ہے۔ کتاب اللہ میں اور حدیث شریف میں بھی ہے کہ اللہ سے جنت مانگو۔ اس لیے نہیں کہ جنت مقصد حیات ہے، مقصد حیات تو رضائے الٰہی ہے جبکہ جنت اس کا مظہر اور اظہار ہے۔ اسی طرح منازل کا حصول بھی مظہر ہے رضائے الٰہی کا، اس کے لیے مجاہدہ کرنا تو صحیح ہے۔ لیکن نرے مشاہدات کے لیے دعوت دینا صحیح نہیں۔ دعوت کی بنیاد یہ ہے کہ نیا ساتھی کچھ دن بتائے ہوئے طریقے سے ذکر کرتا رہے اور پھر وہ اپنی زندگی، اپنے معمولات کو پرکھے۔ ذکر سے پہلے جس طرح اس کے معمولات تھے ان میں اگر ذکر کے بعد کوئی مثبت تبدیلی آتی ہے۔ یعنی ذکر کے بعد نماز پڑھنے میں کچھ خشوع وخضوع پیدا ہونے لگ گیا ہے یا پہلے خطائیں دس کرتا تھا اور ذکر کی وجہ سے آٹھ پر آ گیا ہے، تو یہ ہی مقصد ہے۔

ذکر کی دعوت کی بنیاد یہ ہے کہ اس کا مزاج، اس کا دل، اس کی خواہشات اور اس کا طرزِ عمل تبدیل ہو۔

اللّٰہ ولی الذین امنوا یخرجھم من الظلمت الی النور.

یہ ولایت کا خاصہ ہے کہ مومن کو تاریکی سے روشنی کی طرف، گمراہی سے ہدایت کی طرف، اللہ کی طلب میں کمی سے شدت کی طرف، محبت الٰہی میں محرومی سے اس کے حصول کی طرف لے کر آتا ہے۔ یہ ہی ذکر کی دعوت کی بنیاد ہے اور یہ بہت بڑا کام ہے۔ لوگوں میں اکثریت کو سمجھ ہی نہیں ہوتی انھیں تو کوئی ٹیلی پیتھی والا، کوئی عجیب بات یا تماشہ دکھا دے تو سمجھتے ہیں کہ یہی بڑا کرتب ہو گیا۔ لیکن کوئی ٹیلی پیتھی والا یا کوئی مداری کسی کے دل کی تمنا، کسی کا عقیدہ نہیں بدل سکتا جبکہ اصل کام یہ ہے کہ انسان کا دل بدلے اور اس کی زندگی اتباع رسالت ﷺ میں آ جائے۔

سوال: کسی غیر مسلم کو ذکر کرایا جا سکتا ہے؟

جواب: سب ہی اللہ کی مخلوق ہیں۔ غیر مسلم بھی اگر ذکر کرتا ہے تو اسے اسلام نصیب ہو جاتا ہے۔ لیکن غیر مسلم کو آپ طریقہء ذکر بتا سکتے ہیں، وہ اپنی جگہ پر بیٹھ کر کرتا رہے آپ ساتھ ذکر نہیں کرا سکتے۔ جب تک ایمان نہ لائے تب تک اس کے لیے یہ ہی ہے کہ آپ طریقہ بتا دیں اور وہ اپنی جگہ بیٹھ کر کرتا رہے۔

سوال: کثرتِ ذکر کے علاوہ کون سے لسانی ذکر یا اعمال ہیں جن سے روح میں ترقی پیدا ہوتی ہے؟

جواب: اوراد میں سب سے اچھا وظیفہ درود شریف ہے۔ حصولِ برکات کے لیے اور اگر دنیا کی طرف زیادہ رغبت ہو تو دنیا سے انقطاع کے لیے کلمہ طیبہ سب سے اچھا اور مؤثر وظیفہ ہے۔ اس کو کثرت سے پڑھنے سے دنیا کی محبت دل سے نکلتی جاتی ہے۔

سوال: دورانِ ذکر چند سیکنڈ کے لیے آنکھ کھل جائے تو کیا انوارات آنے ختم ہو جاتے ہیں؟

جواب: آنکھ کا کھلنا بند ہونا بات نہیں، اصل بات توجہ کو ڈسٹرب نہ کرنا ہے۔ آنکھ جب کھلتی

ہے تو وہ کسی نہ کسی طرف دیکھتی ہے جس سے توجہ ڈسٹرب ہو جاتی ہے۔ محض جھپکنے کے لیے آنکھ کھل گئی تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن اگر توجہ کے بھٹکنے یا ڈائیورٹ ہونے کا خطرہ ہو تو پھر محتاط رہے۔

سوال: اخبار پڑھنے سے دل پر نحوست کا اثر پڑتا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: ہر لفظ، ہر بات میں یا نور ہے یا ظلمت۔ کوئی چیز میٹھی ہے۔ کوئی کڑوی۔ تو ہر چیز کا ایک نہ ایک اثر ہے۔ آپ اچھی بات پڑھیں گے تو دل میں بھی نور پیدا ہوگا۔ آپ جھوٹ پڑھیں گے، خرافات پڑھیں گے تو دل پہ بھی ظلمت آئے گی۔ یہ بڑی سادہ سی بات ہے۔

سوال: شیخ سے ملاقات کر لینے کے بعد دوسری ملاقات کتنے عرصے بعد کرنی چاہیے؟

جواب: میرے بھائی مجھے اس بات کا بڑی اچھی طرح تجربہ ہے۔ ہم جب حضرتؒ سے ملتے تھے تو بالکل ایک ایسی کیفیت پیدا ہوتی تھی جیسے کسی پیاسے بندے نے خوب پیٹ بھر کر پانی پی لیا ہو۔ رفتہ رفتہ ہر گزرتے دن کے ساتھ اس میں تھوڑی تھوڑی کمی ہوتی جاتی تھی۔ پھر ایک وقت ایسا آتا تھا کہ ایک بے قراری سی لگ جاتی تھی۔ زیادہ سے زیادہ ہفتہ دو ہفتے نکلتے تھے اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ پیاس بڑھ گئی ہے۔ اس سے زیادہ وقت نہیں گزارا جا سکتا تھا۔ اب کس کا کیا حال ہے یہ ہر بندے کی شیخ کے ساتھ اپنی نسبت پر منحصر ہے۔ کوئی ایسا ہوتا ہے جس کی ساری زندگی وہیں صرف ہو جاتی ہے۔ جونہی وہ اٹھتا ہے اس کی پیاس بڑھنے لگتی ہے۔ جبکہ کوئی ایسا ہوتا ہے کہ ایک نگاہ شیخ کو دیکھ لے تو شاید سال گزارہ کر لے۔ دراصل محبت کے پیمانے دنوں اور گھڑیوں سے نہیں ناپے جاتے، کیفیات سے ناپے جاتے ہیں۔ کون کتنا اس میں غرق ہے۔ ایک چیز سے ایک آدمی جنون کی حد تک محبت کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ ہر وقت اسے دیکھتا ہی رہے جبکہ دوسرے کسی شخص کے لیے وہ چیز اچھی ہے، نظر آ گئی دیکھ لی نہ نظر آئی، ماشاءاللہ وقت گزر رہا ہے..... تو کون جنون میں کتنا پھنسا ہوا ہے یہ ہر متنفس کی اپنی کیفیت ہوتی ہے۔ شیخ کے ساتھ جتنا تعلق، الفت، نسبت اور جتنے

زیادہ لمحات نصیب ہوں، ہر لمحہ اپنی ایک الگ قیمت رکھتا ہے۔ زندگی کے ان طوفانوں اور ہماہمی میں اللہ کے بندوں کو یہ لمحات چھیننے پڑتے ہیں۔ اس ساری ہاؤ ہو میں آپ روپیہ کمانے کے لیے، ایک طالب علم امتحان کے لیے یا ایک تاجر اپنی تجارت کو کامیاب بنانے کے لیے جیسے جان توڑ کر محنت کرتا ہے یا دور دراز کے سفر کرتا ہے بالکل اسی طرح شیخ کے ساتھ چند لمحات بسر کرنے کے لیے سالک کو بھی بہت سے مجاہدے کرنے پڑتے ہیں۔

یہاں ایک بات عرض کرتا چلوں کہ شیخ کی صحبت کو چوپال یا ہوٹل یا قہوہ خانے کی صحبت کی طرح نہیں سمجھنا چاہیے کہ وہاں بیٹھ کر گپیں لگائیں اور ہنسی مذاق ہو۔ نہیں بلکہ شیخ کے ہاں پہنچ رہنا، خلوص کے ساتھ بیٹھ رہنا اور توجہ کا حصول ہی اصل مقصد ہے۔ شیخ کی صحبت سے مراد یہ ہوتی ہے کہ شیخ سے براہ راست توجہ حاصل کر کے ذکر کرنا نصیب ہو جائے۔ اگر اتنی فرصت بھی نہ ملے تو دیکھنا، ملنا اور چند لمحے وہاں (جہاں ذکر ہوتا ہے) بیٹھنا نصیب ہو جائے تو بھی بڑی حد تک پیاس بجھ جاتی ہے۔ بسا اوقات ہم صحبت شیخ اور دنیا داروں کی صحبت میں تمیز نہیں کر پاتے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ جیسے دوستوں کی مجلس ہوتی ہے اس طرح شیخ کی مجلس بھی ہوگی۔ جبکہ شیخ کی مجالس بھی عجیب ہوتی ہیں، وہاں شور بھی خاموشی کا ہی ہوتا ہے گپوں کا نہیں یہ کیفیات کا انعکاس ہے۔ Transmit کرنے کا ایک عمل۔ ایک قلب سے دوسرے قلب میں انعکاس کا عمل۔ یہاں دلوں کی دلوں سے باتیں ہوتی ہیں۔

سوال: کیا برے اعمال سے روح کی شکل مسخ ہو کر جانوروں جیسی ہو جاتی ہے؟

جواب: بالکل صحیح بات ہے۔ حدیث شریف میں مذکور ہے کہ کسی کی روح کی شکل حلال جانور کی شکل پر ہو تو کم از کم وہ نجات کا امیدوار ہوتا ہے۔ اعمال میں کوتاہیوں اور کمزوریوں کے سبب روح انسانی شکل پر نہیں رہتی (کیونکہ وہ انسانی معیار سے نیچے آ گیا ہوتا ہے) لیکن اگر ایمان ضائع نہ ہوا ہو تو حلال جانور جیسی رہتی ہے۔ اس حال میں نجات کی امید ہوتی ہے۔ لیکن اگر ایمان پر بھی زد پڑ جائے تو شکل مسخ ہو کر موذی اور مردار جانوروں جیسی ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ شروع

میں حضرت اللہ یار خانؒ رویت اشکال کا مراقبہ باقاعدہ کروایا کرتے تھے پھر حضرتؒ نے یہ بند کر دیا۔ اس کے بعد ہم نے اس دروازے کو چھیڑا بھی نہیں۔ رویت اشکال کا مراقبہ اگر توجہ دے کر کروایا جائے تو پتہ چل جاتا ہے کہ اس شہر میں کتنے انسان ہیں اور کتنے انسانی معیار سے گر چکے ہیں، اور جانوروں کی شکل پر اژدھے، خنزیر، ریچھ اور بندر بن چکے ہیں۔ ایسے لوگ جن کی روحانی شکلیں بگڑ چکی ہیں اور مرنے سے پہلے وہ تائب بھی نہیں ہوتے تو جہنم میں بھی وہ اس شکل میں ہی جائیں گے انھیں انسانی صورت عطا نہیں ہوگی۔ کیونکہ انسانی صورت صرف اہل جنت کی ہوگی اور اللہ کے ان بندوں کی جنھیں نجات نصیب ہوگی۔

سوال: اگر کسی کا ایمان پر خاتمہ نہیں ہوا تو کیا اس لطیفہ ربانی یعنی روح کو دوزخ میں جلنا ہوگا؟

جواب: لطیفہ ربانی میں جو تجلیاتِ باری ہیں وہ کفر کرنے پر سلب ہو جاتی ہیں اور باقی جو عنصر رہ جاتا ہے وہ صرف مخلوق کا ہوتا ہے۔ انسان میں رب کریم کی جو تجلی ہے اس کو محفوظ رکھنے کا نام ہی ایمان ہے اور اس کی حفاظت ہی اصل آزمائش ہے۔ ان تجلیات سے محروم ہو جانا اور صرف ایک تخلیقی عنصر کے طور پر باقی رہ جانا، یہ کفر ہے۔ دوزخ میں تجلیاتِ باری نہیں جائیں گی۔ چونکہ وہ تو اپنے کفر کی وجہ سے دنیا میں ہی اس نور سے دستبردار ہو گیا تھا۔ باقی جو عنصر بچا یعنی روح (روح بھی ایک مخلوق ہے جس کی بنیاد تجلیات پر ہے) وہ محض ایک مخلوق ہے۔ اس مخلوق میں اس تجلی کی روشنی کو باقی رکھنا اسلام ہے۔

روح کا کوئی بیج نہیں ہے، اس کے کوئی ماں باپ نہیں ہیں۔ وہ کسی درخت سے نہیں لگی بلکہ ذاتِ باری نے تجلی فرمائی اور اس سے روح کی تخلیق ہوگئی۔ میرے پاس ایک دن ایک بوڑھا سا آدمی آیا ہمارے گاؤں کا۔ کہنے لگا کہ آپ سمجھدار آدمی ہیں، دوائیں بھی منگواتے رہتے ہیں تو مجھے دوائی دے دیں۔ میں نے کہا کہ بھائی کون سی دوائی تمھیں دے دوں۔ کہنے لگا کہ ماں کا جو دودھ تھا میرے وجود میں، وہ ختم ہو گیا ہے۔ ہمارے علاقے میں اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک ماں کے دودھ کا اثر رہتا ہے تو بندہ تگڑا رہتا ہے اور اگر اعضاء و جوارح جواب دینے لگیں، پٹھوں میں

درد ہونا شروع ہو جائے، کام کرنے کو جی نہ چاہے بلکہ پڑا رہنے کو جی چاہے یا کوئی بلائے تو لڑ پڑے تو اس سارے کا سبب اس کے نزدیک یہ تھا کہ ماں کے دودھ سے جو طاقت ملی تھی وہ ختم ہو گئی اب باقی لڑائی جھگڑا رہ گیا ہے۔ مجھے بڑی پسند آئی اس کی بات اور تھی بھی بڑی حد تک پتے کی۔ کسی طب کی کتاب میں میں نے کبھی نہیں پڑھی۔ سو وہ وصف جو انسان ہونے کا سبب ہے، اس کے شرف، احترام یا کمالات کا سبب ہے اگر سلامت ہے تو وہ مسلمان ہے۔ مومن ہے اور اگر اس نور کو ضائع کر دیا تو خالی تخلیقی عنصر رہ گیا اور وہ کافر ہے اب وہ جہنم جائے یا کہیں جائے۔ اس نور کو ضائع کرنے کے بعد جو کچھ اس نے دنیا میں کیا وہ اسی طرح ہے کہ اس نے ماں کا دودھ ضائع کر دیا۔ اب وہ اس نقصان کو بھگتے۔

سوال: کیا وجہ ہے کہ لطائف روشن اور گہرے ہونے کے باوجود اور عرصہ چالیس سال تک نماز، تسبیح اور ذکر کرنے کے بعد بھی ایک صوفی کو کلمات کا ادراک اور معنی کا فہم نصیب نہیں ہوتا؟

جواب: تصوف بغیر علم تو ممکن نہیں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ خود عالم نہ ہو تو وہ کسی عالم کا ہاتھ پکڑ کر چل سکتا ہے۔ لطائف کی روشنی سے مزاج میں نیکی ضرور آتی ہے مگر معانی و مفاہیم تو باقاعدہ سیکھنے ضروری ہیں۔ ایسا صوفی جو بغیر سیکھے جان جائے تو شاید کروڑوں میں ایک ہوتا ہوگا کہ اسے علم لدنی نصیب ہو جائے۔

سوال: کیا وجہ ہے کہ شیخ المکرم کی توجہ کا اثر ان کے اپنے افرادِ خانہ میں نہیں ہوتا، مگر وہی شیخ المکرم قطب شمالی پر رہ کر ذکر کرنے والے ارادتمند کو توجہ دے دیتے ہیں؟

جواب: شیخ کے افرادِ خانہ اور کنبہ قبیلہ کے لوگ بھی اس معاملہ میں ایک عام انسان کی طرح رغبت یعنی اپنے فیصلہ کے محتاج ہوتے ہیں، اگر وہ فیض حاصل کرنا چاہیں تو پھر دوسروں کی نسبت زیادہ کر سکتے ہیں۔

سوال: کیا وجہ ہے کہ شیخ پر اپنے ہی ارادتمند کا بگاڑ منکشف نہیں ہوتا، یا یہ کہ وہ اسے نظر انداز (Ignore) کرتا ہے؟

جواب: ہر بندے کے دل اور دلی جذبات کا تعلق براہ راست اللہ جل شانہ سے ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کو بھی اللہ کریم کے بتانے سے ہی پتہ چل سکتا ہے چہ جائیکہ شیخ۔ بعض حالات میں اللہ جل شانہٗ چاہے تو شیخ پر منکشف فرما بھی دیتا ہے مگر عموماً ایسا نہیں ہوتا۔ ہاں شیخ سب کے لیے دعا ضرور کرتا ہے۔

سوال: سورۂ نمل کے حوالے سے سوال ہے کہ جب روح نیند میں جسم سے الگ ہو جاتی ہے تو نیند میں روح کہاں ہوتی ہے۔ آیا کوئی شخص اس حالت کا خود مشاہدہ کر سکتا ہے؟

جواب: پہلی بات تو یہ ہے کہ قرآن حکیم نے بنیادی باتیں ضرور ارشاد فرمائی ہیں، اور نیند میں روح کے الگ ہونے کو، اللہ نے بندے کو موت سمجھانے کا ایک سبب بتایا ہے۔ انسانی عقل ہی اتنی ہے۔ انسان اگر نیند کو ہی سمجھ لے تو اپنی ساری ہستی کا پول کھل جاتا ہے کہ میں کتنا طاقتور ہوں۔ نیند میں کوئی بڑے سے بڑا پہلوان، حکمران یا سلطان بھی اس قابل نہیں ہوتا کہ فریاد کر سکے کہ میری روح واپس کر دی جائے۔ نیند کو موت کی بہن اس لیے کہا گیا ہے کہ جس طرح نیند میں اللہ کریم ارواح کو بدن سے الگ کر دیتے ہیں، پھر جسے چاہیں لوٹا دیتے ہیں اور جس کو نہ لوٹانا چاہیں تو سویا ہوا فریاد بھی نہیں کر سکتا کہ میری روح واپس کر دو۔ اور جب تک روح واپس نہیں آئے گی اس کی آنکھ بھی نہیں کھلے گی۔ تو قرآن حکیم نے اس حال پر توجہ اس لیے دلائی ہے کہ موت کو سمجھنے کے لیے انسان کو آسانی ہو اور اپنی ذات کی بڑائی میں گرفتار بندہ سمجھ سکے کہ نیند میں شاہ و گدا برابر ہوتے ہیں۔ پھر نہ تو اس کو اپنی طاقت کا زعم ہوتا ہے نہ مفلسی کا غم۔

اخلاقیات کی کتاب الاخلاق میں ایک واقعہ میں نے پڑھا کہ کوئی سلطان اپنے محل کے جھروکے میں کھڑا تھا۔ اس نے دیکھا کہ باہر دور ایک کھلے میدان میں ایک شخص سنگریزوں پر پڑا سو رہا ہے۔ اس نے حکم دیا کہ اس شخص کو ہمارے پاس حاضر کیا جائے۔ تو اس شخص کو دربار میں پیش

اور بہت مطالعہ کرنے کے بعد بھی سمجھ میں نہیں آتیں مشاہدے میں وہ چیز آ جائے تو تھوڑے وقت میں بہت سی بات آدمی کی سمجھ میں آ جاتی ہے۔ جیسے آپ ایک آدمی کو پانچ سال انجن کے بارے پڑھاتے رہیں اور ایک دن جا کر اسے سارا انجن اوپر نیچے سے دکھا دیں تو پانچ سال کے مطالعہ سے ایک دن کا مشاہدہ اس مشین کا' اس کی ہیئت اور اس کی کارکردگی کا زیادہ علم دے دے گا۔ تو اگر قوت مشاہدہ نصیب ہو جائے تو یہ حصول علم کا بہت بڑا ذریعہ ہے جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو نصیب ہوا۔ وہ کسی مدرسے میں نہیں گئے، کسی سکول میں نہیں پڑھے، کسی استاد کے پاس نہیں گئے رب کریم نے قوت مشاہدہ دے دی اور علوم کو ان کے لیے سہل کر دیا۔ کسی کی چوری ہو گئی، کسی کا بچہ گم ہو گیا، دیکھا جائے وہ کہاں گیا، اس کی بیماری کیا ہے اور اس کا علاج کیا ہے۔ مشاہدہ ان کاموں کے لیے نہیں ہے اور اگر ان کاموں پر بندہ اسے آزمانا چاہے تو وہ واپس لے لیا جاتا ہے۔ جیسے آپ کسی کو اسلحہ دیں اور وہ بندوق سے مکھیاں مارنے لگے تو پھر آپ کب تک اسے اسلحہ سپلائی کریں گے بلکہ اپنا اسلحہ واپس لے لیں گے کہ یہ مکھیاں مارنے کے لیے نہیں ہے۔ تو مشاہدات اللہ کا احسان ہیں۔ اللہ کی دی ہوئی بہت بڑی نعمت ہے۔ اللہ سب کو نصیب کرے اور اس کا مصرف یہ ہے کہ اس سے احکام الٰہی کو سمجھنے کی توفیق ملے۔

سوال: کیا خواتین کو ذکر کروایا جا سکتا ہے؟

جواب: جس طرح خواتین ہر شعبہ زندگی میں مرد حضرات سے علم حاصل کرتی ہیں اسی طرح حدود شرعی کے اندر رہتے ہوئے ذکر اللہ بھی سیکھ سکتی ہیں۔

سوال: ذکر شروع کرنے سے پہلے آپ جو کلمات پڑھتے ہیں کیا ان کا پڑھنا اور ان کی ترتیب ضروری ہے؟

جواب: یہ کوئی فرض واجب تو نہیں ہے، لیکن جو چیز مشائخ سے نقل ہوتی ہے اس میں اس طرح کی ایک خاص برکت ہوتی ہے۔ ویسے تو کوئی تعوذ و تسمیہ پڑھ کر شروع کر دے تو بھی ٹھیک ہے لیکن

شیخ سے سنے گئے کلمات اگر اس ترتیب سے پڑھے جائیں تو ان کی ایک اپنی کیفیت اور برکت ہوتی ہے۔ یہ ضروری نہیں ہوتے بلکہ حصولِ برکت کے لیے پڑھے جاتے ہیں۔

سوال: کسی شخص کو جب پہلی مرتبہ ذکر کرایا جاتا ہے تو کیا ذکر کرانے والے ساتھی کو کوئی خاص خیال رکھنا پڑتا ہے؟

جواب: کچھ بھی نہیں۔ بس اسے ذکر کا طریقہ بتا دو اور پاس بٹھا کر ذکر کرا دو۔ باقی کا اللہ کریم خود جانتا ہے، وہ کرا لے گا۔

سوال: ذکر کے دوران اذان شروع ہو جائے تو آپ ﷺ کے نام نامی پر درود پڑھنا چاہیے یا نہیں؟

جواب: بعض صورتیں ایسی ہیں جن میں اذان کا جواب نہیں دینا چاہیے۔ مثلاً نماز کی حالت میں، رفع حاجت کے وقت، جنسی اختلاط کے دوران، خطبہ سنتے وقت جمعہ کا ہو یا کوئی اور، عالم دین پڑھنے بڑھانے میں (ان لوگوں کو چاہیے کہ فراغت کے بعد اذان کے کلمات کہہ لیں، بشرطیکہ زیادہ دیر نہ گزری ہو)، کھانا کھاتے ہوئے اذان کا جواب دیں تو جائز ہے لیکن ضروری نہیں، اسی طرح دورانِ ذکر بھی اذان کا جواب نہ دیا جائے۔

سوال: بے نمازی کے ہاتھ کی یا بازار کی بنی ہوئی اشیاء کھانے سے لطائف یا مراقبات پر کیا اثر پڑتا ہے؟

جواب: اگر یہ چیزیں پاک بھی ہوں تو بازار میں پڑے ہونے کی وجہ سے ان چیزوں میں خاص طرح کی نحوست پیدا ہو جاتی ہے۔ ایک حلال ہونا ہوتا ہے اور ایک طیب ہونا، تو طیب وہ تب ہوگا جب بنانے والا خود طیب ہو، جو ہاتھ اس میں ڈالا وہ پاکیزہ ہو۔ اگر حلال کا سارا اہتمام بھی ہو لیکن اگر طیب نہیں ہوگا تو طیب نہ ہونے کی وجہ سے اس میں جو غبار آتا ہے۔ وہ لطائف یا اس قلب

پر بھی آئے گا۔ ہر آدمی کی ایک ریفلیکشن (Reflection) ہوتی ہے، بے نمازی، حریص، بھوکا، پاکیزگی کا خیال نہ کرنے والا وغیرہ۔ تو بازاری کھانے پر جتنے بھی لوگوں کی نظر پڑے گی ان سب کی ریفلیکشن بھی اس کھانے پر پڑے گا۔ یہ ریفلیکشن غبار کی طرح ہوتی ہے۔ جب ہم لطائف کیا کرتے تھے تو ہم تین چار ساتھی ہوتے تھے۔ حضرتؒ فرماتے تھے کہ نماز تو ضرور باجماعت پڑھو لیکن صرف فرض، سنتیں پڑھ کر جاؤ اور باقی بہتر ہے کہ گھر آ کر پڑھو اور اگر مسجد میں ہی پڑھنی ہوں تو نمازیوں سے الگ ہو کر پڑھو کہ نمازیوں کی جو حالت ہے وہی تمہارے لطائف بند کر دینے کے لیے کافی ہے۔ تو بے نمازیوں کا تو پھر حال ہی الگ ہے۔ ایسے نمازی بھی جن کے لطائف روشن نہیں ہوتے، ان پر دنیاوی سوچیں، دنیاوی غبار اور معاملات کے افکار مسلط ہوتے ہیں۔ وہ بات نہ بھی کریں، ساتھ مل کر نماز پڑھنے سے بھی لطائف متاثر ہوتے ہیں۔ باقی گپ شپ اور محض بازار میں جا کر بیٹھ جانا یا محض وقت گزارنے کے لیے تھوڑی دیر کے لیے چلے جانا، یہ سب تو زا مضر ہے۔ یہ سب ایسی چیزیں ہیں جو نقصان پہنچاتی ہیں۔

سوال: ساتواں لطیفہ سلطان الاذکار صرف بدن کا لطیفہ ہے یا روح اور بدن دونوں کا؟

جواب: میرے بھائی لطائف بنیادی طور پر ہیں ہی عالم امر کی چیز اور روح کا حصہ ہیں۔ صرف ساتواں ہی نہیں، لطائف سارے کے سارے ہی عالم بالا کی چیز ہیں۔ حضرت مجددؒ اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں کہ انسان صرف پانچ چیزوں کا ہی نہیں (آگ، ہوا، پانی، مٹی اور ان کے ملنے سے نفس بنا) بلکہ یہ دس چیزوں کا مرکب ہے۔ جس میں قلب، روح، سری، خفی اور اخفاء بھی ہیں۔ لطائف بنیادی طور پر روح ہی کا خاصہ ہیں۔ چونکہ روح سارے بدن میں سرایت ہے تو روشن لطائف سے بالواسطہ بدن بھی متاثر ہوتا ہے اور جب سارے بدن کو اس کی روشنی پہنچتی ہے تو بدن کا ہر ذرہ ذاکر بھی ہو جاتا ہے اور منور بھی ہو جاتا ہے۔ جیسے قرآن حکیم میں ارشاد ہے۔

ثم تلین جلودھم و قلوبھم الی ذکر اللّٰہ.

اور حق یہ ہے کہ جب تک اجزائے بدن ذاکر نہ ہوں تب تک کم از کم اس پر سے غفلت نہیں

جاتی۔ اگر عابد وزاہد بھی ہو تو حضوری کی کیفیت اس میں پیدا نہیں ہوتی۔ عبادت میں بھی غافل ہی رہتا ہے اور عبادت سے باہر تو اس پر کیفیت وارد ہی نہیں ہوتی۔ اس لیے تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ مرحومؒ نے ذکر قلبی کے حصول کو ہر مسلمان مرد اور عورت کے لیے واجب لکھا ہے۔

سوال: قرآن و حدیث سے قلب کی اصلاح کا پتہ چلتا ہے۔ باقی لطائف اور مقامات و سلوک کا مدار و بنیادی کشف صوفیاء پر رکھا گیا ہے جو بذات خود ظنی چیز ہے۔ دوسروں کے لیے حجت بھی نہیں۔ زیر قدم آدمؑ، زیر قدم نوحؑ، زیر قدم ابراہیمؑ وغیرہ، یہ سب دوسروں کے کشف پر عمل ہی تو ہے۔ اسے قطعیات میں شمار کرنا کیسے صحیح ہے جبکہ کہا جاتا ہے کہ کشف ظنیات میں سے ہے۔

جواب: بھئی اسے قطعیات یا قطعی عقیدے کے طور پر نہیں لیا جاتا، یہ تو ایک نظام الٰہی ہے، جس کی بنیاد قلب ہے۔ تمام برکات جو ہم لیتے ہیں۔ وہ نبی کریم ﷺ سے لیتے ہیں۔ قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ انسان مٹی سے بنا ہے۔ لیکن اس کی شرح کی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ مٹی میں آگ، ہوا اور پانی بھی ہے۔ اگر چہ غالب عنصر مٹی ہی کو شمار کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اصل برکات، برکات نبوی ﷺ ہیں۔ آدمؑ بھی برکات نبوی ﷺ کا مظہر ہیں۔ نوحؑ، موسیٰؑ، ابراہیمؑ، عیسیٰؑ، غرض تمام انبیاء ورسل برکاتِ نبوی ﷺ کا مظہر ہیں۔ لیکن یہ پانچ حضرات ایسے اولوالعزم ہیں جو بنیادی طور پر جس طرح آگ، ہوا اور پانی وجود کا عنصر بنے اسی طرح روحانی برکات میں ان کو اس حد تک دخل ہے۔ اب اسے قطعی طور پر یا عقیدے کے طور پر ماننا ضروری نہیں ہے۔

پھر تو اس شعبے کے لوگوں کی تحقیقات رہ گئیں جو برکات ان کی وساطت سے آئی ہیں ان کا ایک خاص مزاج ہے جو پوری انسانیت کو عطا ہوا ہے۔ آدمؑ کے مزاج میں آدمیت' عجز وانکسار' اللہ کے سامنے اپنی عاجزی کا اقرار اپنے امور پر احقاق حق پر ثابت قدمی موت العمر یہ مختلف خصوصیات ہیں۔ موسیٰؑ اور ان کا احقاق حق' ابراہیمؑ کا ابتلا میں سے ثابت قدم نکلنا' اس طرح عیسیٰؑ کی حق کیلئے تبلیغ' مختلف خواص و کیفیات جو حق کے لیے ہیں' ان کی وساطت سے اس عہد کی انسانیت کو نصیب ہوئیں۔ دراصل وہ بھی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برکات کا پرتو ہیں۔ پرتو جمال

مصطفویﷺ ہیں تو یہ اللہ کریم کا احسان ہے کہ جو چیزیں ان کی نسبت پوری انسانیت میں بانٹیں (نبیوں کو معزول نہیں کیا جاتا آئندہ آنے والی انسانیت بھی وہ برکات ان کے قلوب سے وصول کرتی ہے اگر چہ خود ان کے قلوب قلب اطہر رسول اللہﷺ سے وصول کرتے ہیں) اور ہم وہ خوش نصیب ہیں جو براہ راست مستفید ہوتے ہیں، نبی کریمﷺ سے۔

سوال: علم غیب کیا ہوتا ہے اور کس کو ہوتا ہے؟

جواب: علم غیب کی تعریف یہ ہے کہ جس کے جاننے میں درمیان میں کوئی واسطہ نہ ہو۔ نہ نظر، نہ عقل، نہ خبر۔ کوئی ذریعہ، واسطہ درمیان میں نہ ہو۔ بغیر کسی واسطے کے جانا جائے وہ علم، علم غیب ہوتا ہے اور وہ خاصۂ خداوندی ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو جو غیب کا علم ہوتا ہے وہ غیب نہیں ہوتا، اس لیے کہ انھیں اللہ تعالیٰ کے بتانے سے پتہ چلتا ہے۔ قرآن حکیم کی اصطلاح میں یہ اطلاع عن الغیب ہے۔ یعنی غیب پر مطلع فرما دینا۔

"ما کان اللّٰہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللّٰہ لیجتبی من رسلہ من یشاء."

یہ ہر ایک کے لیے نہیں ہے کہ اللہ اسے غیب پر اطلاع کرے۔ وہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے۔ رسول اس کے فرشتے بھی ہیں، انبیاء کو بھی رسول کہتے ہیں۔ اولیاء اللہ کو جو اطلاع عن الغیب نصیب ہوتی ہے وہ باتباع نبوت و کمالات نبوت سے ہوتی ہے۔ ولی کی استعداد اور حیثیت کے مطابق باتباع نبوت' ان کا پرتو ولی میں آتا ہے۔ ایک چیز کو جس نظر سے نبیؑ دیکھ رہے ہوتے ہیں، اگر کوئی ولی کامل ترین بھی ہو اور وہ صفت اس میں منعکس بھی ہو تو اس پائے کی اس کی نگاہ نہیں ہوسکتی۔ جس طرح حقیقی، صحیح، درست اور مفصل علم نبیؑ کا ہوتا ہے' اس طرح قابل اعتبار ولی کا نہیں ہوتا۔ اگر ولی کی بات نبیؑ کی بات کے مطابق ہے تو اس نے صحیح سمجھا۔ اگر کہیں ٹکراتی ہے تو نبیؑ کی بات درست ہے اور ولی کو سمجھنے میں غلطی لگی۔ یہ علوم غیب نہیں بلکہ یہ اطلاع عن الغیب ہے۔

سوال: سنا ہے کہ انگریزوں کے پادری یا اس قسم کے لوگ کہتے ہیں کہ ہم ارواح کو حاضر کر کے بات کر لیتے ہیں۔کیا یہ ممکن ہے؟

جواب: یہ دنیا میں بہت پہلے بھی رہا ہے اور اب بھی ہے۔ ہندوؤں میں بھی ہے جسے وہ آواگون کا اور ارواح کا دوبارہ آنا، آتما اور پریت آتما کا چکر کہتے ہیں۔ یورپ میں پادری نہیں بلکہ ایسے شخص کو میڈیم (Medium) کہتے ہیں (جسے ہم وچولہ یا دلال کہتے ہیں۔یعنی درمیان میں آنے والا شخص) جو رابطے کا کام کرتا ہے۔وہ اپنے مخصوص اعمال یا طریقوں سے اس طرح کے چلے کاٹ کر ایک تماشا دکھاتے ہیں کہ ارواح سے بات ہو رہی ہے۔اس پر حضرت اللہ یار خانؒ نے جو ارشاد فرمایا تھا وہ المرشد میں شائع ہوا تھا۔حدیث شریف ہے۔

"القبر روضة من رياض الجنة، حضرة من النار كما قال رسول اللهﷺ"

"قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔"

تو اگر کوئی بندہ دوزخی ہے تو اسے اگر چند منٹ کے لیے بھی وہاں سے کسی کے ساتھ بات کرنے کے لیے عالم دنیا میں بھیج دیا جائے تو اس کے لیے تو وہ غنیمت ہے۔اب دنیا میں ایسا کون ہے کہ اللہ کے عذاب کی گرفت سے چھڑا کر اسے بلا لے۔ہم تو دنیا کے حوالات سے کسی کو نہیں نکلوا سکتے۔ پولیس والے چوکی، تھانے میں محبوس کر دیں تو وہاں سے نہیں چھڑوایا جا سکتا تو عذابِ قبر والے فرشتوں سے کون چھڑوا کر لائے گا اور اگر وہ دوزخی نہیں جنتی ہے، دوسرے حال میں ہے تو اہل جنت کو اگر لوگ کان سے پکڑ کر دنیا میں کھینچنے لگیں تو جنت جنت تو نہیں رہی۔دونوں طرح سے ناممکن ہے۔

ہوتا یہ ہے کہ ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان بھی پیدا ہوتا ہے۔شیطان کی اپنی خاص اولاد الگ ہے۔اس کے پیروکار جنات شیطان الگ ہیں۔قرآن حکیم نے بتایا ہے۔"شیاطین والجن والانس." شیطان انسانوں میں بھی ہیں اور جنات میں بھی ہیں۔ان سب کے علاوہ ہر پیدا ہونے والے کے ساتھ ایک شیطان بھی پیدا ہوتا ہے۔جسے عامل اپنی اصطلاح میں ہمزاد کہتے

ہیں۔ان کی عمریں سینکڑوں، ہزاروں سال ہوتی ہیں۔ بندہ مر بھی جائے تو ساتھ پیدا ہونے والا شیطان کسی اور کے ساتھ نہیں جاتا۔تو یہ عامل حضرات، جو عملیات کرتے ہیں وہ شیطانی اعمال ہوتے ہیں جن کی وجہ سے ان کا رابطہ اس شیطان (ہمزاد) سے ہو جاتا ہے۔اس طریقے سے یہ دنیا پہ گمراہی پھیلانے کا سبب بن جاتے ہیں۔

سوال: تصوف کیا ہے؟

جواب: تصوف ہے'' کچھ بھی نہیں۔'' جب کچھ بھی باقی نہ رہے، صرف اللہ رہ جائے تو تصوف بن جاتا ہے۔ جب تک کچھ باقی رہے تصوف نہیں ہوتا۔ میں پیر ہوں، میں مولوی ہوں، میں بزرگ ہوں، میں تگڑا ہوں، میں فلاں ہوں۔ جب تک ''میں'' رہے تب تک تصوف نہیں ہوتا۔ جب انا نہ رہے، کچھ بھی نہ رہے تو یہ تصوف ہے۔

''میں'' یا اپنی ذات میں الجھے رہنا قلب کی بیماری ہے۔اس بیماری سے شفا نصیب ہونا قلب کا تزکیہ کہلاتا ہے اور اس تزکیے کا نام تصوف ہے۔قرآن پاک میں اس شفا پانے کو تزکیہ کہا گیا ہے اور فارسی میں لفظ تزکیہ کا ترجمہ تصوف کیا گیا ہے۔

سوال: صوفیاء کے تصور وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی حقیقت کیا ہے؟

جواب: صوفیاء کو جب مشاہدہ ہوتا ہے تو مشاہدات کا کمال یہ ہے کہ صوفی اس قوت کو دیکھ لیتا ہے جس نے ان درو دیوار کو کھڑا کر رکھا ہے۔ ہماری ظاہری نظر میں دیوار اپنی بنیاد کی وجہ سے اپنے قدموں پہ کھڑی ہے۔درخت اپنی جگہ پہ کھڑا ہے۔لیکن وہ جب قلب کی نگاہ سے دیکھتا ہے وہ سمجھتا ہے یہ جڑیں وڑیں کوئی شے نہیں اسے تو کسی نے کھڑا کر رکھا ہے یہ از خود نہیں پھل پھول دے رہا بلکہ اسے کوئی اور پھل پھول لگا رہا ہے۔ یہ دیوار یہ مکان از خود نہیں کھڑے بلکہ انہیں کسی نے کھڑا کر رکھا ہے۔تو یہ حقیقت جب صوفی کو نظر آتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ یہ سارے وجود تو وہم ہیں اصل وجود تو ایک ہی ہے۔ان سب میں بھی وہی جلوہ گر ہے۔اصل وہی ذات باری ہے باقی سارے یہ

نقش برآں ہیں، ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ اسی کو صوفیوں نے وحدت الوجود کہہ دیا۔ حقیقی وجود صرف ایک ہے باقی جتنے وجود ہیں ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ وہ انھیں کھڑا رکھے تو کھڑے رہتے ہیں۔ جسے گرا دے وہ گر جاتا ہے۔ لیکن عام آدمی اسے سمجھنے سے قاصر رہا اور لوگوں نے درختوں کو پتھروں کو دیواروں کو اینٹوں کو خدا سمجھنا شروع کر دیا۔ وحدت الوجود کا مطلب تو یہ تھا کہ ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ ان کے لیے زندگی ضائع نہ کرو۔ مال کے پیچھے ساری زندگی نہ دوڑتے رہو۔ مکان اور کوٹھی بنانے کے لیے عمر ضائع نہ کر دو۔ یہ ضروریات زندگی ہیں۔ نصیب میں ہے تو ضرور کرو لیکن اصل مقصد رضائے باری حاصل کرنا ہے۔ اصل وجود وہ ایک ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اس میں لوگوں کی اہلیت کو دیکھتے ہوئے تبدیلی فرمائی (کہ یہ وحدت الوجود کو تو سمجھ نہیں رہے گمراہ ہو رہے ہیں) اس لیے اسے وحدت الشہود کہا جائے یعنی کہ ہر چیز اس واحد کے وجود کی گواہ ہے، شہادت دے رہی ہے اس کی قدرت کاملہ کی یعنی کم از کم لوگوں کو اس طرح سے سمجھ آ جائے کہ یہ باقی کائنات کے جتنے وجود ہیں، یہ گواہ ہیں اس کی عظمت اس کی خلقت اس کی قدرت کاملہ پر۔ لہٰذا اسے وحدت الوجود نہ کہا جائے بلکہ وحدت الشہود کہا جائے کچھ لوگ اس طرف مصر ہیں۔ کچھ لوگوں نے یہ اپنا لیا تو یوں دو مکتبہ فکر بن گئے وحدت الوجود اور وحدت الشہود۔

سوال: اللہ کے فضل و کرم سے حتیٰ الامکان کوشش ہے کہ اچھے اعمال میں وقت لگے لیکن بعض اوقات گندے خیالات جان نہیں چھوڑتے۔ ان گندے خیالات سے بچنے کا اکسیر نسخہ کیا ہے؟

جواب: صرف ایک، کہ آپ ان کو رائی برابر اہمیت نہ دیں۔ انشاء اللہ ختم ہو جائیں گے۔ ہوتا یہ ہے کہ شیطان وسوسے ڈالتا ہے۔ ہم اپنی کمزوری کے سبب ان کو سوچنا شروع کر دیتے ہیں۔ پھر وہ شیطانی وسوسہ نہیں رہتا۔ وہ ہمارا اپنا وہم یا خیال بن جاتا ہے۔ اگر اللہ ہمت دے اور آدمی اسے رد کر دے اس کی پرواہ نہ کرے۔ اگنور (Ignore) کر دے' صرف نظر کرے، یعنی اس کی طرف متوجہ نہ ہو اسے بھول جائے اس کی کوئی اہمیت اس کے دل میں نہ ہو تو وہ از خود ختم ہو جاتا ہے اور

یہی اس کا طریقہ ہے۔آپ لاحول پڑھنا شروع کردیں درود شریف پڑھنا شروع کردیں۔سب سے اچھا نسخہ درود شریف ہے پڑھتے رہیں۔

سوال: کیا دنیا سے باایمان برزخ میں منتقل کرنا شیخ کی ذمہ داری ہے؟اس پر روشنی ڈالیں؟

جواب: شیخ کی ذمہ داری اس حد تک ہے کہ وہ دیانتداری سے رہنمائی کرے۔تبلیغ بھی کرے' راستہ بھی بتائے اور پوری دیانت اور پوری قوت سے اپنی قلبی توجہ بھی طالبوں اور شاگردوں کی طرف متوجہ رکھے۔آگے ہر بندے کا ایک ذاتی معاملہ اللہ رب العزت کے ساتھ ہوتا ہے۔اگر خدا نخواستہ بندے کا معاملہ رب سے بگڑ جائے تو اسے شیخ تو کیا نبی ﷺ بھی نہیں بچا سکتے، شیخ کی تو حیثیت ہی کیا ہے۔انبیاء کے ساتھ جو لوگ تھے بچھڑ گئے۔اور نبیؑ کی تبلیغ نہ مانی حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے سامنے کفر پر لوگ مرے یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے رب سے بگاڑ لی تھی۔جو دل کی گہرائی سے فیصلہ کرتا ہے اللہ کی طرف جانے کا تو اللہ اسے کسی شیخ کے پاس پہنچاتا ہے۔اس فیصلے پر قائم رہے پھر کوئی خطرہ نہیں۔غلطی کا ہو جانا گناہ کا ہو جانا ممکن ہے۔گناہ کو اپنائے نہیں۔گناہ کو گناہ سمجھے توبہ کی کوشش کرے رجوع کی کوشش کرے' محنت کرتا رہے اللہ بڑا کریم ہے وہ محروم نہیں رکھتا۔

سوال: صوفیاء کرام ذکر الٰہی کرتے وقت لفظ ''اللہ ہو'' استعمال کرتے ہیں حالانکہ یہ الفاظ قرآن پاک میں کہیں نہیں۔قرآن پاک میں ایسے اللہ لا الہ الا ھو وغیرہ یا پھر اشارے کی ضمیریں آتی ہیں ''لہ ملک السموت والارض' قولہ میں ھو جو ہے اس کا اشارہ قبل کی طرف ہے سمجھ نہیں آتا کہ غلط پڑھنے سے یہ ذکر الٰہی کیسے بن جاتا ہے۔اگر ذاتی نام ہی صحیح نہ پڑھا جائے تو ذکر کا فائدہ؟ اگر اللہ والی ہا موقوف کردیں تو اللہ پڑھا جائے گا اور یہ درست ہوگا۔صرف ہو کو اللہ سے علیحدہ کریں تو اللہ رہ جائے گا الا اللہ رہ جاتا ہے اور اصل میں لا ہوگا جب قانون عائد کریں تو الا بنے گا جس کے معنی نفی کے ہیں تو یہ کیسے ذکر خدا ہوا۔

جواب: اللہ ھوا ایک جملہ بن جاتا ہے تام کہ وہی ہے اللہ۔ اللہ کے ساتھ جب ھو کی ضمیر جمع ہوتی ہے یہ ایک مکمل جملہ بن جاتا ہے کہ وہی اللہ ہے۔ اب اس کے بننے کے قاعدے میں آپ سادہ سادہ یہ سمجھ لیں کہ یہ ایک جملہ تام ہے، ایک مکمل جملہ، اللہ کے ساتھ ھو کی ضمیر لگا کر ھو کی ضمیر یہ فائدہ دیتی ہے کہ وہ ہے جس کا نام ہے اللہ۔

سوال: صاحب کشف ساتھی ویسے تو عام مشاہدات کر لیتے ہیں۔ کیا مراقبات میں کشف ہونا لازم ہے یا بغیر کشف مراقبات ہو جاتے ہیں۔

جواب: مراقبات کے لیے صاحب کشف ہونا کوئی ضروری نہیں۔ البتہ مراقبات کے لیے کیفیات کا ہونا ضروری ہے۔ جس مراقبے پر ہیں اس مراقبے کی خصوصیات جو ہیں وہ بقدرِ استعداد حاصل ہونی چاہئیں۔ مثلاً مراقبہ احدیت کی خصوصیت یہ ہے کہ بندے کو توحید باری پہ بہت اعلیٰ یقین حاصل ہو جاتا ہے اور غیر اللہ کے ساتھ اس کی امیدیں منقطع ہونا شروع ہو جاتی ہے اور اللہ پر اعتماد بڑھنا شروع ہو جاتا ہے۔ اگر چہ ایسا ایک دم نہیں ہوتا اور نہ ہر بندے میں تبدیلی ایک سی آتی ہے۔ ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں جو آن واحد میں بدل جاتے ہیں اور ایسے بھی ہیں جنھیں بدلنے میں کافی عرصہ درکار ہوتا ہے۔ لیکن یہ اس بندے کو خود اندازہ کرنا چاہیے کہ قاعدہ یہ ہے "**مسیخرجھم من الظلمت الی النور**" اللہ کی توحید پر اعتماد بحال ہو رہا ہے اور غیر اللہ سے امیدیں کم ہونا شروع ہو رہی ہیں۔ تو یہ احدیت کے مراقبے کی برکات ہیں جن کا وارد ہونا ضروری ہے۔ مشاہدہ کرا دے تو اللہ کی عطا ہے۔ اس کا انعام ہے۔ مشاہدہ نہ ہو تو اس کا ہونا ضروری نہیں کہ ایک وقت آتا ہے جب مشاہدہ مومن تو کیا کافر کو بھی ہو جاتا ہے۔ عندالموت نزع کے وقت فرشتے، آخرت، برزخ، ہر چیز نظر آتی ہے اور کسی کے مقامات ہوں تو اسے اپنے مقامات بھی نظر آئیں گے تو مشاہدہ تو ہونا ہے ایک وقت میں۔ تو وہ وقت جب آئے تو وہ مراقبات یا وہ مقامات اللہ کرے بندے کے پاس ہوں۔ اسی طرح معیت میں اللہ جل شانہ کے ساتھ کا احساس ہو جاتا ہے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ ایک سا ہی ہو۔ ساری عمر بڑھتا رہتا ہے۔ ترقی ہوتی رہتی ہے یا خدانخواستہ

کوتاہی ہو جائے تو اس میں کمی آنا شروع ہو جاتی ہے۔" چالیس سال گزارنے کے بعد میں یہ سمجھتا ہوں کہ کسی حد تک اب معیت باری کا احساس ہونا شروع ہوا ہے۔ اب یہ اللہ کی مرضی ہم یہ سمجھتے تھے کہ ہمیں پہلے دن سے ہے لیکن شاید اتنا فرق آتا چلا جاتا ہے کہ محسوس ہوتا ہے اب ہوا ہے۔ پہلے تھا ہی نہیں۔ ہر مراقبے کی کیفیات زندگی بھر ترقی کرتی رہتی ہیں۔ اسی طرح اقربیت پر قرب باری کا ایک شعور ہوتا ہے جو آپ کو نماز میں روزے میں عبادات میں مدد کرتا ہے حضورﷺ نے فرمایا کہ "ان تعبد اللہ کانک تراہ" پھر ان کیفیات میں اتنی قوت ہو کہ یہ ہماری عملی زندگی کو متاثر کر سکیں یہ چیز ضروری ہے۔ مشاہدہ ہو تو اللہ کی عطا ہے۔ اللہ کا انعام ہے اچھی بات ہے اور نہ ہو تو ماشاء اللہ۔

سوال: حضرت شاہ ولی اللہؒ نے لکھا ہے کہ میں نے قرآن مجید حضرت محمدﷺ سے پڑھا تو کیا ہر ولی حسب ضرورت دین کی رہنمائی حضور اکرمﷺ سے حاصل کر سکتا ہے؟

جواب: یقیناً کر سکتا ہے، لیکن کوئی ایسی نئی بات نہیں ہوتی جو آج ارشاد فرمائی جائے۔ نبی کریم ﷺ جب دنیا سے تشریف لے گئے تو وہ پورا مکمل دین عطا کر کے گئے۔ اب اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ ولی جو رہنمائی حاصل کرتے ہیں وہ کسی حکم کے دو تین چار پہلو جو ہوتے ہیں اس میں سے کونسا پہلو زیادہ مبارک ہے یا وقت کے لحاظ سے کون سا زیادہ مناسب ہے اس طرح کی رہنمائی حاصل کی جاتی ہے۔ کوئی نیا حکم نہ حضورﷺ ارشاد فرماتے ہیں نہ کوئی حاصل کر سکتا ہے اور نہ اس کی ضرورت باقی ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دنیا سے تشریف لے جانا جو ہے وہ تب ہوا جب دین کا ہر چھوٹا بڑا حکم آپ نے پہنچا دیا۔ "**الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا**" جب یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی تو سیدنا ابوبکر صدیقؓ رو رہے تھے، جبکہ صحابہؓ خوشیاں منا رہے تھے کہ دین مکمل ہو گیا۔ یہ میدان عرفات میں نازل ہوئی تو جب صحابہؓ مبارک دینے کے لیے ان کے خیمے میں گئے، دیکھا تو رو رہے ہیں تو فرمایا خوشی کا موقعہ ہے آپ رو رہے ہیں۔ فرمایا ہاں بہت خوشی کا موقعہ ہے کہ دین مکمل ہو گیا ہے لیکن یہ یاد رکھو کہ دین مکمل ہو گیا

ہے تو حضورﷺ کی دنیا میں رہنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اور پھر وہی ہوا اس کے بعد بیاسی یا تراسی دن حضورﷺ دار دنیا میں جلوہ افروز رہے اور پھر دنیا سے وہ پردہ فرما گئے تو کوئی نیا حکم نہ کسی صحابیؓ کو نہ کسی ولی کو نہ کسی صاحب کشف کو ملتا ہے۔ اس لیے کہ وہ سارا کچھ جو تھا وہ مکمل حضورﷺ نے پہنچا دیا۔

سوال: کئی بریلوی بزرگوں کا یہ دعویٰ ہے کہ ہم سلوک میں اس مقام پر ہیں تو کیا کسی مراقبے میں یا خواب میں حضور اکرمﷺ نے انھیں نہیں فرمایا کہ دین میں اپنی رائج کردہ بدعتیں ختم کر دیا ان کے دعویٰ غلط ہیں۔

جواب: یہ تو دعویٰ کرنے والے کی اپنی ذمہ داری ہے کہ وہ کیا کہتا ہے۔ لیکن بدعت کے ساتھ سلوک جمع نہیں ہو سکتا۔ اب یہ ضروری نہیں کہ دعویٰ کرنے والے کو واقعی خبر ہو کہ سلوک چیز کیا ہے۔ کسی کو یہ بتا دیا جاتا ہے کہ اتنی تسبیحات روزانہ پڑھنا، تمہارا فلاں مقام ہے اور اتنی تسبیحات پڑھنا تمہارا فلاں مقام ہے۔ اب وہ ساری عمر اسی میں رہتا ہے کہ یہ تسبیحات میں پڑھ لیتا ہوں مجھے وہ مقام حاصل ہے۔ بدعت اور سلوک دو چیزیں ایک جگہ جمع نہیں ہوتیں۔ سلوک اعلیٰ ترین برکات ہیں جو وراثت ہے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جبکہ بدعت قاطع ہوتی ہے سنت کی۔ ہر بدعت سنت کی عمارت گرا کر اس پر کھڑی کی جاتی ہے۔ وہاں جہاں کوئی بدعت شروع کی جاتی ہے وہاں سے سنت گرتی ہے تو بدعت آتی ہے ورنہ وہاں ایک مسنون طریقہ ہے ناں اس طریقے کو آپ چھوڑیں گے تو بدعت کو اختیار کریں گے۔ تو جب سنتیں گرا کر ان کی جگہ بدعات لائی جائیں تو ایسا آدمی صاحب سلوک، صاحب حال نہیں ہو سکتا یہ ممکن نہیں ہے۔ اب وہ الگ بات ہے کہ وہ کس بات کو سلوک سمجھ رہا ہے اسے بتانے والوں نے کیا بتایا ہے سلوک کے متعلق جو کچھ ہم آپ کو بتاتے ہیں اکثر کو اس کی خبر بھی نہیں ہوتی۔

سوال: تصوف کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ صاحب حال کو گناہگار آدمی کا پتہ چل جاتا ہے۔

کیا یہ بات درست ہے؟

جواب: نہیں ایسی بات نہیں کہ ہر گناہگار کا ہر وقت پتہ چل جاتا ہے۔ کسی کی اصلاح کے لیے اللہ کریم کسی کو کوئی اشارہ بتا دے تو وہ الگ بات ہے۔ وہ شروع سے ہوتا آیا ہے اور ہوتا رہے گا۔ لیکن ہر آدمی کا حال اللہ کے پاس ہوتا ہے اور وہ اپنے پاس ہی رکھتا ہے۔ ایک واقعہ موسیٰؑ کے بارے میں ہے کہ ان کے زمانے میں ایک دفعہ شدید قحط سالی ہوئی۔ لوگ مرنے لگے۔ تو دعا کی بارالٰہا بہت زیادہ قحط سالی ہے تو فرمایا تمہاری قوم میں ایک چغل خور ہے۔ اس کی اس چغلی کی جو ہے نحوست اس نے ساری قوم کو وبال میں مبتلا کر دیا۔ حضرت موسیٰ نے عرض کیا بارالٰہا ارشاد فرمایئے وہ بندہ کون ہے میں اسے کہوں توبہ کرے۔ اللہ کریم نے فرمایا تمہارا خیال ہے میں چغلی کھاؤں۔ اگر چغل خوری پر اتنی مصیبت نازل کر رہا ہوں تو میں کیا خود وہ کام کروں گا۔ ساری قوم کو کہو باہر نکل کر توبہ کرے ان میں وہ بھی آ جائے گا اور پھر وہ آگے لکھتے ہیں جب وہ باہر نکلے توبہ تائب کی دعا مانگنے کے لیے تو موسیٰؑ نے راستے سے لوٹا دیا کہ ایک مکڑی الٹی پڑی ہوئی ہے وہ بڑی آہ و تضرع سے دعا کر رہی ہے۔ اب تمہاری دعا سے اس کی دعا زیادہ موثر ہے۔ اب تم بارش سے بچنے کی کوشش کرو۔ تو یہ اس کا ایک اپنا نظام ہے وہ چغلیاں نہیں کھاتا کسی کی۔ کسی کا حال دوسرے کو نہیں بتاتا۔ ہر بندے کا حال اس کے اپنے ساتھ ہے۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ کسی کی اصلاح کے لیے کسی پر کسی وقت کچھ منکشف کر دے جو اس کے فائدے کے لیے ہو جائے تو یہ جزوی طور پر کچھ ہو جانا بطور کرامت منع نہیں ہے۔ ورنہ اس طرح نہیں ہوتا۔

سوال: اسلامی ریاست کے حصول کے لیے اس کی تگ و دو اس کی باگ ڈور سنبھالنا یہ سنت رسول ﷺ اور سنت خلفاء راشدین رضوان اللہ اجمعین ہے۔ پھر اقتدار اختیارات کا صحیح استعمال انسانیت کے لیے جتنا فائدہ مند ہے وہ بے دست و پا ہونے کی صورت میں ممکن نہیں۔ صوفیا اولیاء کرام اس راستے سے کیوں آج تک اجتناب کرتے رہے؟

جواب: اجتناب تو نہیں کرتے رہے۔ یہ بات درست نہیں۔ بہت سے صوفی بڑے معروف

امراء بھی گزرے ہیں بلکہ آپ کے اس برصغیر کے حکمرانوں میں اورنگ زیب عالمگیر بہت بڑے صوفی تھے۔ سلطان شمس الدین التمش بہت بڑے ولی اللہ تھے اس کے علاوہ اور لوگ بھی ہوں گے۔ کوئی ضروری نہیں کہ جن کے ہم نام جانتے ہیں وہی ہیں۔ سید احمد شہیدؒ بہت بڑے صوفی تھے۔ شاہ اسماعیل شہیدؒ بڑے صاحب حال بزرگ تھے۔ ان صوفیا نے میدان کارزار میں جانیں دیں اور جو میدان میں نہیں جاسکے وہ بھی ساری زندگی انسان سازی کرتے رہے پھر یہ بھی ہے کہ ہر بندہ ہر کام کیلئے نہیں ہوتا۔ ایک بندے میں استعداد ہی درس وتدریس کی ہے تو وہ صوفی بھی بن جائے گا تو صوفی مدرس ہی بنے گا وہ صوفی سپاہی نہیں بن جائے گا۔ ایک بندے میں صلاحیت ہے امارت کی تو وہ صوفی بن جائے گا تو صوفی ہو کر بھی وہ امارت کرے گا۔ ایک بندے میں جو فطری صلاحیتیں ہیں صوفی بننے سے اس کی اسی صلاحیت کو مزید تقویت ملتی ہے۔ جو صوفی میدان عمل میں نہیں جاسکے ان کے متعلق بھی آپ یہ انکار نہیں کر سکتے کہ ساری زندگی انھوں نے انسان سازی نہیں کی۔ بلکہ ان کے بنائے ہوئے انسانوں نے انقلاب بپا کر دیے۔ اب حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اقتدار تو نہ سنبھالا لیکن صاحب اقتدار کو توبہ کرا کے چھوڑی۔ وہ اس فیلڈ کے بندے تھے۔ وہ شائد تگ ودو کرنا چاہتے تو بادشاہ سے اقتدار بھی چھین لیتے لیکن وہ ان کے مزاج کے مطابق نہیں تھا ان کا مزاج یہ تھا کہ پورے برصغیر میں صرف اکیلا بندہ اڑ گیا اور بادشاہ کو بھی توبہ کرا کے چھوڑا۔ اب دین الٰہی اکبر کے زمانے سے آ رہا تھا اور بے شمار لوگ تھے بڑے بڑے علماء تھے کوئی نہیں روک سکا۔ تو یہ ہر بندے کی اپنی فطری جو صلاحیتیں ہیں، تصوف میں آ کر اس کی وہی صلاحیتیں زیادہ پالش ہو جاتی ہیں اور وہ اس شعبے کا بندہ بن جاتا ہے۔ تو صوفیوں نے یہ ضرور کیا کہ وہ انسان سازی کرتے رہے۔ انقلاب اسلامی کی بات کرتے رہے۔ اس تحریک کو انھوں نے زندہ رکھا اس کے لیے محنت کرتے رہے۔

سوال: دورانِ نماز درودِ ابراہیمی پڑھتے وقت اگر روضۂ اطہر ﷺ کا تصور کر لیا جائے تو شرعاً اس میں حرج تو نہ ہوگا؟

جواب: ایسا تصور کرنا درست نہیں ہے اور ہمارے سلسلے میں ویسے بھی تصور کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور عمداً تصور کرنا درست نہیں ہے۔ فطری طور پر درود شریف پڑھتے ہوئے جو خیال آتا ہے وہ مباح ہے لیکن ارادتاً تصور کرنا درست نہیں ہے۔

سوال: ''نور و بشر کی حقیقت'' کتابچہ میں آپ نے فرمایا ایک اللہ تعالیٰ کا ذاتی نور ہے اور دوسرا اللہ تعالیٰ نے نور پیدا کیا جس سے نورانی مخلوق پیدا فرمائی اور بنی نوع انسان میں بھی مراتب کے ساتھ نور ڈالا گیا ہے۔ آپ کے صحیح الفاظ یاد نہیں مطلب یہی ہے۔ برائے مہربانی وضاحت فرما دیجئے کہ درود تاج میں "نور من نور اللّٰہ" کے الفاظ جائز ہیں کہ نہیں؟

جواب: اگر یہی ایمان ہو کہ اللہ جل شانہ نے جو نور پیدا کیا ہے اس میں آپ ﷺ کی ذات سب سے اعلیٰ ہے تو یہ تو ہمارا ایمان ہے۔ "نور من نور اللّٰہ" سے مراد بھی یہی ہوتی ہے کہ اللہ کی طرف سے نور کی حیثیت سے آپ ﷺ کو پیدا کیا گیا اور کرۂ ارض پر جتنا نور جتنی روشنی ہے اس میں سب سے اعلیٰ نور اور سب سے اعلیٰ روشنی کائنات میں اللہ کے بعد حضور ﷺ کی ذات ہی ہے۔ لیکن اگر آپ ﷺ کی ذات کو ذاتِ باری کے ساتھ حصہ دار اور شریک بنا لیا جائے اور اللہ کی ذات کا حصہ قرار دیا جائے تو وہ شرک ہو جائے گا۔ اب یہ پڑھنے والے پر منحصر ہے کہ وہ اس سے کیا مراد لے رہا ہے۔

سوال: ذکر شروع کرنے سے پہلے مشائخ سے رابطہ کیا جاتا ہے' یہ کیسے ممکن ہو جبکہ کشف بھی نہ ہو؟

جواب: جسے کم از کم فنا فی الرسول ﷺ ہو جائے اگر ذکر کرنے سے پہلے وہ مشائخ کی طرف متوجہ ہو تو انھیں خبر ہو جاتی ہے کیونکہ شروع میں وہ قوت پرواز ہوتی ہے۔ لیکن توجہ کرنا ضروری بھی نہیں' جب بھی آپ ذکر کریں گے تو وہ رابطہ از خود ہو جاتا ہے۔

سوال: دربارِ نبوی ﷺ کی قربت کے لیے بلند منازل ضروری ہیں یا کم منازل کے باوجود یہ

نصیب ہوتی ہے؟

جواب: جب قربت نصیب ہوتی ہے تو منازل خود بلند ہو جاتے ہیں۔ اب کوئی کہے کہ کیا کشتی کرنے کے لیے صحت ضروری ہے۔ کشتی وہی کرے گا جس کی صحت اچھی ہوگی بیمار کیا کرے گا بھائی۔ جسے بارگاہ نبوی ﷺ کا بہت زیادہ قرب نصیب ہوگا اس کی منازل بلند نہیں ہوں گی تو کس کی ہوں گی۔ یہ قرب نبوی ﷺ کا یا بارگاہ نبوی ﷺ کا قرب جو ہے یہ منازل کی بلندی کا سبب تو بنتا ہے لیکن اس کے باوجود یہ ضروری نہیں کہ اسے مراقبات میں ترقی نصیب ہوگی۔ وہ معروف طریقے سے ہی ہوتی ہے۔ ہاں اس میں استعداد زیادہ بیدار ہو جاتی ہے۔ کسی دوسرے کو اگر سال بھر توجہ دی جائے تو پھر وہ جن منازل تک پہنچے' ایسے آدمی کو ایک توجہ دی جائے تو ان منازل تک چلا جاتا ہے۔ یہ فرق پڑتا ہے۔ لیکن راستہ معروف طریقے سے ہی طے ہوگا۔ الا ماشاءاللہ بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں صدیوں میں کوئی ایک آدھ بلکہ میرا خیال ہے یا شاید ہزار صدی بعد کوئی ایک آدھ آدمی ایسا ہو جس کی تربیت ہی دربار نبوی ﷺ سے کی جائے اور یہ لوگ آنے والے انقلاب کی فاؤنڈیشن اور بنیادی پتھر ہوا کرتے ہیں۔ لیکن یہ ہزاروں سال بعد کوئی ایک آدھ آدمی ایسا ہوتا ہے کہ جس کی تربیت ہی وہاں سے کی جائے۔ یہ بڑی عجیب سی بات ہے، میرے آپ کے سمجھنے سمجھانے کی نہیں۔ یہ وہی جانیں جنھیں نصیب ہوتی ہے۔ بہرحال دین اس رشتے کا نام ہے جو امتی کو حضور اکرم ﷺ سے نصیب ہوتا ہے۔ وہ رشتہ جتنا ستھرا' جتنا کھرا ہوگا اسی قدر اطاعت نصیب ہوگی۔ یوں اطاعت' ادب اور عقیدت یہ تین دھارے مل کر مومن کے ایمان کو سیراب کرتے ہیں اور ترقی درجات کا سبب بنتے ہیں۔ اللہ کریم سب کو نصیب فرمائے۔

سوال: پہلے جب آپ ذکر کراتے تھے تو اس وقت انوارات کی بارش میں سے بڑی میٹھی اور دھیمی خوشبو آتی تھی جبکہ اس دفعہ بڑی تیز اور چبھنے والی خوشبو آتی ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: یہ سب منازل میں ترقی کے باعث ہے۔ پہلے میں جس روحانی دائرے میں تھا، اس کے انوارات کی روشنی دودھیا چاندنی جیسی تھی۔ دائرے طے ہوتے رہتے ہیں۔ اب جس دائرے

میں ہوں وہاں انوارات کی حدت اور گرمی اتنی زیادہ ہے کہ مجھے جسمانی طور پر ہر وقت آگ کا احساس ہوتا ہے تو اس دائرے کے انوارات میں حدت کی وجہ سے خوشبو میں تبدیلی آئی ہے۔

سوال: کوئی ساتھی ذکر کرائے تو آپ مدظلہ نے کہا کہ اسے خیال کرنا چاہیے کہ اس کے انوارات دوسری طرف بھی جا رہے ہیں، اور اس میں یہ بات بھی شامل ہے کہ صاحب مجاز ہو کی ضرب دوسرے ساتھیوں پر لگائے۔

جواب: نہیں بات یوں تھی کہ ہر شخص صرف اپنے لطیفے پر ضرب لگائے گا۔ دوسروں پر ضرب لگانے کی ضرورت نہیں ہے میرے بھائی جو ذکر کراتا ہے وہ یہ خیال کر کے یا یہ نیت کر کے کرائے کہ جو انوارات میرے دل یا میرے لطائف پر آ رہے ہیں وہ ساتھ ذکر کرنے والوں تک بھی جانے چاہئیں تو وہ از خود من جانب اللہ پہنچتے رہیں گے۔

سوال: کیا ضروری ہے کہ صاحب منصب (قطب، ابدال وغیرہ) کو علم بھی ہو کہ اس کے پاس فلاں منصب ہے؟

جواب: یہ ضروری نہیں، ہاں مرنے کے فوراً بعد اس کو پتہ چل جائے گا کیونکہ صاحب منصب کے اعمال کی قدر و منزلت عام آدمی کے اعمال سے زیادہ ہوگی۔ دنیا میں رہتے ہوئے یہ قدرت کا نظام ہے کہ اس آدمی کے طفیل کچھ مقررہ کام خود بخود ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔

سوال: دیکھنے میں آیا ہے کہ خاص دنوں (عیدین اور دوسرے مذہبی تہوار) میں ملائکہ کی تعداد روئے زمین پر ایک دم بڑھ جاتی ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: یہ ٹھیک ہے۔ ملائکہ اس خاص دن کی نسبت سے اللہ تعالیٰ کی عنایات کو تقسیم کرنے آتے ہیں۔ یہ آگے انسانوں پر منحصر ہے کہ کوئی اپنی استعداد اور اعمال کے حساب سے کیا لیتا ہے۔

سوال: چند عرصے پہلے بندہ کو بڑے تیز مشاہدات تھے اب بالکل کچھ بھی نظر نہیں آتا، اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: شاید آپ نے شکایت کی ہوگی مشاہدات کی تیزی کی۔ اور اگر کچھ نظر نہیں آتا تو بہت اچھی بات ہے دیکھ کر کرنا بھی کیا ہے۔ پہلے پہلے دیکھنے کا شوق ہوتا ہے تو آپ کو تیز مشاہدات ملے، آپ نے دیکھ لیا تو اب بغیر دیکھے اللہ اللہ کرتے رہو۔ غرض تو قرب الٰہی کی ہے، مشاہدات کوئی مقصودی چیز تو ہیں نہیں۔ صوفیوں کے نزدیک مشاہدات کھلونے ہیں۔ **طلعها اطفال الطریقه** ان سے طریقت اور سلوک کے بچوں کو بہلایا جاتا ہے، کہ انھیں کچھ نظر آتا رہے اور یہ اللہ کا ذکر چھوڑ کر بھاگ نہ جائیں۔ مقصد تو یاد الٰہی اور اس کے نتیجے میں اللہ سے قلبی تعلق اور عملی زندگی میں اطاعت الٰہی کو لانا ہے۔ مشاہدات ہوں تو اللہ کا انعام ہے، نہ ہوں تو ماشاء اللہ۔

سوال: دارالعرفان میں بھی ہم سے نادانستہ طور پر اور کبھی دانستہ طور پر کوتاہیاں ہو جاتی ہیں، اس کا کیا تدارک ہے؟

جواب: یہی تو بندے کی شناخت ہے کہ یہ بندہ ہے' اگر بندے سے کوتاہی نہ ہو تو پھر فرشتہ ہوا بندہ تو نہ ہوا۔ اور ہمیں فرشتے تو اللہ نے بنایا نہیں۔ بات عملی کوتاہی کی نہیں ہوتی، بات اس خلوص کی ہوتی ہے جو اللہ کی اطاعت کے لیے پیدا ہوتا ہے اور اس پر بعض اوقات جب کوتاہی ہوتی ہے تو اتنا درد لگتا ہے کہ اتنا ثواب شاید نیکی کرنے سے نہ ملتا جتنا اس گناہ سے توبہ کرنے سے مل جاتا ہے۔ قرآن حکیم نے جو معیار دیا ہے وہ یہ ہے۔

لم یصرو اعلی مافعلوا۔ اگر اللہ کے بندوں سے کوتاہی یا غلطی ہو جائے تو اس کوتاہی کو پیشہ نہیں بناتے، اس پر عمل پیرا نہیں ہو جاتے بلکہ وہ انھیں کھٹکتی ہے، توبہ کرتے ہیں اللہ سے معافی چاہتے ہیں اور استغفار کرتے ہیں۔ جہاں تک غلطی ہو جانے کا تعلق ہے تو یہ تو انسانی خاصہ ہے۔ اس سے کوئی بھی بری نہیں ہو سکتا سوائے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے جو **معصوم عن الخطا** ہوتے ہیں ان کے علاوہ اور کوئی بھی معصوم نہیں ہے۔ کسی کو بہت بڑا کوئی منصب ملے تو اللہ کی

طرف سے محفوظ ہوسکتا ہے، معصوم کوئی نہیں۔ تو ذکر سے ایک حفاظت الٰہیہ نصیب ہو جاتی ہے، پھر بھی چھوٹی موٹی کوتاہیاں سستیاں یہ انسانی مزاج کا خاصہ ہیں اور انسان، انسان ہی رہتا ہے۔

سوال: دارالعرفان میں ایک ساتھی دورانِ ذکر شیخ کے قریب ذکر کر رہا ہے دوسرا دور بیٹھا ہے، لیکن وہ بھی محبت وشوق سے ذکر کر رہا ہے تو کیا یہ مادی فاصلہ حصول فیض میں کمی بیشی کا سبب بن سکتا ہے؟

جواب: ایک مجلس میں اس کا کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کوئی ساتھ بیٹھا ہے یا کوئی پچاس گز دور بیٹھا ہے۔ ایک عمارت کے اندر ایک وقت کے ذکر میں جسے خود شیخ کرا رہا ہو تو اس سے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن ایک شخص یہاں بیٹھ کر ذکر کر رہا ہے اور دوسرا دوسرے کسی شہر میں بیٹھ کر کسی اپنے ساتھی کے ساتھ یا خود اپنے طور پر کر رہا ہے تو اس تک جو برکات پہنچیں گی وہ یقیناً اس سے کم ہوں گی یہ تو فطری عمل ہے اس میں تو صوفیاء کا ایک قول ہے:

کہ سگ حضوری بہہ از ملک دوری

کتا اگر قریب بیٹھا ہو تو دور بیٹھنے والے فرشتے سے وہ بہتر رہتا ہے۔ یعنی دور بیٹھنے والا بہت اچھا بھی ہو اور پاس بیٹھنے والا اس سے کمزور بھی ہو تو وہ زیادہ گین (حاصل) کر جاتا ہے۔ لیکن اس دوری سے مراد یہ نہیں کہ ایک کمرے میں جہاں ذکر ہو رہا ہے وہاں کوئی دور بیٹھا ہو بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ علاقائی فاصلے یا مادی فاصلے جو ہیں مثلاً یہاں اگر کوئی ذکر کر رہا ہے تو جہاں تک یہ تسلسل چلا جائے گا وہاں تک ایک ہی شمار ہوگا آپ دوسری جگہ الگ سے ذکر کر رہے ہیں دوسرے گاؤں یا دوسرے شہر میں، دوسرے علاقے میں، یا دوسرے ملک میں تو برکات یا تجلیات یا انوارات جو ہیں وہ تو پوری دنیا پر پہنچتے رہیں گے لیکن جو ریفلیکشن یا انعکاس ملاقات سے ہوتا ہے اس کی اپنی قوت ہوتی ہے۔ لیکن یہاں آپ اس مجلس میں جو ذکر کرتے ہیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کون یہاں بیٹھا ہے اور کون وہاں بیٹھا ہے۔ جن ساتھیوں کو آگے مراقبات کرانے مقصود ہوں تو بجائے اس کے کہ آدمی پرلے سرے پر بیٹھا ہو اور اسے چلا چلا کر بتایا جائے یہ کرو وہ کرو تو

ایسے ساتھیوں کو قریب بٹھا لیا جاتا ہے تا کہ وہ آواز آرام سے سن سکیں ورنہ یہاں ایسا کوئی فرق نہیں پڑتا۔

سوال: ربط شیخ سے کیا مراد ہے؟

جواب: سالک کے دل میں جتنا شیخ کے ساتھ خلوص ہوتا ہے، اللہ کریم شیخ کے دل سے اتنے انوارات اس کے دل میں بغیر اسے پتہ چلے، انڈیل دیتا ہے۔ یہ ربط ازخود قائم رہتا ہے۔ شیخ عالم الغیب نہیں ہوتا۔ عالم الغیب وہ ہستی ہے جو یہ رابطے عطا کرتی ہے۔ آپ صرف سچی کھری طلب اور خلوص اپنی طرف سے پیش کر سکتے ہیں اور کچھ بھی نہیں۔ اب اس خلوص کو جانچنا کہ یہ کس پائے اور درجے کا ہے، اس کی سمجھ شیخ کو بھی نہیں ہوتی۔ البتہ شیخ ایک ذریعہ ضرور ہے چونکہ اس کے دل میں وہ نعمت موجود ہے جو سچی اور کھری طلب اور خلوص لے کر آنے والے کے دل میں انڈیلی جاتی ہے۔ نعمت دینے والا اللہ خود دیکھ رہا ہے۔ طلب جتنے خلوص سے پیدا ہوگی اتنے خلوص سے وہ متوجہ ہوگا اور اتنی اس تک پہنچا دے گا۔

حضرت اللہ یار خانؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں کئی دفعہ چاہتا ہوں کہ کسی شخص کو مراقبات ہو جائیں اور اسے سالوں تک نہیں ہوتے۔ جبکہ مجھے پتہ ہی نہیں ہوتا کسی شخص کا اور وہ پاس آ کر بیٹھتا ہے اور اسے مراقبات ہو جاتے ہیں۔ یہ عجیب بات ہے۔ یہ اللہ کا کام ہے وہ دلوں کے حال جانتا ہے۔ کسی کے دل کی کیفیت کیسی ہے اور کتنی دیر میں وہ کیا کچھ لوٹ لیتا ہے، یہ اس کا کام ہے۔

سوال: مجذوب کسے کہتے ہیں؟

جواب: جس پر جذب ہو اسے مجذوب کہتے ہیں۔ جذب ایک کیفیت کا نام ہے۔ جس میں ہوش سلامت نہیں رہتے۔ بعض مزاج طبعاً اور تخلیقی طور پر ایسے کمزور ہوتے ہیں کہ وہ تجلیات باری کی تپش کو برداشت نہیں کر سکتے۔ دوسرا بعض لوگ طبعاً تو مضبوط ہوتے ہیں لیکن ان کے شیخ میں اتنی اہلیت نہیں ہوتی کہ انھیں آگے چلائے۔ انھیں لطائف یا ایک دو مراقبات کروا کر چھوڑ دیا۔

اب آدمی اگر محنتی ہے اور اپنے لطائف یا مراقبات پر محنت کر رہا ہے اور کھڑا اسی مقام پر ہے تو یہ دونوں صورتیں ایسی ہیں جو آدمی کو پاگل کر دیتی ہیں۔ اس کے حواس مختل ہو جاتے ہیں۔ جب حواس ہی مختل ہو جائیں تو آدمی شریعت کا تو مکلف رہتا نہیں۔ اس کیفیت کو مجذوب ہونا کہتے ہیں۔ جذب میں ہونا کمال نہیں ہوتا، بلکہ یہ ایک نقص ہے جو کمزوری کی دلیل ہے، انبیاء کے بعد ہر شخص پر کوئی نہ کوئی لمحہ آ جاتا ہے جب وہ حالت جذب میں چلا جائے۔

پوری امت میں صرف حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی ایک ایسے شخص تھے جنھیں وصال نبی ﷺ کا حادثہ برداشت کرنے کی قوت ملی اور ان پر جذب نہیں آیا۔ حتیٰ کہ سیدنا فاروق اعظمؓ جو کہ مثالی انسان ہیں اور امت محمدیہ ﷺ میں واحد آدمی ہیں جو حضور ﷺ نے اللہ سے مانگ کر لیے کہ خدایا یہ بندہ مجھے دے دے (اور یہ انفرادی خصوصیت صرف آپؓ ہی کی ہے) انؓ پر بھی حضور ﷺ کے وصال کے وقت ایک لمحہ جذب کا آ گیا جب انھوں نے تلوار سونت لی کہ جس نے کہا کہ حضور ﷺ کا انتقال ہو گیا ہے، میں اس کا سر اڑا دوں گا۔ اس وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

اَفَائِن مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ

جب یہ آیت پڑھی تو صحابہؓ فرماتے ہیں کہ ایسے ہوش آیا اور ہمیں یوں لگا جیسے یہ آیت اب اتری ہے اور ہم نے پہلے پڑھی نہ ہو۔ ہر شخص پر اس طرح کا لمحاتی یا وقتی جذب آتا ہے۔ لیکن مستقل مجذوب ہو جانے سے حواس مختل ہو جاتے ہیں۔ لیکن ایسا شخص جو اللہ اللہ سیکھتے ہوئے نہیں، بلکہ کسی اور وجہ سے پاگل ہو گیا یا حواس مختل ہو گئے اس شخص کو مجذوب نہیں کہیں گے۔ مجذوب شخص چونکہ حواس مختل ہونے کی وجہ سے شریعت کا مکلف نہیں رہتا، اس لیے ایسا شخص کسی کو دینی فائدہ نہیں دے سکتا کیونکہ اسے تو اب اپنا ہوش نہیں فرض، سنت واجبات کا کیا ہوش ہو گا۔

سوال: مسئلہ حیات النبی ﷺ کے متعلق وضاحت فرمایئے؟

جواب: ''حیات برزخ'' میں مدلل طور پر حضرت اللہ یار خانؒ نے بیان کر دیا ہے کہ برزخ کی

زندگی کیا ہے اور اس کے شرعی دلائل کیا ہیں اور یہ حدیث سے کس طرح ثابت ہے۔ قرآنی آیات کا کیا مفہوم ہے۔ دوسری ایک کتاب خالص اس موضوع پر حضرت اللہ یار خانؒ نے "حیات انبیاء" کے نام سے تصنیف فرمائی تھی۔ جس میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زندگی وموت پر مدلل ارشادات ہیں۔ قرآن وحدیث کے حوالے میں متقدمین سلف صالحین سے لے کر اساتذہ دیوبند اور علمائے دیوبند تک کی آرا اس میں جمع کر دی گئیں ہیں ایک اور کتاب "حیات النبیؐ" پر ہے تو آپ لیجیے، مطالعہ کیجئے اور خود کو سیراب فرمایئے۔ اب چونکہ آپ نے لکھ دیا تو میں مختصراً ان آیات کے حوالے سے چند منٹ عرض کر دیتا ہوں کہ حیات النبیؐ کے انکار میں مندرجہ ذیل آیات قرآنی کا حوالہ دیتے ہیں۔ کل نفس ذائقة الموت' کل من علیه فان، کل شی مالک ان کا اطلاق نبی کریم ﷺ پر بھی کرتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ سمجھنا یہ چاہیے کہ موت شے کیا ہے۔ اگر تو موت کسی فنا کا نام ہے پھر تو ہر مرنے والا ختم ہو گیا بات ختم ہو گئی پھر تو برزخ کا سارا سلسلہ ہی جو ہے اس کا انکار ہو گیا۔ عذاب وثواب قبر سب کا انکار ہو گیا ہے مگر یہ ضروریات دین میں سے ہے ان بنیادی عقائد میں سے ہے جن پر دین کی عمارت استوار ہے اس کا انکار ممکن نہیں۔ سو قرآن حکیم میں کافر کی موت کا ذکر ملتا ہے کہ فرشتے بڑی اذیت سے اس کی روح قبض کرتے ہیں اس سے باتیں کرتے ہیں سوال جواب کرتے ہیں کہ کیا کرتے رہے؟ فی ماکنتم ...... فی الارض جی ہم تو غریب لوگ تھے جہاں ہمارے سردار کہتے چلتے رہے۔ وہ کہتے ہیں الم تکن ارض اللہ واسعة...... فیھا اللہ کی زمین وسیع تھی جہاں بدکار تھے یا برائی تھی کفر تھا مجبور تھے تو وہاں سے چھوڑ دیتے اب ساری دنیا چھوڑے جا رہے ہو اس وقت ایک شہر یا علاقہ یا ملک چھوڑنا پڑتا تو دین کے لیے چھوڑ دیتے جہاں نیکی ہوتی وہاں چلے جاتے۔ اس طرح کی باتیں ملتی ہیں پھر یہ بھی ملتا ہے کہ یضربون علیٰ وجوھھم و ادبارھم ان کے مونہوں پہ مارتے ہیں ان کی پیٹھوں پر مارتے ہیں اور اس طرح روح قبض کر کے لے جاتے ہیں۔ اب اس روح کے قبض ہو جانے کے بعد نہ وہ روح ختم ہو جاتی ہے اور نہ وجود کا تسلسل روح کے ساتھ ختم ہوتا ہے، بلکہ روح کا تعلق دوزخ کے عذاب کے ساتھ قائم کر دیا جاتا ہے۔ اب بدن گل سڑ کر اگرچہ مادے کی شکل میں چلا جاتا ہے۔

لیکن جو عذاب روح کو ہو رہا ہے اس کے اثرات ہر ذرے کو اس کے حصے کے مطابق پہنچتے رہتے ہیں۔ چاہے ان ذرات کو زمین پہ منتشر کر دیا جائے۔ رابطہ آپس میں ہر ذرے کا رہتا ہے اور جب قیامت قائم ہوگی تو وہی ہر ذرہ واپس آ کر ایک سلامت بدن ہو جائے گا جس طرح ابراہیمؑ نے سوال کیا تھا کہ بار الہا میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ قیامت کو وجود جو ہیں کس طرح پھر سے زندہ ہو جائیں گے تو فرمایا تمھیں اعتبار نہیں ہے۔ اولم یومن تمھیں یقین نہیں ہے قال بلی یہ یقین تو ہے۔ لیکن میں دیکھنا چاہتا ہوں، مشاہدہ کرنا چاہتا ہوں کہ اس کا طریقہ کار کیا ہے۔ کیسے ہوگا؟ فرمایا چار قسم کے پرندے لے لو اور انھیں اپنے ساتھ مانوس کر لو اس طرح کہ آپ کی آواز پر جب آپ بلائیں تو وہ دوڑے آئیں انھیں کچھ دن تک دانہ دنکا کھلا کر مانوس کر لو اور پھر کاٹ دو ذبح کر دو ان کے گوشت کو کچل دو۔ ان کے ریزے ریزے کر دو۔ خون، گوشت، ہڈیاں ہر چیز مسل کر رکھ دو مختلف پہاڑوں پر دور دور پھینک دو جتنا پھیلا سکتے ہو، پھیلا دو۔ ذرات دور دور پھینک کر پھر ایک ایک کو بلاؤ جس طرح زندوں کو بلاتے ہو "یاتینک سعیاً" ہر ذرہ بھاگتا ہوا آپ کے پاس آئے گا چنانچہ آپ نے (قرآن کریم میں موجود ہے، انھوں نے وہ ذرات منتشر کر کے پھینک دیے) جب پکارا تو کہیں سے کوئی ٹوٹے ہوئے پر کا کوئی ریزہ آ رہا ہے۔ کہیں سے کوئی خون کا قطرہ آ رہا ہے۔ کہیں ہڈی کا ریزہ آ رہا ہے۔ کہیں گوشت آ رہا ہے وہ ذرہ ذرہ جو تھا وہ ہر چیز سے الگ ہو کر ہر ایک کا آتا گیا جڑتا گیا اور وہ وجود زندہ ہو گیا۔ اسی طرح روز قیامت ہوگا۔ اس کا مطلب ہے کہ ہر ذرے کا رابطہ اپنی روح کے ساتھ رہتا ہے۔ جب وقت معین آئے گا وہ زندہ ہو جائے گا (یہ تو تھا کافر)۔ مومن کی بات اس سے الگ ہوتی ہے وہ اس طرح کہ جنت کے فرشتے آتے ہیں خوشبوئیں لاتے ہیں۔ معطر لباس لاتے ہیں اسے حوصلہ دیتے ہیں کہ گھبرانے کی کیا بات ہے۔ بھائی دنیا سے جا رہے ہو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ دنیا میں تم آزمائش میں تھے۔ اللہ نے تمھیں کامیاب کیا۔ تم اس سے بہتر جگہ جا رہے ہو اور دنیا میں بھی ہم اللہ کے فرشتے ہر وقت تمھارے ساتھ تھے اور موت میں ہم تمھارے پاس ہیں، برزخ میں بھی ہم تمھارے ساتھ ہوں گے۔ گھبرانے کی ایسی کوئی بات نہیں۔ تتنزل علیہم الملئکۃ...... کنتم توعدون. تمھیں تو

مبارک ہو بھائی جس کا وعدہ کیا تھا اللہ نے، اللہ کے حبیب ﷺ نے، اس جنت میں جا رہے ہو، گھبرانے کی کیا بات ہے۔ تو روحیں ہشاش بشاش، خوش وخرم جاتی ہیں اور اس روح کا رابطہ برزخ میں جنت کے ساتھ کرا دیا جاتا ہے تو جو انعامات، کیفیات اور انوارات روح پر وارد ہوتے ہیں وہ بدن خواہ کسی شکل میں بھی چلا جائے، کوئی جلا دے، کسی درندے کو کھلا دے، کسی پرندے کو کھلا دے، مٹی میں ملا دے، ہر ذرہ کسی نہ کسی صورت میں موجود رہتا ہے اور وہ کیفیات ہر ذرے تک پہنچتی رہتی ہیں۔ اب اس سے آگے بھی ایک موت ہے وہ ہے شہید کی۔ شہید کی وفات کو موت تصور کرنے سے اللہ نے منع کر دیا کہ ارضی موت کی طرح **ولا تحسبن**..... اموات جو اللہ کی راہ میں قتل ہوتے ہیں۔ اب لفظ قتلو اقتل کا اطلاق بدن پر ہوتا ہے۔ بدن کو چوٹ لگتی ہے کاٹا پھاڑا جاتا ہے۔ دفن ہو جاتا ہے۔ فرمایا انھیں مردہ گمان بھی نہ کرو یہ خیال ہی نہ کرو کہ یہ مر گیا ہے۔ "**احیاء عند ربھم یرزقون**" کھاتے پیتے ہیں زندہ ہیں۔ عند ربھم پر ایک دفعہ انہی احباب نے جو حیات النبی ﷺ کے قائل نہیں ہیں ایک مناظرے میں امین صاحب کے سامنے اعتراض کیا تھا کہ عند ربھم سے مراد ہے کہ وہ اللہ کے ہاں زندہ ہیں یہ نہیں کہ ان کی روحیں ویسے زندہ ہیں تو انھوں نے بڑا خوبصورت جواب دیا تھا کہ قرآن ارشاد فرماتا ہے کہ "**ان الدین عند اللہ الاسلام**" یہاں بھی لفظ عند اللہ استعمال ہوا ہے اگر آپ کے کہنے کے مطابق عند اللہ سے مراد یہ ہے کہ وہ صرف اللہ کے پاس ہیں دنیا کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں تو پھر ان الدین عند اللہ الاسلام کا مطلب ہے کہ اسلام صرف اللہ کے پاس رہے گا دنیا میں تو نہیں ہوگا لہٰذا آپ کی منطق صحیح نہیں ہے۔ عند اللہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ کی دی ہوئی قوت سے' اللہ کے کرم سے' اللہ کی عطا سے۔ اس بارے میں آیات موجود ہیں کہ یہ تمہاری سمجھ سے بات بالاتر ہے کہ کوئی مر کر بھی زندہ ہے اور اس نے موت کو شکست دے دی۔ اب شہداء کی زندگی کی اللہ کریم نے جو خبر دی ہے اس کا اثر ان کے وجودوں پر یہ مرتب ہوا کہ ان کے بدن اس طرح رہے جس طرح زندہ آدمی کا بدن ہوتا ہے یعنی بدن کے ساتھ روح کا رابطہ اتنا مضبوط رہا کہ وہ بدن تر و تازہ تھے۔ اب شہداء احد کے بدن چالیس سال بعد نکالے گئے اور دوسری جگہ منتقل کیے گئے تو وہ بالکل تر و تازہ تھے۔ اسی طرح ترکی میں دو

صحابہؓ کے بدن غالباً انیس سو کچھ میں نکالے گئے وہاں دریا کا پانی آ گیا تو انھوں نے سلطان کو خواب میں آ کر حکم دیا (مشہور واقعہ بے شمار رسائل میں ہے پچھلے دنوں بھی کسی ڈائجسٹ نے اسے دوبارہ ری پرنٹ کیا ہوا تھا) کہ دریا کا پانی ہمیں پریشان کر رہا ہے آپ ہماری جگہ دریا سے ذرا دور کر دیجئے۔ ہماری قبریں کھول کر وہاں بنوا دیجئے تو حاکم نے اعلان کر دیا کہ قبریں کھولی جائیں گی۔ بہت سے مبصرین سرکاری طور پر اس میں شریک ہوئے۔ جب قبریں کھولی گئیں وہ تر و تازہ تھے۔ ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے پل بھر کے لیے آنکھ جھپک گئی اور ابھی سو گئے ہیں، بلکہ اس میں انھوں نے یہ تفصیل دی تھی کہ ایک صحابیؓ کی آنکھیں کھلی تھیں اور ان میں اتنی روشنی تھی کہ کوئی تاب نہیں لا سکتا تھا۔ یوں نظر آتا تھا جیسے ان کی نگاہ جگر پھاڑ دے گی اور بے شمار غیر مسلم جو تھے وہاں وہ وہیں مسلمان ہو گئے سلطان کے حکم سے وہ مزارات تبدیل کر دیے گئے۔ 1978ء میں مسجد نبویﷺ کا وہ حصہ جس طرف حضورﷺ کے والد ماجد کی قبر تھی، بڑھایا گیا تو حضورﷺ کے والد گرامی کا جسد اطہر نکالا گیا جو تر و تازہ تھا۔ 1987ء میں حضرت عکاشہؓ (مشہور صحابیؓ تھے جنھوں نے مہر نبوت چومی تھی) کا جسد اطہر نکالا گیا وہ زمین اونچی تھی مسجد نبویﷺ شریف کا لیول کم تھا تو وہ ساری کھدائی کر کے برابر کی گئی تو وہ وجود نکالے گئے جو اس کھدائی کی زد میں آ گئے تو تین چار صحابہؓ کے وجود اور بھی نکلے جن کے بارے معلوم نہیں تھا کہ کون کون صاحب ہیں۔ وہ سارے وجود تر و تازہ تھے۔ جنھیں پھر جنت البقیع میں منتقل کیا گیا۔ تو شہید کی روح کا جو تعلق بدن کے ساتھ ہے وہ اس کے مظہر تھے کہ زندگی میں روح کے تعلق کی وجہ سے بدن تر و تازہ رہتا ہے اور روح کا تعلق ختم ہو جائے تو گلنے سڑنے لگتا ہے۔ لیکن شہداء کا تعلق اتنا مضبوط ہوتا ہے کہ ان کے وجود زندگی کی طرح تر و تازہ رہتے ہیں۔ اب بات آ گئی انبیاء کی، تو انبیاء کی بات کو کسی حد تک شہداء سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ جن کی غلامی میں مرنے والوں کا یہ مقام ہے تو ان کا اپنا مقام کیا ہوگا اور اس پر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اگر کوئی سمجھنا چاہے تو اپنی دیانتداری سے خود سوچے کہ آپ کی شان کیا ہوگی۔ جہاں تک عطاء حق کا تعلق ہے تو مولانا تھانویؒ نے فرمایا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موت صرف اس قدر ہے کہ روح اطہر یا وجود اطہر کا جو تعلق دنیاوی زندگی کے ساتھ تھا وہ منقطع کر کے برزخ کے

موسموں کے ساتھ،اوراس دنیا کے ساتھ منتقل کردیا گیا۔بالکل جس طرح ایک لیمپ پر فانوس رکھ دیا جائے۔ورنہ نبی ﷺ کی حیات اب بھی ویسے ہی روشن ہے جس طرح دنیا میں تھی۔روضہ اطہر پہ آج بھی وہی ادب ہے جو حیات دنیاوی میں ادب تھا لیکن یہ حق ہے کہ حضور ﷺ پر موت وارد ہوئی اور حضور ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے۔حضور ﷺ کو روضۂ اطہر میں دفن کیا گیا لیکن یہ موت زندگی کو مانع نہیں ہے۔اس موت کا مطلب فناء نہیں ہے۔یہ موت عام موت کی طرح نہیں ہے۔ یہ موت شہیدوں،صدیقوں،انبیاء سے بھی مختلف ہے۔محمد رسول اللہ ﷺ کی اپنی شان ہے۔باقی سب کی اپنی شان اور سارے انبیاء کی موت جو ہے وہ حیات کو مانع نہیں ہوتی۔جب شہید کی موت حیات کو مانع نہیں ہے تو نبی کی کیسے مانع ہو سکتی ہے؟اور جب سرورانبیاءؑ کی بات ہو وہ بات ہی اور ہے۔بشری کمزوری ہے کہ جو خود کو کسی اعلیٰ مقام پر نہیں لے جاسکتے،جنھیں نصیب ہے انھیں بھی نیچے لانے کی کوشش کرتے ہیں کہ سب ایک ہی جیسے ہیں۔ارے بھائی سب ایک جیسے کہاں۔ جہان کے اندر جہان ہے۔وجود کے اندر وجود ہیں۔زندگی کے اندر زندگی ہے۔ہر بدن میں ارب ہا قسم کے جراثیم بستے ہیں۔کتنے شہر کتنے قریے،کتنی آبادیاں ہیں ہر وجود کے اندر،ایک قطرۂ خون کے اندر،لاکھوں کروڑوں جرمز ہیں وہ پیدا ہوتے ہیں وہ پلتے بڑھتے ہیں وہ مرجاتے ہیں آپ کو خبر ہی نہیں ہوتی کون مرا کون پیدا ہوا۔کہاں سے آیا۔جب اپنے بدن کے اندر کتنی کائناتیں ہیں جن کی ہمیں خبر نہیں ہوتی تو اس کائنات کی وسعت میں ہم ان باتوں کو کہاں تلاش کرتے پھریں۔ میرے بھائی حق یہ ہے کہ موت فنا کا نام نہیں ہے۔زندگی کا ایک دوسرا رخ ہے۔عالم ارواح میں ارواح پیدا فرماتے ہوئے قادرِ مطلق نے ہر روح کے لیے جو بدن بنایا ہے ازل سے اس کے ذرات مقرر کردیے۔ہر شکم مادر میں وہی ذرہ اس وجود کے لیے جمع ہوتا ہے جو اس قادر مطلق نے مقرر کردیا ہے۔کوئی اتفاقی یا حادثاتی طور پر نہیں آتا۔ان ذرات میں جب روح پھونکی جاتی ہے تو دنیا کی زندگی میں مکلف بالذات بدن ہوتا ہے۔روح اس کے تابع ہوتی ہے۔نہ ہمیں کبھی روح نظر آئی نہ ہم نے دیکھی۔نہ اس کی گرمی سردی سے ہم واقف لیکن وہ بدن کے افعال سے متاثر ہوتی رہتی ہے۔بدن نیکیاں کرتا ہے روح منور ہوتی ہے۔بدن برائیاں کرتا ہے روح سیاہ ہوتی

ہے۔ موت یہ تبدیلی پیدا کرتی ہے کہ مکلف بالذات روح ہو جاتی ہے اور بدن اس کے تابع ہو جاتا ہے۔ یہ قانون ہے عام آدمی کے لیے۔ عام آدمی کی موت بھی فنا ہونا نہیں ہے بلکہ تبدیلی یہ ہوتی ہے کہ دنیا میں جس طرح گرمی سردی، نیکی بدی، براہ راست بدن کو متاثر کرتی تھی، روح اس کے تابع تھی۔ برزخ میں براہ راست روح متاثر ہوتی ہے، بدن اس کے تابع ہو جاتا ہے۔ جب حشر قائم ہوگا تو تیسری تبدیلی آئے گی اور وہ یہ کہ بدن اور روح دونوں برابر کے مکلف ہو جائیں گے۔ جہاں تک بات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ہے ان کا مقام ان باتوں سے بلند ہے۔ ان کی زندگی انکی زندگی ہے۔ ان کی موت ان کی موت ہے۔ اسے ہم اپنی موت پر یا عام موت پر یا لفظ موت کے اشتراک سے قیاس کرنے لگیں تو پھر تو قرآن میں آتا ہے۔ "ید اللّٰہ فوق ایدیھم" انسانوں کے ہاتھوں کو بھی ید کہہ دیا اور اللہ کے دست قدرت کو بھی ید کہہ دیا۔ اب لفظی شراکت سے اللہ کا ہاتھ اور انسانوں کا ہاتھ برابر نہیں۔ اللہ کے لیے جب آپ ید استعمال کریں گے اس کی شان کے مطابق ہوگا جو اسے سزاوار ہے اور عام آدمی کے لیے کریں گے تو مراد عام ہمارا یہ ہاتھ ہوگا، جبکہ اس کیلئے اس کا دست قدرت ہوگا۔ اسی طرح جب موت کی بات آپ میرے لیے کریں گے تو اس کا معنی میری حیثیت کے مطابق ہوگا۔ جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بات ہوگی، تو ان کی شان کے مطابق ہوگا۔ اگر مدارج یا مراتب کا کوئی احساس نہ رکھے گا تو زندیق ہو جائے گا۔

سوال: چند باتوں کے بارے میں میرے ذہن میں ابہام پایا جاتا ہے عام علماء بھی تسلی بخش جواب نہیں دے پاتے اگر مناسب سمجھیں تو علیین، سجین، بیت المعمور، سدرۃ المنتہیٰ، عالم حیرت اور عالم لامکان کے بارے میں کچھ تفصیل بیان فرمائیں۔

جواب: بھائی گذارش یہ ہے کہ یہ سارے وہ امور ہیں جن پر ہمارا اجمالی ایمان ہے کہ یہ درست ہیں اور حق ہیں۔ اس لیے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی خبر دی ہے۔ اسی طرح جنت و دوزخ حق ہے، عذاب وثواب حق ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی خبر دی ہے۔ اب ان سب کی ساری تفصیلات ان کے متعلق ایسا علم جو دیکھنے سے حاصل ہوگا یا وہاں جا کر جب سامنے

چیزیں آئیں گی تو جو علم حاصل ہوگا وہ آج تو کسی طرح نہیں ہوسکتا تو ان کے بارے میں ہم مکلّف بھی اتنے ہی ہیں کہ انھیں حق سمجھیں۔ نبی ﷺ نے جس بات کی، جس شے کی، جس مقام کی، جس حالت کی خبر دی ہے، اگر اس کا انکار کیا جائے تو وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انکار بنتا ہے اور آدمی اسلام سے محروم ہو جاتا ہے۔ تفصیل ان باتوں کی جاننا ضروری ہے جن کا ہم سے حساب ہوگا جیسے حلال حرام، جائز و ناجائز، روزمرہ کے کام جو ہم کرتے ہیں کہ ان پر جانے بغیر عمل ممکن نہیں یا تو آدمی خود عالم ہو۔ عالم نہ ہو تو کسی عالم کے ساتھ متعلق ہو جس سے پوچھ کر کام کر سکے۔ یہ دو صورتیں ہیں۔ فرائض کا جاننا فرض ہے، واجبات کا جاننا واجب ہے، سنن کا جاننا سنت اور مستحب کا جاننا مستحب ہے۔ جہاں تک ان مقامات کے بارے قرآن حکیم نے خبر دی ہے اور اس کی تفصیل نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات میں ملتی ہے وہ یہ ہے کہ علیین اور سجین دو ایسے مقام ہیں جہاں دنیا سے جانے کے بعد اور قیامت قائم ہونے سے پہلے ارواح کا ٹھکانا ہے۔ علیین ان ارواح کا ٹھکانا ہے جو ایماندار ہیں، جو نجات یافتہ ہیں اور جو اللہ کے مقرب ہیں۔ تو درجہ بدرجہ علیین میں بھی اسی طرح درجے ہیں۔ علمائے تفسیر کے نزدیک سطح زمین سے بالا علیین شروع ہو جاتا ہے ساتویں آسمان تک اور سطح زمین سے نیچے زمین کی ساتویں تہہ تک سجین چلا جاتا ہے۔ ارواح کا ٹھکانہ بعد الموت علیین یا سجین میں ہوتا ہے لیکن یہ یاد رہے کہ بدن میں داخل ہونے کے بعد بدن کا اور روح کا جو تعلق ہے وہ کبھی نہیں ٹوٹتا۔ دنیا میں مکلّف بالذات بدن ہوتا ہے سامنے بدن ہوتا ہے گرمی سردی دوستی دشمنی، خوشی غم بدن کو نصیب ہوتا ہے اور اس کے حوالے سے روح بھی تڑپتی ہے۔ اس کی تڑپ نہ کوئی دیکھتا ہے نہ کوئی سنتا ہے۔ موت زندگی کے خاتمے کا نام نہیں موت صورت حال کی تبدیلی کا نام ہے۔ جب عالم عمل سے وقت ختم ہو جاتا ہے تو بدن سے وہ قوت جو اس دنیا میں کام کرنے کے لیے تھی سلب ہو جاتی ہے پھر روح علیین یا سجین میں ہوتی ہے جہاں اس کا ٹھکانہ ہے۔ لیکن اس کا رشتہ بدن کے ہر ذرہ کے ساتھ بدستور موجود رہتا ہے۔ گرمی، سردی، عذاب، ثواب، براہ راست روح پر وارد ہوتا ہے اور اگر لذت روح کو نصیب ہو تو بدن کے ذرات خواہ دنیا میں کہیں منتشر ہو جائیں انھیں وہ لذت نصیب ہوتی ہے۔ اگر کوفت یا

عذاب روح کو ہو تو بدن کا ہر ذرہ اس میں سے اپنا حصہ وصول کرتا ہے، خواہ وہ کسی جانور کا جزو بدن بن چکا ہو یا مادے کی کوئی بھی صورت بن چکا ہو، جل گیا ہو، غرق ہو گیا ہو، قبر میں ہو یا خاک میں مل کر منتشر ہو گیا ہو۔ روح کا یہ جو تعلق ہے ہر بدن سے مختلف ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ کسی کو شہادت نصیب ہو جائے تو اس کی روح کا تعلق بدن سے ایسے ہوتا ہے کہ بدن صدیوں خراب نہیں ہوتا جس طرح زندگی میں تر و تازہ رہا اسی طرح تر و تازہ رہتا ہے۔ 1970ء کی دہائی میں مسجد نبوی ﷺ کی توسیع کے وقت تین صحابہ کرام کے بدن مبارک نکال کر جنت البقیع میں دفن کیے گئے جو چودہ سو سال بعد بھی ویسے تر و تازہ تھے، جیسے کہ جس دن دفن کیے گئے تھے۔ کوئی اثر موت کا بدن پر نہیں تھا کوئی شکستگی بو باس کوئی فرسودگی نہیں تھی۔ تو شہید کی روح کا تعلق اتنا مضبوطی سے ہوتا ہے کہ علیین میں رہتے ہوئے بھی بدن میں روح کا اتنا اثر و نفوذ ہوتا ہے جس طرح زندگی میں تھا۔ سب سے اعلیٰ تعلق انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ہوتا ہے کہ ان کی روح کو علیین کے مقام سے بھی معزز ٹھکانہ ان کا وجود اطہر ہوتا ہے۔ روح کے لیے یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ وہ علیین میں کیسے اور بدن میں کیسے ہے۔ روح ایک شے لطیف ہے اور جو چیز جتنی لطیف ہوتی ہے اتنی اس میں وسعت بھی ہوتی ہے۔ بیک وقت اس کا پھیلاؤ اتنا ہوتا ہے کہ کہاں کہاں پہنچ سکتی ہے۔ جس طرح سورج کی روشنی ایک لطیف شے ہے۔ کھربوں میل کا فاصلہ ہے لیکن سورج کے طلوع ہوتے ہی پل بھر میں کرن زمین پر پہنچ جاتی ہے۔ یہ اس کی طاقت ہے کہ وہ اتنی دوری کو بغیر کسی وقت کے طے کر لیتی ہے۔ روح اس سے لطیف تر شے ہے۔

بیت المعمور بیت اللہ شریف کے اوپر ساتویں آسمان پر بیت اللہ ہے جسے بیت المعمور کہا گیا۔ یعنی بیت اللہ شریف جو ہے یہ وہ نقطہ ہے جس سے ساری زمین پھیلائی گئی اور یہ مرکز ہے روحانی اعتبار سے بھی اور مادی اعتبار سے بھی کرہ ارض کا۔ عین اسی کے اوپر ایک کعبہ پہلے آسمان پر ہے جس کا طواف فرشتے کرتے ہیں اور اسی کے عین سیدھ میں ساتویں آسمان پر ایک کعبہ ہے جسے بیت المعمور کہتے ہیں۔ سدرۃ المنتہیٰ وہ مقام ہے جسے عالم عمل یا عالم دنیا کے لیے سیکرٹریٹ کی حیثیت حاصل ہے۔ جس طرح کسی بھی ملک یا حکومت کا سیکرٹریٹ ہوتا ہے (ہمارا اسلام آباد

سیکرٹریٹ ہے پورے ملک کو کنٹرول کرتا ہے) اسی طرح سدرۃ المنتہیٰ پر دفتر ہے مختلف شعبوں کے ملائکہ کا۔ جن کے پاس احکام پہنچتے ہیں اور جو جو ذمہ داری جن بھی فرشتوں کی ہے اسے آگے پہنچاتے ہیں۔ یہ وہ مقام ہے جہاں تک فرشتوں کی رسائی ہے۔اس سے آگے فرشتوں کی رسائی نہیں ہے۔ جبرائیل امین فرشتوں کے امیر ہیں۔قرآن نے انھیں مطاع کہا ہے، سردار ہیں سارے فرشتوں کے، شب معراج سدرۃ المنتہیٰ تک آپ ﷺ کے ہم رکاب رہے اور وہاں پہنچ کر معذرت کرلی آگے جانے سے۔جس انداز میں انھوں نے معذرت کی مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ انھوں نے عرض کیا کہ اگر یک

سر موئے برتر پرم
فروغ تجلی بسوزد پرم

میں اس سے آگے اگر سر مو بھی بڑھوں تو تجلیات باری میرے پروں کو جلا کر راکھ کر دے گی میری اس سے آگے جرأت نہیں ہے یہاں تک میری رسائی ہے۔عالم خلق اس سے آگے چلتا رہتا ہے۔بعض وہ ملائکہ جن کا تعلق عالم دنیا سے نہیں ہے بلکہ ان کی ذمہ داری عرش الٰہی سے ہے وہیں ان کی خدمات ہیں۔اس سے آگے عرش الٰہی شروع ہوتا ہے اور وہاں وہ ملائکہ ہو سکتے ہیں جن کی ذمہ داری ہی وہیں ہے، جن کا نیچے سے کوئی تعلق نہیں۔لیکن جب عرش کے دائرے ختم ہو جاتے ہیں یا عرش الٰہی ختم ہو جاتا ہے۔

آنکہ آمد نو فلک معراج او
انبیاء و اولیاء محتاج او

عرش کے بارے علمائے تحقیق کی رائے ہے کہ نو عرش ہیں، نو حصے ہیں اس کے یا نو طبقے ہیں۔ جہاں نویں عرش کی انتہا ہوتی ہے اس سے آگے جو کچھ ہے اسے لامکان کہتے ہیں یا عالم حیرت کہتے ہیں اس لیے کہ اس سے اوپر مخلوق کی رسائی نہیں ہے اس کے بارے مخلوق کے پاس سوائے حیرت کے کچھ نہیں ہے کسی مقام کا نام نہیں رکھا جا سکتا کسی مقام کا کوئی تعین نہیں کیا جا سکتا اس لیے اسے لامکان یا عالم حیرت کہہ دیا جاتا ہے۔میرے خیال میں اتنی معلومات بہت ہیں اس کے بارے یہ

اللہ کریم کا احسان ہے بنی آدم پر کہ بنی آدم کو نور نبوت سے نوازا گیا اور نبوت وہ درجہ قرب ہے جو دوسری کسی مخلوق کو حاصل نہیں ہے۔ برکات نبوت اور فیوضات نبوت اگر نصیب ہوں تو یہ عالم عرش ہوں یا عالم حیرت یہ سارے انسانی روح کی رسائی کی زد میں ہیں۔ یہ عظمت ہے برکات نبوت کی باتباع نبوت، باتباع رسالت، باتباع محمد رسول اللہ ﷺ۔ روح انسانی ان منازل پر پہنچ سکتی ہے وہاں جاسکتی ہے اللہ کریم چاہیں تو مشاہدہ بھی کرادیتے ہیں۔ زیادہ تفصیلات کا جسے شوق ہو وہ ہمت کرے محنت کرے اور جا کر دیکھے چونکہ جو چیزیں مشاہدے سے علم میں آتی ہیں، وہ بتانے والا بتا نہیں سکتا۔ بتاتا رہے تو سمجھ نہیں آتی۔ سمجھ نہ آئے تو پھر ماننے کو جی نہیں چاہتا تو اس سے زیادہ تفصیل جسے چاہیے وہ محنت کرے اللہ سے دعا کرے ہم بھی دعا کریں گے کوشش بھی کریں گے اللہ کرے وہاں جائے پہنچے اور دیکھے۔

سوال: زندہ اولیاء کرام کے مناصب جیسے غوث، قطب، قیوم، کیوں پردہ راز میں رکھے جاتے ہیں اور پس وفات کیوں Discloe کیے جاتے ہیں؟

جواب: میرے خیال میں تو ایسی کوئی بات نہیں ہے کہ وہ ان کی زندگی میں پردہ راز میں رکھے جاتے اور ان کی وفات کے بعد Disclose کیے جاتے ہیں۔ اولیاء اللہ کو جو مناصب عطا ہوتے ہیں من جانب اللہ یہ ایک نظام ہے رب العالمین کا۔ جس طرح دنیا میں بعض مادے کی اقسام کے ساتھ بعض خصوصیات وابستہ ہیں۔ آپ مٹی میں بیج ڈالتے ہیں وہ اگتا ہے لیکن اسی مٹی میں آپ تھوڑی سی کھاد ڈال دیتے ہیں تو وہ اور کئی گنا بڑھ کر اگتا ہے۔ اگر آپ اسے پانی دینے کا اہتمام کر دیتے ہیں تو اس میں اور زیادتی ہو جاتی ہے اب پانی میں ایک الگ قسم کی برکت ہے کھاد میں ایک الگ قسم کی برکت ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ اس کھاد کو بھی اس بات کا پتہ ہو کر میرے وجود میں یہ برکت ہے، بلکہ جہاں وہ کھاد پہنچے گی وہاں اگر پہلے ایک دانے سے ایسا بوٹا اگا جس میں سو دانے بن گئے ہیں تو شائد اب وہ ایک ہزار بن جائیں۔ جس طرح مادی دنیا کا یہ نظام ہے اسی طرح روحانی دنیا میں بھی بعض ذرات کو اللہ کریم وہ خصوصیات دے دیتے ہیں کہ ان کے طفیل یا ان کے

تعلق کی نسبت سے بے پناہ برکات پہنچتی ہیں۔اب وہ کیسے دیتے ہیں یہ جاننا ضروری نہیں۔ نبی کا اتباع فرض ہوتا ہے۔ نبی کا اعلان ہوتا اور نبی کا جاننا ضروری ہے جبکہ ولی مطاع نہیں ہوتا بلکہ ولی خود بھی مطیع ہوتا ہے سنت نبوی ﷺ کا اور اس کی برکات یہ ہوتی ہیں کہ ان کی وجہ سے دوسرے لوگوں کو اتباع سنت کی توفیق ارزاں ہوتی ہے۔اس لیے کسی ولی کی ولایت کا یا اس کے منصب کا اعلان نہ اس کی زندگی میں کیا جاتا ہے اور نہ اس کے مرنے کے بعد کوئی من جانب اللہ اعلان ہوتا ہے، یہ جو لوگ اعلان کرتے ہیں یا ہم سمجھتے ہیں یہ ہمارا اپنا حسن ظن ہوتا ہے اس پر کوئی سند نہیں ہے اگر کوئی صاحب کشف سمجھ لیتا ہے یا جان لیتا ہے تو صاحب کشف کا کشف اگر شرعی حدود کے اندر ہوتو وہ خود اس کے ماننے کا مکلف ہے دوسرا کوئی فرد کسی دوسرے کے کشف کو ماننے کا مکلف نہیں ہے۔تو ایسی کوئی بات نہیں کہ ان کی زندگی میں پردہ راز میں رکھا جاتا ہے اور مرنے کے بعد Discolse کیا جاتا ہے۔بات یہ ہے کہ بعض لوگوں پر اللہ کا خاص کرم ہو جاتا ہے انھیں ولایت خاصہ نصیب ہو جاتی ہے، پھر وہ اس مقام قرب کو پا لیتے ہیں جہاں سینکڑوں، ہزاروں لوگوں کی بہتری یا فلاح ان سے وابستہ ہو جاتی ہے اور وہ بمنزلہ باران رحمت کے ہو جاتے ہیں۔اب اس میں خود ان کا جاننا یا واقف ہونا بھی ضروری نہیں۔جس طرح سورج کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہ جانتا ہو کہ اس کی ایک ایک کرن سے زمین پر کیا کیا تبدیلی آتی ہے اس کے جانے بغیر وہ سارا نظام چلتا رہتا ہے اسی طرح اہل اللہ کے لیے ضروری نہیں کہ وہ عالم الغیب ہوں یا وہ سب کچھ جانتے ہوں۔من جانب اللہ ان کے ساتھ برکات وابستہ کر دی جاتی ہیں، اسی طرح اہل علم کے ہاں، کتابوں میں، تفاسیر میں حضرت خضرؑ یا حضرت الیاسؑ کے بارے میں بات چلتی رہتی ہے۔کہ وہ زندہ ہیں یا وفات پا گئے تو ایک بار یہ بات حضرت اللہ یار خانؒ کی مجلس میں ہوئی تو آپ نے فرمایا تھا کہ بعض ارواح ایسی ہوتی ہیں جن کے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد اللہ کریم ان کے ساتھ اس طرح کے امور وابستہ کر دیتے ہیں جس طرح ملائکہ کے ساتھ ہیں۔تو جس طرح بعض ملائکہ کے ساتھ اللہ کریم نے خصوصیات وابستہ کر دی ہیں۔جیسے بارش برسانے کا کام، پہاڑوں کا اہتمام، دریاؤں کی روانی کا، فصلیں اگانے کا اسی طرح بعض انسانی ارواح اس مقام قرب پر ہوتی ہیں کہ

ان کے ساتھ اس طرح کی خصوصیات وابستہ کردی جاتی ہیں۔ یہ ایسا نظام ہے جسے وہ خود ہی جانتا ہے۔ اگر کسی سلسلے کے لوگ یا صاحب حال لوگ یا صاحب کشف لوگ یا صاحب نظر لوگ کسی کے بارے میں یہ یقین رکھتے ہیں کہ اس کے پاس یہ منصب ہے تو یہ ان کی رائے ہے اس پر کوئی وحی نازل نہیں ہوتی اور ظاہری اعتبار سے لوگ کسی کو رشد و ہدایت پہ دیکھ کر اسے قطب ارشاد لکھ دیتے ہیں یا کسی کی کرامات دیکھ کر اسے کوئی نام دے دیتے ہیں۔ بلکہ لکھنے والے تو اس طرح لکھتے ہیں جیسے کسی کو پہلے جرنیل لکھا جائے پھر کپتان لکھ جائے پھر حوالدار لکھا جائے یعنی انھیں ترتیب کا بھی پتہ نہیں ہوتا۔ پہلے اسے قیوم زمان لکھیں گے پھر غوث جہاں لکھیں گے پھر قطب ابدال لکھیں گے پھر آخیر میں ابدال بنادیں گے۔ اوپر سے نیچے کو لے آتے ہیں لکھنے والوں کو تو ترتیب کا بھی پتہ نہیں ہوتا کہ ان مناصب کی ترتیب کیا ہے تو ان کے پاس کوئی دلیل اس طرح کی نہیں ہوتی۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر یہ سوال پیش کیا گیا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ کے وصال کے بعد ہمارے پاس کیا معیار ہوگا کہ یہ بندہ ولی اللہ ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا جس کے پاس بیٹھنے سے، جس کے ساتھ ملنے سے اللہ یاد آئے وہ ولی اللہ ہے۔ یعنی ولایت کی دلیل یہ ہے کہ اس کا ساتھ' اس کی صحبت یا اس کی مجلس آپ کو اللہ کی یاد عطا کردے اور اگر یہ نہ ہو تو پھر وہ ولایت نہیں۔

سوال: ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اویسیہ میں اس وقت کون کون سے مناصب کے حامل اولیاء اللہ موجود ہیں؟

جواب: میرے خیال میں بندہ کوئی ضرورت سے زیادہ ہی سادہ ہے چونکہ آج تک حضرت اللہ یار خانؒ کے زمانے سے لے کر اب تک میرے خیال میں کسی کے بارے میں کوئی اعلان تو چھپا نہیں تو لوگوں کو شوق ہے وہ خود ہی اپنے آپ کو بہت کچھ بنائے پھرتے ہیں کچھ لوگ واقعی ہیں انھیں پتہ ہی کوئی نہیں۔ تو یہ ایک رب العالمین کا نظام ہے اور حتمی علم اسی کے پاس ہے۔ وہ جانے اور اس کا کام جانے۔ جب برزخ میں پہنچیں گے تو حجابات اٹھائے جائیں گے اور ہر ایک کو پتہ چل جائے گا جس کے پاس منصب ہوگا اسے اپنے عزت و احترام کا، مقام کا، منصب کا پتہ چل

جائے گا جس کے پاس نہیں ہوگا اسے اپنی حیثیت کا اندازہ ہو جائے گا۔

سوال: اولیاء اللہ کی ارواح سے جس فیض کی بات کی جاتی ہے جہلا کے نظریے کو نظر انداز کر کے ارشاد فرمائیے کہ اس فیض سے کیا مراد لی جاتی ہے۔ اور سالک یہ فیض کن حوالوں سے حاصل کر سکتا ہے؟

جواب: شرعی اعتبار سے جس چیز کو فیض کہا جاتا ہے وہ ہیں برکات محمد رسول اللہ ﷺ۔ یوں تو سارا یہ فیض ہے، تعلیمات بھی فیض ہیں، لیکن یہاں فیض کا لفظ برکات کے لیے مختص ہو گیا ہے یوں تو حضور ﷺ کا کوئی کسی کو جملہ پہنچا دے تو فیض ہی فیض ہے، نور علیٰ نور ہے، لیکن بعض صورتوں کے لیے بعض الفاظ یا اصطلاحات مختص ہو جاتی ہیں تو یہ لفظ فیض اصطلاح تصوف میں مختص ہو گیا ہے قلبی کیفیات کے لیے، باطنی برکات کے لیے، اس حالت کے لیے جس سے دل میں مثبت تبدیلی آنی شروع ہو جائے اور اس کا سفر یخرجھم من الظلمت الی النور کا مصداق بن جائے کہ اندھیروں سے، تاریکیوں سے، روشنی کی طرف، جہالت سے علم کی طرف، نامحرمی سے معرفت کی طرف اور بے عملی سے عمل صالح کی طرف، جب سفر شروع ہو جائے تو اسے فیض کہا جاتا ہے۔ اگر جہلا کی بات مان لی جائے تو ان کے نزدیک فیض مادی نعمتوں کا حصول ہے کہ فلاں قبر پر گئے اولاد مل گئی فلاں بزرگ کی فاتحہ دلوائی تو صحت ہو گئی یہ سارے نظریات جو ہیں یہ غیر اسلامی غیر شرعی اور ہندوانہ رسومات سے لیے گئے ہیں۔ دعا کرنا بندے کا حق ہے اللہ سے کرے مقام کا فرق پڑتا ہے جیسے آپ سڑک پر دعا کریں اس کی حیثیت اور ہے مسجد میں اگر دعا کریں تو مسجد کی وجہ سے کچھ اس میں اور برکات ہو جائیں گی۔ اسی طرح اگر کسی اللہ والے کی صحبت میں بیٹھ کر دعا کرتے ہیں تو اس کی کیفیت کچھ اور ہوگی۔ کسی اللہ کے مقرب کے پاس بیٹھ کر اللہ سے دعا کریں تو ان کی برکات کی وجہ سے اس دعا کی حیثیت کچھ اور ہو جائے گی، اس میں یقیناً مثبت تبدیلی آئے گی۔ لیکن دعا بندے کی ہوگی، اور اللہ ہی سے ہوگی وہ دے اس کی مرضی نہ دے اس کی مرضی۔ اس میں صاحب قبر کا کوئی عمل دخل نہیں ہوگا۔ جہالت کی وجہ سے لوگوں نے تو فیض دنیاوی امور کو لے لیا ہے اور

بڑی عجیب بات ہے کہ آپ اہل اللہ کی ساری زندگی پڑھ لیں۔ دنیاوی امور میں عموماً یہ لوگ خود ساری زندگی آزمائشوں کا شکار رہتے ہیں چونکہ ان کی تمام توجہ دوسری طرف ہوتی ہے اپنے بہترین اوقات اپنے شعبے میں صرف کر دیتے ہیں اور دنیا کے لیے تو فرصت، توجہ، محنت بھی چاہیے۔ایک اصولی قاعدہ بھی ہے کہ ایک ولی، دنیاوی کاموں کو توجہ سے پورا وقت نہیں دے پاتا۔ ان پر چونکہ فکر آخرت سوار ہوتا ہے تو یہ اس طرف اپنی اتنی معروفیات بڑھا لیتے ہیں کہ عموماً دنیاوی امور میں یہ مشکلات کا شکار رہتے ہیں تو اپنی زندگی مشکلات کی نظر کر کے دنیا سے جان چھڑا کر جب برزخ میں جاتے ہیں، تو کیوں وہاں سے اٹھ کر آپ کے دنیاوی امور میں سر کھپائیں؟۔ یہ بھی اوہام ہیں اور برصغیر میں کچھ زیادہ ہیں کہ یہاں ہندوؤں کی تہذیب کے ساتھ مل کر اور خصوصاً اکبر اعظم کے عہد کی جو ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ ایک تہذیب بنی تھی اس نے ایسے اثرات مرتب کیے۔ بہت سی ہندوؤں کی رسومات اور توہمات ہم میں در آئے۔ ورنہ اسلام بڑا سیدھا سیدھا سادہ سا مذہب ہے کہ بندے کو اللہ کے روبرو کر دیتا ہے رب جانے اور اس کا بندہ جانے۔

سوال: شیطان لعین جب سالک کے دل میں شیخ کے خلاف وسوسے ڈالے بدظن کرنے کی کوشش کرے تو سالک کیا کرے؟

جواب: میرے بھائی شیطان بدظن نہیں کرے گا تو شیطان کیا سفارش کرے گا کہ تم کسی نیک آدمی کے ساتھ رہو۔ شیطان کو تو کرنا چاہیے اس کا تو کام ہے۔ اگر وہ نہ کرے تو اس سے شکوہ کیا جائے گا۔ لیکن ہر بندے کو وہ نہیں کرتا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ عمر فاروقؓ جس راستے سے آ رہے ہوں شیطان وہ راستہ چھوڑ دیتا ہے۔ یہ صحیح حدیث ہے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی۔ کیوں چھوڑ دیتا ہے اسے پتہ ہے کہ میرا حربہ کارگر نہیں ہوگا بلکہ مجھے مار پڑے گی۔ ہم نے بھی اپنے مشائخ کے ساتھ عمریں بسر کیں اور ہمارے شیخ بھی بنی نوع انسان تھے۔ سوتے بھی تھے، جاگتے بھی تھے، کھاتے، پیتے بھی تھے، لوگوں سے ان کے تعلقات بھی تھے، بعض سے اچھے تھے بعض سے اچھے نہیں تھے۔ مقدمات بھی بھگتتے تھے لڑائیاں بھی ہوتی تھیں۔ زندگی کے سارے لوازمات

تھے۔ ہمارے پاس تو شیطان کو کبھی آنے کی توفیق نہیں ہوئی کہ شیخ کے خلاف بات کرے اور ہزار بہکا لیا ہوگا، لیکن کبھی اس طرح کی بات نہیں ہوئی، بلکہ میں نے ایک دفعہ کہا تھا یار یہ کوئی ضمانت نہیں ہے کہ ہم اس سلسلے میں رہیں گے نہیں رہیں گے ساری عمر نبھے گی نہیں نبھے گی لیکن یہ بات طے ہے کہ ہم رہیں یا نہ رہیں۔ یہ جو کچھ ہے حق ہے اور اس کے خلاف تمھارے پاس کوئی دلیل نہیں تمہاری باتیں نری باتیں ہوتی ہیں۔ ایک آدمی دھوپ میں کھڑا ہے اور دوسرا اسے دلائل دے رہا ہے کہ جی سورج نہیں ہے سورج نہیں ہے تو کیا وہ اپنی کیفیت پر اعتبار کرے گا یا اتنا بے وقوف ہے کہ دوسرے کی باتوں میں آ جائے گا، تو یہ سب اپنی کمزوریاں ہوتی ہیں۔ جب بندہ خود وقت نہیں لگاتا، محنت نہیں کرتا، توجہ نہیں کرتا، شیطان تو پھر کوشش کرتا ہے۔ آپ دنیاداری میں دیکھ لیں ہم دو بھائی آپس میں ناراض ہو جاتے ہیں، کوئی تیسرا میرے بھائی کی برائی کرنے میرے پاس آ جائے گا۔ اس لیے کہ وہ سمجھے گا کہ اب یہ سننا چاہتا ہے لیکن ہم آپس میں نہیں بگڑتے تو میرا بھائی برا بھی ہے تو تیسرے آدمی کو میرے سامنے اسے برا کہنے کی جرأت نہیں ہوگی۔ اسے یہ پتہ ہوگا کہ یہ برداشت نہیں کرے گا۔ شیطان بھی موقع شناس ہے انہی سے بات کرتا ہے جہاں وہ دیکھتا ہے کہ گنجائش ہے۔ اگر کوئی کمزور پڑ رہا ہے، بدعملی کا شکار ہے' نمازیں چھوٹ رہی ہیں' اذکار چھوٹ رہے ہیں اس کا رشتہ کمزور پڑ رہا ہے چلو گنجائش ہے درمیان میں کچھ ٹھوک دو تو شیطان کے لیے آپ گنجائش پیدا نہ کریں تو شیطان شیخ کے خلاف بات نہیں کرے گا۔

سوال تصوف کے چار بڑے سلاسل کے بارے میں جو معلومات ملتی ہیں ان کے مطابق نقشبندیہ سلسلہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وساطت سے اور باقی تین سلاسل حضرت علیؓ کی وساطت سے نبی اکرم ﷺ تک پہنچتے ہیں۔ تابعین میں سے حضرت حسن بصریؒ کا نام ہوتا ہے تو کیا باقی صحابہ کرام جن میں عشرہ مبشرہ اور بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کرام ہیں کے نام سے کوئی سلسلہ تصوف نہیں چلا؟

جواب باقی سارے صحابہؓ امیر المومنین کیوں نہیں بنے؟ سب کو بن جانا چاہیے تھا، سارے

صحابیؓ تھے تو اگر امیر المومنین ایک ہی تھا تو صاحب سلسلہ بھی ایک ہی ہوگا۔ یہ سوال تو آپ کے ذہن میں نہیں آیا کہ عشرہ مبشرہ بھی تھے بڑے جلیل القدر صحابیؓ تھے سارے جو سوالاکھ کم وبیش صحابہؓ تھے حضور ﷺ کے وصال کے وقت' وہ سوا لاکھ امیر المومنین کیوں نہیں بن گئے۔ اگر ایک شخص صاحب سلسلہ بنا تو وہ ان سب میں سے ایک تھا اور اس کے بارے رسول ﷺ نے فرمایا کہ سورج نے طلوع نہیں کیا کسی پر کہ انبیاء کے بعد ابوبکر صدیقؓ سے افضل ہو۔تم اس امت کی بات کرتے ہو حضور ﷺ انہیں ساری انسانیت میں نبیوں کے بعد افضل ترین بتا رہے ہیں تو بتاؤ جب سورج ہوگا تو چراغ کہاں جلیں گے سارے ہی سلاسل ابوبکر صدیقؓ سے نکلتے ہیں بات صرف یہ ہے کہ باقی سلاسل ابوبکر صدیقؓ سے فاروق اعظمؓ کو پہنچے ان سے حضرت عثمانؓ کو پہنچے ان سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو پہنچے اور ان پر آ کر بیشتر صحابہؓ کا عہد ختم ہوگیا۔تابعین کا عہد آ گیا اور بات پھیل گئی اس پائے کا کوئی شخص پیدا نہ ہوا جو ایک مرکز ہوتا۔ پھر کئی مراکز بن گئے۔ انھیں حضرات نے وہ برکات حاصل کیں اور بیشتر حضرات ان کے تقسیم کرنے والے بن گئے یہ الگ بات ہے کہ یہ چار سلسلے زیادہ مشہور ہیں۔ (پندرہ سلسلے تو ''الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ'' میں مذکورہ ہیں۔ جو شاہ ولی اللہ نے لکھی تھی اور بیشمار ایسے سلاسل اولیاء اللہ ہیں، کتابوں میں جن کا تذکرہ نہیں ہے۔ دوسرے ممالک میں موجود ہیں۔) یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ یہ صرف چار ہی سلسلے تھے۔ جس طرح علوم ظاہر کے بیشمار اساتذہ بنے اب فقہ کے چار آئمہ ہیں۔لیکن کیا فقیہہ یہ چار ہی لوگ ہوئے ہیں؟ بیشمار لوگوں کو سعادت نصیب ہوئی ہے۔ یہ چار سلاسل یا چار راستے جو فقہ کے تھے وہ زیادہ معروف ہوگئے۔لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اور کوئی تھا ہی نہیں۔ بیشمار برکات بٹیں اس پائے کا کوئی بندہ نہ رہا جو ساری امت کے لیے ایک مرکز ہوتا۔ پھر بہت سے مراکز بن گئے جو آگے جا کر سارے مل جاتے ہیں۔ (یہ بحث آپ بڑے شوق سے کتابوں میں تفصیل سے پڑھیں اور مطالعہ کی عادت ڈالیں۔)

سوال: حدیث مبارکہ ہے انما انا قاسم و اللہ یعطی مفہوم واضح فرمادیجئے کس قسم کی عطا

مراد ہے؟

جواب: میرے بھائی نبی کس لیے مبعوث ہوتا ہے۔ کھجوروں میں جب خوشے نکلنے کا وقت آتا تو عربوں کا ایک طریقہ تھا کہ نر درخت کا ''زردانہ'' لے کر مادہ کے خوشے نکلنے کی جگہ لگاتے تھے اس سے پھل کئی گنا بڑھ جاتا تھا تو ایک بار حضورﷺ نے فرمایا یہ تکلف کیوں کرتے ہو۔ جو پھل درخت نے دینا ہے دے گا۔ کچھ لوگوں نے نہ لگایا اور پھل کم آیا۔ صحابہؓ نے عرض کی یارسول اللہ اس طرح تو پھل زیادہ آتا تھا اس طرح کم آیا ہے۔ تو آپﷺ نے فرمایا تم اپنے دنیا کے کام خود ہی بہتر جانتے ہو۔ جس طرح اچھا ہے کرلیا کرو۔ یعنی نبی کوئی کھجوریں اگانے کا طریقہ بتانے کے لیے مبعوث نہیں ہوا تھا۔ نبی مبعوث ہوتا ہے بندے کو معرفت باری پہنچانے کے لیے اور یہ وہ کام ہے جو سوائے نبی اور رسول کے کوئی نہیں کرسکتا۔ جب آپﷺ نے فرمایا قاسم ہوں تقسیم کرنے والا ہوں تو مراد وہی معرفت الٰہی، قرب الٰہی اور نور ہدایت ہے کہ اللہ عطا کرنے والے ہیں اور میں تقسیم کرنے والا ہوں۔ یہاں آپﷺ نے تقسیم کرنے کا فرمایا ہے جو حق ہے، لیکن آپ نے لٹایا ہے۔ تقسیم کرنا اور ہوتا ہے اور لٹانا اور ہوتا ہے۔ یعنی جتنی جس میں ہمت ہے وہ لے جائے۔ کسی پر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پابندی نہیں لگائی کہ اسے اتنا ہی ملے گا۔ اب یہ اپنا اپنا ظرف تھا جس کے پاس جتنا ظرف تھا جسے جتنا نصیب تھا جس میں جتنی ہمت تھی وہ لیتا گیا۔ بعض لوگ اس سے مال و دولت، اولاد دنیاوی چیزیں مراد لیتے ہیں اور دعا میں بھی حضورﷺ سے یہی درخواست کرتے ہیں۔ اگر کسی کو نبی کریمﷺ سے بات کرنے کی سعادت نصیب ہو جائے اور وہ آپﷺ سے بھی دنیا ہی مانگے تو پھر اس کا اپنا ظرف ہے۔ چونکہ دنیا تو ان کو مانگنی چاہیے تھی جو ساڑھے تین سال کے قریب شعب ابی طالب میں بھوک اور پیاس سے جلتے رہے۔ تپتی ہوئی ریت پر آگ برساتے سورج کے نیچے بیٹھے رہے اور پرانے جوتوں کا چمڑا جلا کر اس کی راکھ پھانک کر پانی کا گھونٹ پی لیتے اور یہ ان کے ایک وقت کا کھانا ہوتا۔ تو یہ انھیں چاہیے تھا کہ عرض کرتے کہ یارسول اللہﷺ دعا کریں اگر حضرت موسیٰؑ کی قوم پر پکے پکائے کھانے اتر سکتے ہیں تو ہمارے لیے بھی کوئی من و سلویٰ نہ سہی دال روٹی سہی۔ یہ جلے ہوئے چمڑے کھانے سے تو بچ جائیں۔

انھوں نے کیوں نہیں مانگا۔ مکے میں جب پتھر پڑتے تھے صحابہؓ کرام کو خود رسول اللہ ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھائے جاتے' سجدے میں حضور ﷺ جاتے تو اونٹ کی اوجھڑیاں لا کر اوپر پھینک دیتے۔ تو ان لوگوں کو چاہیے تھا وہ کہتے یارسول اللہ ﷺ کوئی فرشتوں کی فوج منگائیں جو انھیں مار پیٹ کر بھگا دے اور ہمارے لیے شہر خالی ہو۔ دنیا مانگنی تھی تو وہ مانگتے' وہ تو دنیا لٹاتے رہے کوئی دنیا سے بہت ہی زیادہ قیمتی چیز تھی جس کی طرف وہ لپکتے رہے۔ محمود غزنویؒ کا ایک واقعہ ملتا ہے کہ ان سے ان کے امراء نے شکایت کی کہ ہمارے باپ دادا نسلوں سے آپ کے باپ دادا کے نمک خوار اور وفادار چلے آ رہے ہیں لیکن آپ ایک گڈریئے کو ایک چرواہے کو، ایاز کو پکڑ کر جنگل سے لے آئے اور اسے آپ نے وہ منصب عطا کر دیا جو ہمارے پاس نہیں ہے۔ ہم سے زیادہ آپ کے قریب تر وہ دربار میں بیٹھا ہوتا ہے' بات ہم سے زیادہ آپ اس کی سنتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہوئے اس کی بات زیادہ مانی جاتی ہے یہ ہماری حق تلفی نہیں ہے کیا؟ سلطان نے فرمایا اچھا میں آپ سب کی دعوت کرتا ہوں اور جو فتح سے مال غنیمت آیا ہے وہ بھی سب کو عطا کیا جائے گا اس کے بعد آپ کو اس بات کا جواب بھی دوں گا۔ تو تمام اہل دربار کی دعوت کی گئی مال غنیمت میں جو اچھی چیزیں آئیں تھیں وہ جو سرداروں اور امیروں کا حصہ تھیں وہ سجادی گئیں دربار ہال میں اور کھانے کے بعد اجازت دی گئی کہ جسے جو چاہیے اس پر ہاتھ رکھ دے وہ اسے مل جائے گا۔ کہیں اسلحہ پڑا تھا کہیں خوبصورت گھوڑے کھڑے تھے۔ کہیں اشرفیاں پڑی تھیں، کہیں زرو جواہرات پڑے تھے، کہیں سونا پڑا تھا، چاندی پڑی تھی، کہیں کپڑے تھے بہت مختلف چیزیں لگی ہوئی تھیں تو جو جس کے مزاج کے مطابق تھا جو چیز جسے پسند آئی سب نے جا کر ایک ایک ٹیبل پر ہاتھ رکھ لیا۔ ایاز نے سلطان کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ سلطان نے پوچھا یہ کیا؟ اس نے کہا یہ اپنی اپنی ضرورت ہے۔ انھیں مال وزر چاہیے مجھے آپ کا قرب چاہیے تو سلطان نے سب کو مخاطب کر کے بتایا کہ یہ فرق ہے تم میں اور ایاز میں، تم نے اتنی سی دولت مانگ لی اس نے سلطان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ساری سلطنت ہی قابو کر لی۔ سلطان جس کے ہاتھ میں ہے سلطنت اسی کی ہے تو میرے بھائی جس کو بارگاہ نبوت میں اگر یہ مقام حاصل ہے کہ حضور ﷺ سے بات کر سکتا ہے تو ضرور کرے

ماشاءاللہ لیکن پھر ایسے لوگوں کا ظرف اتنا تنگ نہیں ہوتا کہ وہاں بھی وہ دنیا ہی کی بات کریں گے وہ تو بادشاہ کا دربار تھا اس میں دنیادار بھی پہنچ گئے۔ یہ بارگاہ اللہ کے رسول ﷺ کی ہے اور وہاں تک جانے والوں کا ظرف وسیع ہو جاتا ہے اگر دنیا مانگنی ہوتی تو ان لوگوں نے مانگی ہوتی یہ الگ بات ہے کہ اللہ نے ساری دنیا ان کے قدموں میں بن مانگے ڈھیر کر دی لیکن انتہائی تنگی میں بھی انھوں نے معرفت الٰہی ہی طلب کی۔ قرب رسالت ہی طلب کیا، استقامت ہی طلب کی، دین ہی طلب کیا، کیفیات ہی طلب کیں، حال ہی طلب کیا، بھوک کاٹتے رہے لیکن دنیا طلب نہیں کی۔

سوال: مراقبہ میں روضہ اطہر ﷺ پر الصلوٰۃ والسلام پڑھنا چاہیے یا سلسلے والا درود؟

جواب: میرے بھائی جو بھی صلوٰۃ وسلام کوئی پڑھے اس کی مرضی۔ لیکن میں ایک بات آپ کو بتا دوں کہ جو درود مسنون ہیں ان کا مقابلہ وہ درود نہیں کر سکتا جو آپ خود ایجاد کرتے ہیں۔ بیشمار درود ایسے ہیں جن کے پڑھنے کا طریقہ خود حضور ﷺ نے بتایا الفاظ خود حضور ﷺ کے ارشاد کردہ ہیں کہ اس طرح سے درود پڑھو (وہ سیرت میں ملتے ہیں) انہی مسنون درودوں میں جو درود سلسلے کے حضرات نے پڑھنے کا فرمایا ہے تو اس میں دو برکات شامل ہو جاتی ہیں ارشاد نبوی ﷺ بھی اور مشائخ کا کہنا بھی۔

سوال: اگر کوئی مسلمان گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں داخل ہو تو کیا روح بھی دوزخ میں جائے گی؟

جواب: دنیا میں جسم مکلّف بالذات ہے روح اس کے تابع ہے۔ دھوپ، گرمی، سردی بھوک پیاس جسم پر براہ راست اثر کرتی ہے روح اس کے تابع ہے، برزخ میں روح مکلّف بالذات ہوتی ہے اور بدن اس کے تابع ہو جاتا ہے۔ وہاں کی گرمی، سردی بھوک پیاس آرام براہ راست روح پر وارد ہوتی ہے اور روح کی وساطت سے بدن کے ذرات تک پہنچتی ہے۔ جب قیامت قائم ہو گی تو روح اور بدن دونوں برابر مکلّف ہوں گے۔ حدیث شریف میں موجود ہے کہ ایک دوسرے سے

بھی لڑ جائیں گے۔ روح کہے گی بارالہاء جب تک میں اس بدن میں نہیں آئی میں نے کوئی خطا نہیں کی۔ یہ سب بدمعاشی اس کی ہے، سزا اسے ملنی چاہیے، میں اس میں پھنس کر گناہ میں شریک ہوئی جب تک بدن میں میں نہیں پہنچی میں نے گناہ نہیں کیا۔ یہی سوال بدن بھی کرے گا۔ یا اللہ میں تو منتشر تھا زمین پر۔ میں نے کونسی خطا کی۔ یہ اس کے آنے سے ساری خرابی ہوئی جب تک یہ روح نہیں آئی تو میں نے تو کوئی گناہ نہیں کیا اس کا سبب یہ ہے۔ تو حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ اللہ کریم انھیں ایک مثال دکھائیں گے دو شخص ہوں گے ایک اندھا ہوگا اور ایک لنگڑا ہوگا۔ ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوں گے درخت پر بڑے بڑے پھلوں کے خوشے لٹک رہے ہوں گے تو وہ جو لنگڑا ہے اس اندھے سے کہے گا یار بڑے مزے کے پھل ہیں اس درخت پر لیکن میں تو وہاں پہنچ نہیں سکتا۔ وہ کہے گا مجھے بتا' اب اسے وہ کیا بتائے کہ خوشہ کدھر ہے وہ تو اندھا ہے توڑ نہیں سکتا۔ پھر وہ ایسا کریں گے کہ وہ اندھا اسے کہے گا میں تجھے کندھے پر بٹھالیتا ہوں تو مجھے لے کر چل جس طرف جانا ہے بتا میں تجھے لے جاتا ہوں وہاں سے توڑ لیں گے۔ پھر عیش کریں گے مل کر دونوں۔ تو وہ پھل توڑیں گے اور بیٹھ کر کھا رہے ہوں گے تو اللہ کریم روح اور بدن سے پوچھیں گے کہ ان میں بتاؤ گناہگار کون ہے کہیں گے خدایا دونوں برابر کے ہیں۔ فرمایا یہی حال تمہارا بھی ہے تم نے بھی یہی کیا اس لیے دونوں بھگتو تو اللہ دوزخ سے پناہ دے۔ دوزخ کے شب و روز بڑے طویل ہیں۔ اب کسی کو ایک دن کی قید بھی مل جائے تو سمجھو دنیا کے اعتبار سے کئی صدیوں پر محیط ہوگی اس لیے اس سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے۔

سوال: روح چونکہ عالم امر سے ہے اس کا دوزخ میں جانا عجیب معلوم ہوتا ہے؟

جواب: بھئی دوزخ بھی تو اسی کی ہے جس کا عالم امر ہے اگر ہم بھیجنا چاہیں تو پھر تو بڑی عجیب بات ہے لیکن اللہ کے لیے کچھ بھی عجیب نہیں وہ ہر چیز پر قادر ہے اس نے اپنے پیمانے اپنے معیار مقرر کردیے ہیں اور اگر کوئی عالم امر سے آ کر بھی عالم امر کو بھول جائے اور دنیا میں کھو جائے تو میرے خیال میں وہ تو زیادہ سزا کا مستحق ہے۔ کم از کم اسے تو عالم امر یاد رکھنا چاہیے۔ لہٰذا اس میں

عجیب بات کوئی نہیں ہے اور اللہ کی قدرت کے مقابلے میں کچھ بھی عجیب نہیں ہے۔اس کے بتائے ہوئے جو راستے، اصول اور طریقے ہیں، درست ہیں۔

سوال: قرآن مجید میں ہے کہ ''اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے'' کیا انسان تقدیر بدل سکتا ہے کیونکہ کہا جاتا ہے کہ اگر ابوجہل لعنت اللہ کی قسمت میں ہدایت ہوتی تو وہ ہدایت لیتا یعنی اس کی قسمت میں ہی ہدایت نہیں تھی۔ کیا ہمیں اپنے اعمال پر اختیار ہے؟

جواب: اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے درست، مگر ساتھ یہ بھی قرآن مجید میں لکھا ہوا ہے کہ اللہ کسے چاہتا ہے مثلاً ارشاد باری ہے۔''کہ جس کے نہاں خانہ دل میں ہدایت کی آرزو پیدا ہو جائے اللہ اس کو ہدایت دے دیتا ہے۔'' یہ بھی درست ہے کہ ایک وقت آتا ہے کہ ابوجہل کی طرح ہدایت کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔مگر حدیث پاک کے مطابق اس کا ذمہ دار بھی خود انسان ہوتا ہے کہ جب برائی کرتا ہے تو ایک سیاہ نقطہ اس کے دل پر پیدا ہو جاتا ہے اگر باز نہ آئے تو وہ بڑھتا رہتا ہے حتیٰ کہ سارا قلب سیاہ ہو جاتا ہے تب اس پر غضب الٰہی مہر کر دیتا ہے۔

سوال: اگر کوئی شخص اپنے کسی دوست یا بھائی کو ذکر کی طرف راغب کرنے کے لیے اس کو بتائے بغیر توجہ کرتا رہے تو کیا یہ ٹھیک ہے؟

جواب: عمل کے لیے آدمی کا ذاتی فیصلہ ضروری ہے کوئی زبردستی نہیں کرا سکتا۔آپ پکڑ کر کسی سے نماز پڑھائیں گے تو اس کی نماز ادا نہیں ہوگی نہ اس کو اس پر ثواب ملے گا۔عجیب بات یہ ہے کہ لوگوں کو اپنی فکر نہیں ہوتی یا مرنے والوں کی ہوتی ہے یا دوسرے رشتہ داروں کی۔ پتہ نہیں ایسا کون کامل آدمی ہے، جو اپنے سارے فرائض سے فارغ ہے اور اب دوسروں کو پکڑ کر سجدے کروانا چاہتا ہے۔کوئی بات نہیں بنتی ایسے، دعا کی حد تک تو حق بنتا ہے بھائیوں کا دوستوں کا رشتہ داروں کا بھی کہ ان کے لیے اللہ سے دعا کی جائے اللہ انھیں ہدایت دے دے لیکن توجہ کر کے کسی کو کسی کام پہ

مجبور کرنا اور بندوق لے کر اس سے کوئی کام کروانا، برابر ہے۔ صوفی اگر توجہ کریں تو جو توجہ کر کے ذکر کرا سکتے ہیں یہ اگر اس ٹیلی پیتھی کی طرح پر توجہ کو استعمال کریں تو لوگوں سے کام کروا سکتے ہیں۔ کسی سے فیصلہ لے سکتے ہیں کسی سے قتل کروا سکتے ہیں لیکن یہ بڑا ٹھوس فیصلہ ہے کہ جو بھی کام کرو گے اس کے لیے میدان حشر میں ذمہ دار ہو گے۔ یعنی جیسے کسی نے ویسے قتل کر دیا یا اس نے دوسرے پر توجہ کی القا کی اور اسے مجبور کیا وہ کسی کا قتل کر دے جرم برابر ہوگا سزا برابر ہوگی۔ کسی نے گن پوائنٹ پر پیسے چھین لیے یا دوسرے نے کسی پر القا کیا کہ یہ مجھے پیسے دے کر جائے اور اس کی توجہ کی وجہ سے وہ اسے پیسے دے گیا تو جرم ڈاکے کے برابر ہوگا۔ حشر میں اس کا مواخذہ برابر ہوگا۔ تو یہی حال نماز پڑھانے کا بھی ہے۔ پھر اتنا مشکل کام کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ گن پوائنٹ پہ نماز پڑھی تو یہ کوئی نماز نہیں ہوئی۔ آدمی اپنی ذمہ داریاں پوری کر لے یہ اللہ کی شان ہے اس کا ماحول اس سے متاثر ہوتا ہے اس کے اردگرد والے ویسا کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

سوال: دوامِ ذکر کیسے حاصل ہو؟

جواب: دوام توجہ سے حاصل ہوتا ہے۔ کثرت ذکر سے دوام توجہ نصیب ہو جاتی ہے۔ یہ ایک ایسی کیفیت ہے جو کسی بھی کام کو مسلسل کرنے والے کو نصیب ہو جاتی ہے۔ دنیا داری میں بھی آپ دیکھ لیں جواری شرابی بٹیرے لڑانے والے اتنے اس میں منہمک ہو جاتے ہیں کہ وہ گاڑی چلا رہے ہوں۔ کھانا پکا رہے ہوں یا کوئی کام بھی کر رہے ہوتے ہیں ساتھ اپنے اس شغل کی بات بھی چل رہی ہوتی ہے۔ تو ان کا ہاتھ کام سے اٹکتا نہیں۔ اس طرح کثرت ذکر سے یہ نعمت حاصل ہو جاتی ہے۔

سوال: حضرتؒ کو دائرہ صدیقیت نصیب ہوا اور پھر اس میں ایک مقام ہے مقام عبدیت وہاں تک رسائی ہوئی۔ سوال یہ ہے کہ ابوبکر صدیقؓ تو صدیق ہی رہے اور حضرت اللہ یار خانؒ صدیقیت میں بھی کسی بلند مقام پر چلے گئے کیا آپؒ ان پر افضل ہو گئے؟

جواب: صدیقیت ایک منصب ہے جب یہ منصب نبی کونصیب ہوتا ہے تو نبوت کی شان کے مطابق ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام میں بھی صدیق ہوتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کے بارے ارشاد ہے:

وجعلنہ صدیقاً نبیاً ابراہیمؑ نبیوں میں صدیق ہیں۔ جب صحابہؓ کے لیے اس منصب کی بات ہوتی ہے تو وہ ہستی صحابہؓ میں صدیق ہوتی ہے نبی کے برابر نہیں ہوتی حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت ابراہیمؑ کی برابری نہیں ہے۔ لیکن کوئی غیر صدیق صحابیؓ آپ کے برابر نہیں۔ آپؓ صحابیوں میں صدیق ہیں۔ اسی طرح ولی اللہ کو جب منصب صدیقیت نصیب ہوتا ہے تو اولیاء اللہ میں ہوتا ہے اب اس کا تقابل صحابہؓ سے کرنا یہ نادانی اور کم علمی کی بات ہے۔

دوسری بات جو ہے وہ یہ کہ ایک صدیقیت منصب ہے اور ایک دائرہ صدیقیت منازل ولایت میں سے ہے۔ ولایت کے جو منازل چلتے ہیں ان میں ایک منزل دائرہ صدیقیت بھی ہے۔ اب یہ الگ بات ہے کہ کوئی ولی دائرہ صدیقیت کی حد تک نہ پہنچا ہو اور اسے منصب صدیقیت مل جائے، یہ بھی ممکن ہے کہ ایک ولی دائرہ صدیقیت طے کر گیا ہو، لیکن اسے منصب صدیقیت نہ دیا جائے۔ منصب کا ملنا بالکل ایسے ہوتا ہے کہ جیسے کسی صوبے کا وزیر اعلیٰ میٹرک پاس ہو اور اس کا سیکرٹری تین چار مضمونوں میں ایم اے ہو۔ اب اس کا یہ مطلب نہیں ہوگا کہ میٹرک کا سٹینڈرڈ ایم اے سے بڑھ گیا۔ نہیں، کسی کے منازل دائرہ صدیقیت تک نہ پہنچیں لیکن اسے منصب صدیقیت دے دیا جائے۔ جس قدر غوث حضرات کی بابت ہم تک علم پہنچا ہے یا ہم جانتے ہیں کبھی بھی کسی غوث کے عالم امر سے نیچے منازل نہیں ہوئے کیونکہ عموماً اہل اللہ کے عالم امر تک منازل ہوتے ہیں۔ لیکن غوث بہاؤ الحقؒ کے منازل ساتویں عرش تک ہیں اب یہ رب کی مرضی ہے کہ انھیں وہاں غوثیت دی اور حضرت معین الدین اجمیریؒ کے منازل عالم امر میں ہیں اور وہ قطب ہیں۔ (برزخ میں بھی ایک دن بات ہو رہی تھی کہنے لگے کہ اللہ کی عطا ہے محنتیں ہم نے کیں غوثیت بہاؤ الحق کو عطا کر دی۔ مجاہدے ہم کرتے رہے غوثیت ان کو دے دی) عہدہ الگ ہوتا ہے اور کوالیفکیشن ایک الگ شعبہ ہے۔

جہاں تک منازل کا تعلق ہے تو جس طرح آسمان زمین کو محیط ہے۔ایک زمین نہیں بلکہ سارا فضائی کرہ جو ہے اس میں جتنے ستارے سیارے جتنی زمینیں جتنی بھی اس میں خلقت ہے سب کو آسمان محیط ہے۔اسی طرح عرش الٰہی ساتویں آسمان سمیت نچلی ساری کائنات کو محیط ہے، بالائے عرش کا ہر دائرہ اپنے سے نچلے کو اس طرح محیط ہے۔حتیٰ کہ عرش کے بارے ارشاد ہوتا ہے حدیث شریف میں کہ عرش کے مقابلے میں آسمانوں زمینوں اور اس ساری کائنات کی حیثیت ایسی ہے جیسے کسی صحرا میں کوئی انگشتری پھینک دی جائے۔تو بالائے عرش جتنے دائرے چلتے ہیں وہ نچلی ساری کائنات کو اسی طرح محیط ہیں اور اگر کسی دائرے میں بھی رہنمائی کے لیے یا اسے عبور کرنے کے لیے شیخ نہ ہو تو خواہ ہزاروں زندگیاں نصیب ہو جائیں، آدمی اس کی وسعت میں کھویا رہتا ہے اور اسی میں چلتا رہتا ہے۔عالم امر میں دائرہ صدیقیت جو بحیثیت کوالیفکیشن ہے، وہ چوبیسواں دائرہ ہے۔اب آپ اس کا اندازہ کر لیں کہ وہ کتنی منزلوں کتنے فاصلوں اور کتنی رفعتوں کے بعد ہے اور کائنات کی اس کے مقابلے میں کیا حیثیت ہے۔لیکن کوالیفکیشن میں جو یہ چوبیسواں دائرہ صدیقیت ہے یہ منازل ولایت کی انتہا ہے اس پر ولی اللہ کے منازل ختم ہو جاتے ہیں۔لیکن منازل اس سے آگے چلتے ہیں۔وہ منازل ہیں ولایت نبوت کے۔ولایت نبوت وہ حال ہے جو نبی کو بعثت سے پہلے نصیب ہوتا ہے جہاں اولیاء اللہ کی ولایت ختم ہو جاتی ہے وہاں سے ولایت انبیاء علیہم السلام شروع ہوتی ہے، ولایت انبیاء علیہم السلام میں جانا ایسے ہوتا ہے جیسے کوئی ملازم شاہی محل میں جاتا ہے۔وہ رہائش بادشاہ کی ہوتی ہے وہ ملازم کی ملکیت نہیں بن سکتی۔لیکن بادشاہ کا خادم ہونے کی حیثیت سے جہاں تک اس کی ڈیوٹی یا نوکری ہوتی ہے وہاں تک وہ جاتا ہے، دھوبی اپنی حد تک، باورچی اپنی حد تک، اس طرح ہر شعبے کا جو بندہ ہے وہ اس محل میں اپنی حد تک بلا روک ٹوک جاتا ہے، اس لیے کہ وہ شاہ کا ملازم ہے تو ولایت انبیاء علیہم السلام میں اولیاء اللہ کو جو رسائی نصیب ہوتی ہے وہ عطا ہوتی ہے نبی کریم ﷺ کی اور ان کی حضور ﷺ کے ساتھ وابستگی وہاں تک جانے کا سبب ہے اور یہ باتباع نبی ﷺ نصیب ہوتا ہے۔چوبیسواں دائرہ جو ہے یہ ولایت کی عالم امر میں انتہا ہے اور پچیسویں دائرے سے لے کر چھیالیس تک اوپر دائرے چلتے

ہیں چھیالیسواں جو ہے وہ ولایت انبیاء علیہم السلام کی انتہا ہے اس سے آگے انبیاء علیہم السلام کے ذاتی منازل شروع ہو جاتے ہیں جس میں کوئی امتی قدم نہیں رکھتا۔ بیشتر صحابہ کرامؓ کا ولایت انبیاء علیہم السلام میں مقام تھا خواجہ حسن بصریؒ حجاب الوہیت میں فوت ہوئے یہاں تک ولایت انبیاء کے بھی تین حصے گزر جاتے ہیں۔

حضرتؒ کا جب وصال ہوا تو اس سے کوئی ایک سال یا کچھ عرصہ کم پہلے آپ ولایت انبیاء علیہم السلام کے چھیالیسویں دائرے میں داخل ہوئے تھے اور جب حضرت کا وصال ہوا تو اللہ کی عطا سے اور حضرت کی توجہ کے طفیل میں اس وقت چوالیسویں دائرے میں تھا ان دوائر کے نام میں اس لیے نہیں لیتا کہ سننے والا نام سن کر تو دعویٰ کر سکتا ہے تعداد میں نے بتا دی ہے جو دعویٰ کرے گا وہ ان کی کیفیات اور وہاں کے حالات اور اس کے نام بتائے گا تو پتہ چلے گا کہ اس کا گزر وہاں ہے۔ میں نے صرف ضمنی تعداد بتا دی ہے۔ اب یہ اللہ کریم کی اپنی عطا ہے کسے وہ کیا دیتا ہے۔

سوال: مولانا تھانویؒ نے فرمایا کہ کسی کو خواب میں حضور اکرم ﷺ کی زیارت نصیب ہو تو امید کی جا سکتی ہے کہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہوگا۔ اس پر انھوں نے سوال کیا کہ زیارت کیسے ہو؟

جواب: یہ تو اللہ کی مرضی ہے لیکن بہر حال ہوگی اتباع سے ہی۔ اطاعت سے ہوگی۔

سوال: اللہ کے فضل سے روحانی بیعت سے مشرف ہوں تو کیا وہ زیارتِ رسول اللہ ﷺ کے زمرے میں آتی ہے جبکہ بیعت کے وقت دیدار کے شرف سے محروم رہا؟

جواب: خواب کی زیارت اور حصول فنافی الرسول ﷺ ان میں رات اور دن سے زیادہ فاصلہ ہے۔ خواب کی زیارت کے لیے روح کی استعداد کی شرط نہیں کہ بارگاہ نبوت ﷺ میں جا سکے۔ ایک ایسا آدمی جس کا قلب بھی جاری نہیں اللہ چاہے تو خواب میں اسے زیارت کرا دے۔ لیکن فنا فی الرسول ﷺ کا مراقبہ نصیب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ روح میں اتنی قوت، اتنے انوارات، اتنی کیفیات ہیں کہ روح بارگاہ نبوت میں حاضر ہو سکتی ہے تو یہ اس سے بہت کروڑوں کروڑوں درجہ

قوی اور مضبوط صورتحال ہے۔ جس طرح یہ فرمایا گیا کہ امید کی جا سکتی ہے کہ خواب میں زیارت کرنے والے کا خاتمہ ایمان پر ہو اس سے کروڑوں گنا زیادہ امید کی جا سکتی ہے کہ فنا فی الرسول ﷺ والے کا خاتمہ ایمان پر ہو بلکہ فنا فی الرسول ﷺ جب لوگوں کا راسخ ہو جاتا ہے تو ہم نے ایسے لوگ دیکھے ہیں ایسے صوفی گزرے ہیں کہ جنھیں دوام حضور حاصل ہو جاتا ہے تو موت کے وقت بھی ان کی روح تو بارگاہ نبوی ﷺ میں تھی۔ فرشتہ روح گرفتار کر کے نہیں لے جاتا بلکہ روح کا تعلق حیات دنیوی سے منقطع کر دیتا ہے کیونکہ وہاں سے پکڑ کر لے جانا اس کی استطاعت نہیں ۔بتا دیتا ہے کہ بارالٰہا روح فلاں جگہ تھی' آپ طلب فرما لیجئے اس کا پچھلا کام میں نے کر دیا ہے۔

سوال: حضوری دوام کی حقیقت، زندگی میں اور بعد از موت کیا ہے؟

جواب: دوام حضور جو ہوتا ہے وہ مسلسل ذکر کرنے سے کسی پر اگر غلبہ دوام حضور (مسجد نبوی ﷺ کا) ہو جائے تو زندگی میں بھی اس کی نظروں کے سامنے ہر وقت وہ نقشہ رہتا ہے اور یاد میں بھی وہ بات اور اس کی روح بھی وہیں ڈیرہ ڈالے رکھتی ہے، اور بعد از وفات بھی اس کا بیشتر وقت جو ہے وہ اسی بارگاہ میں گزرتا ہے بلکہ جنھیں فنا فی الرسول ﷺ میں دوام حضور حاصل ہو جائے ان میں بعض کی موت بھی اسی طرح دیکھی گئی ہے کہ فرشتہ بدن سے روح کے تعلقات منقطع کر دیتا ہے۔ اسے گرفتار کر کے لے نہیں جاتا، چونکہ روح ہوتی ہی وہیں ہے تو وہاں سے وہ لینے نہیں جاتا بلکہ اس کا جو تعلق بدن کے ساتھ دنیوی حیات کا ہے وہ منقطع کر دیتا ہے۔ یہ من جانب اللہ از قسم ثمرات ہے۔ مجاہدہ ہر آدمی کرتا رہتا ہے ثمرات جو ہوتے ہیں یہ وہی دیتا ہے، تو کسی کو کچھ دے دیتا ہے کسی کو کچھ۔

سوال: امدادالسلوک میں حاجی امداداللہؒ نے توحید مطلب کے عنوان سے فرمایا کہ اپنے شیخ کی موجودگی میں کسی اور شیخ کو اپنے شیخ سے افضل سمجھنا مانع فیض ہے کیا کسی بزرگ کو دیکھ کر جو سلسلہ عالیہ سے تعلق نہ رکھتا ہو اس کے تقویٰ اور علم و عمل کی تعریف کرنا مانع فیض ہے؟

جواب: آپ نے جواس کی تشریح کی ہے یہ صحیح نہیں ہے۔حصول فیض کے لیے تو جس شخص سے آپ فیض حاصل کرنا چاہتے ہیں اس کے ساتھ جب تک آپ اپنے قلب کو کلی طور پر وابستہ نہیں کریں گے وہ فیض کیسے دے گا لیکن یہ اس صورت میں ہے کہ جب آپ کو یقین ہو کہ میرا یہ شیخ منازل سلوک کرا سکتا ہے۔چونکہ بیعت کی بہت سی اقسام ہیں ایک بیعت ہے جو امارت وحکومت کے لیے کی جاتی ہے ایک ہے جو جہاد کے لیے کی جاتی ہے ایک ہے جو کسی خاص مقصد کے حصول کے لیے کی جاتی ہے ایک ہے جو محض اصلاح کے لیے کی جاتی ہے تاکہ میں اس آدمی سے پوچھ پاچھ کر اپنے امور میں اپنی اصلاح کرتا رہوں گا تو یہ جو بیعت اصلاح ہے جو عام پیری مریدی ہے یہ ہر اس آدمی سے کی جا سکتی ہے جو روزمرہ کی ضروریات کے بارے شریعت کا علم رکھتا ہو اور ہر عالم سے کی جا سکتی ہے۔عالم سے بدرجہ اولیٰ کی جا سکتی ہے اور ایسے آدمی سے بیعت جائز ہے کہ جو روزمرہ کے کاموں میں ہماری رہنمائی کر سکے،حلال حرام جائز ناجائز کے متعلق بتا سکے۔اس کا اپنا ایک مقام ہے اس طرح آپ جہاد کی بیعت کرتے ہیں کوئی مجاہد جو ہوگا وہ اس قائد یا لیڈر سے جو پہلے بیعت کرے گا اس کا ایک اپنا مقام ہے لیکن بیعت تصوف جو ہے اس کے لیے صوفیاء کے نزدیک کم ازکم شرط یہ ہے کہ اس شخص سے کی جائے جو دوسرے کو فنا فی الرسول کرا سکتا ہو اگر نہیں کرا سکتا تو اسے تصوف میں بیعت لینا ہی نہیں چاہیے وہ آدمیوں کا راستہ نہ روکے انھیں تلاش کرنے دے، وہ کوئی ایسا شخص تلاش کریں جو کم ازکم انھیں فنا فی الرسول تو کرا سکے لیکن ایک آدمی اگر تصوف سے واقف ہی نہیں ہے تو یہ ایسے ہے جیسے بیعت اصلاح کسی جاہل سے کر لی جائے ہاں اگر کوئی ایسا شخص نصیب ہو جو کم ازکم فنا فی الرسول کرا سکتا ہو تو پھر کلی طور پر اس کے ساتھ اپنے آپ کو وابستہ کر دے اور جہاں تک وہ منازل کرا سکتا ہے وہاں تک ضرور کرائے لیکن اگر وہ شخص واقعی اہل اللہ ہوگا تو کسی مقام پر جا کر آپ کو بتا دے گا کہ یہاں تک میرے منازل ہیں اور میں یہاں تک کرا سکتا ہوں۔اس سے آگے نہیں ہو سکتے۔اس سے آگے کی مجھے سمجھ نہیں ہے تو ایسی صورت میں اگر کوئی اس سے آگے چلانے والا شیخ مل جائے تو بعینہٖ ایسا ہے جیسے کوئی پرائمری، پھر مڈل، پھر ہائی سکول اور پھر کالج میں چلا جاتا ہے تو اس صورت میں جب دوسری جگہ بیعت کی جاتی ہے تو پہلے

جس شیخ نے تربیت کی اس کی عزت اس کا احترام اس کا احسان اپنی جگہ قائم رہتا ہے اب جن استادوں سے ہم نے پرائمری میں پڑھا تھا اگر ہم کالج میں چلے گئے تو یہ نہیں کہ ہم ان کی توہین کریں گے۔ ان کا احسان اپنی جگہ ہے۔ کالج کے لیے بنیاد انھوں نے فراہم کی اور آپ کی یہ بات کہ کسی نیک آدمی کو دیکھ کر اس کے تقویٰ اور علم وعمل کی تعریف کرنا مانع فیض ہے۔ یہ تو بڑی سادہ سی بات ہے۔ کسی بھی نیک کو نیک کہنا کیسے مانع فیض ہے کسی بھی اچھے آدمی کی عزت کرنا احترام کرنا یہ مانع فیض نہیں ہے مانع فیض یہ بات ہے کہ آپ کا شیخ کوئی ہو اور دل کہیں اور بھٹک رہا ہو تو ایسی صورت میں ادھر سے بھی نہیں ملے گا ادھر سے بھی نہیں ملے گا۔ عزت واحترام کا تو یہ قانون ہے۔ مولانا تھانویؒ نے اپنی بیان القرآن میں تصوف کے بہت سے مسائل قرآنی آیات سے اخذ فرمائے ہیں۔ **تو تلک الرسل فضلنا بعضهم علیٰ بعض منهم من کلم الله ورفع بعضهم درجت**. اس آیہ کریمہ کے تحت انھوں نے یہ اخذ کیا ہے کہ اللہ نے یہاں یہ ضرور فرمایا کہ بعض رسول بعض سے افضل ہیں یہ رسولوں کی جماعت ہے بعض بعض سے افضل ہیں یہ نہیں کہا کہ کوئی کسی سے کم ہے جب ایک افضل ہے تو دوسرا مفضول تو ہوگا لیکن اللہ کریم نے یہ نہیں کہا کہ کوئی رسول بڑا ہے اور دوسرا اس سے کم۔ فرمایا بعض بعض سے افضل ہیں فضیلت ضرور بیان فرمائی لیکن کسی کی درجاتی کمی کی طرف اشارہ نہیں فرمایا۔ اس لیے اہل اللہ میں یہ کہنا کہ فلاں جو ہے یہ بہت اعلیٰ درجے کا ہے یہ تو درست ہے لیکن یہ کہنا کہ فلاں کے مقام منازل بہت کم ہیں یہ جائز نہیں اللہ کریم نے یہ اسلوب پسند نہیں فرمایا اور نہ ہی خود اختیار فرمایا یہ نہیں فرمایا کہ بعض نبیوں کے منازل کم ہیں یا مقامات کم ہیں بلکہ فرمایا کہ بعض بعض سے افضل ہیں۔ تو اسی طریقے پر یہ کہنا کہ فلاں بزرگ جو ہیں وہ بہت اعلیٰ منازل رکھتے ہیں اس میں تو کوئی حرج نہیں لیکن یہ کہنا کہ فلاں کے منازل بہت کم ہیں۔ یہ جائز نہیں اس میں توہین کا پہلو نکلتا ہے۔

سوال: ساتھیوں سے سنا ہے کہ اگر ایک آدمی سالوں باقاعدگی سے ذکر اور مجاہدہ کرتا ہے لیکن اگر وہ ایک دفعہ بری مجلس میں بیٹھ جائے یا ذکر میں ناغہ کرلے تو وہ آدمی بڑی جلدی کیفیات کھو

بیٹھتا ہے ایسا کیوں ہوتا ہے حالانکہ خدا کی دی ہوئی نوازشوں میں زیادہ پائیداری ہونی چاہیے۔

جواب: اگر آپ ایک ایک پیالہ دودھ جمع کر کے ایک مٹکا بھر لیتے ہیں اور اس پر مہینہ خرچ ہو جاتا ہے اور پھر اس میں چند قطرے پیشاب ڈال دیں تو وہ زیادہ پائیداری کیا کرے گی؟ اس مٹکے میں کتنی پائیداری ہوگی اسی طرح اگر آپ ایک ایک قطرہ تیل اکٹھا کر کے ایک مہینے میں بتی تیار کریں اسے جلائیں اور ماحول میں روشنی ہو اور ایک پھونک سے اسے بجھا دیں تو اس نور کی پائیداری کیا کرے گی۔ یہ تو سادہ سی بات ہے میاں کمانا مشکل ہوتا ہے اور کھونا آسان۔ جمع کرنے کے لیے آپ کو عمر بھر محنت کرنی پڑتی ہے تو چند ٹکے بچا سکتے ہیں اور کھونے کے لیے ایک دن کا ایک لمحے کا جوا کافی ہوتا ہے اس لیے یہ دلیری کہ میں نے بہت عبادت کر لی ہے اور عبادت پائیدار ہے اور ایک آدھا گناہ بھی کر لوں یہ جائز نہیں ہے۔ گناہ بہر حال گناہ ہوتا ہے اور جہاں گناہ کی تفصیل فقہاء نے لکھی ہے صغائر اور کبائر کی مختلف احادیث کے حوالے سے وہ فرماتے ہیں گناہ کبھی صغیرہ نہیں ہوتا اس لیے کہ اس نگاہ سے دیکھا جائے کہ نافرمانی کی کس ذات کی ہے۔ گناہ بجائے خود چھوٹا سہی لیکن وہ چھوٹا گناہ بھی تو اللہ کی نافرمانی ہے اس لیے خطا کا ہو جانا یہ الگ بات ہے انسان ہے اور اس سے خطا ہو جاتی ہے خطا پر نادم ہونا توبہ کرنا، مغفرت چاہنا یہ درجات کو ضائع نہیں کرتا اس سے کیفیت رہتی ہے ایک ملاقات میں درست ہو جاتا ہے۔ شیخ کی ایک توجہ سے حال درست ہو جاتا ہے لیکن اگر اس پہ رہے کہ بھئی نیکی تو پائیدار ہے میں نے بہت سی نیکیاں کر لی ہیں اور اب گناہ بھی کر لوں تو وہ تو سب کو لے ڈوبتا ہے پائیداری کی بھی حدود ہیں۔ ایک لمحے کو بھی سورج اوجھل ہو جائے تو تاریکی تو چھا جائے گی اب آپ کہیں کہ دن بھر سورج رہا اب ایک لمحہ ڈوبا تو تاریکی کیوں آ گئی نور رہنا چاہیے تو جب نور کا ہالہ جو تھا وہی ڈوب گیا تو نور کہاں سے رہے گا۔ تاریکی تو فوراً آ جائے گی بھائی اس لیے بری مجالس سے اور برے کاموں سے بچنے کے لیے خلوص کیساتھ کوشاں رہنا اس کے لیے دعا کرتے رہنا اس کے لیے کوشش کرتے رہنا یہ ہماری ذمہ داری ہے توفیق دینا اللہ کی طرف سے ہے اور اگر کبھی خطا ہو جائے تو اس پر معافی مانگنا اس کا ازالہ کرنا یہ ضروری ہے۔

سوال: کیا مراقبہ مسجد نبوی ﷺ میں، حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں سالک اپنی حاجت کے لیے درخواست کر سکتا ہے جبکہ اسے مشاہدہ نہ ہوتا ہو؟

جواب: میرے بھائی ہم نے بزرگوں کو بھی دیکھا ہے اور اپنی عمر کا بھی الحمدللہ بہت سا حصہ اس راستے میں صرف ہو گیا ہے۔ گذارش کرنے میں شرعاً تو کوئی قباحت نہیں ہے لیکن فنافی الرسول جس بندے کو نصیب ہو میرے خیال میں اس میں اتنی جرأت ہی نہیں رہتی کہ بارگاہ نبوی ﷺ میں وہ کوئی دنیاوی بات کر سکے۔ اس بات کا اور اس بارگاہ کا جب آپس میں میل دیکھا جاتا ہے تو اس میں بڑا فاصلہ ہوتا ہے۔ آپ نے کبھی کسی کو چیونٹیاں مارنے کے لیے توپ چلاتے ہوئے نہیں دیکھا ہو گا۔ یہ الگ بات ہے کہ جنھیں فنافی الرسول نصیب ہو۔ اللہ ان کی سن لیتے ہیں اللہ ہر ایک کی سن لیتا ہے انھیں ذرا زیادہ توجہ نصیب ہوتی ہے تو میں نہیں سمجھتا کہ بندہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو براہ راست نبی کریم ﷺ سے زیر بحث لائے یا پیش کرے۔ میں آپ کو یہ صاف کہہ دوں کہ مجھ میں یہ ہمت کبھی نہیں ہوئی اور نہ یہ جرأت میں نے کبھی حضرت میں دیکھی تھی۔ پچیس برس سے زیادہ میرا ساتھ رہا۔ حضرت جی کی خدمت میں، کبھی کسی ایسی بات کو زیر بحث لانے کی نوبت نہیں آئی۔ بارگاہ نبوی ﷺ میں جب حضور ﷺ ہوتے ہیں تو اس کی اپنی ایک کیفیت، اس کا اپنا ایک رنگ ہوتا ہے۔ وہاں دنیا تو دنیا بندے کو تو آخرت بھولی ہوئی ہوتی ہے۔ اس مجلس کا کیف ہی کیف رہ جاتا ہے باقی تو کچھ رہتا نہیں۔ تو یہ چھوٹی چھوٹی چیزیں ہیں اور اللہ کریم نے ان کے لیے اجازت بخشی ہے کہ ہر وقت اس سے مانگی جائیں۔ دعا میں محبت اور مقام سے بڑا فرق پڑ جاتا ہے۔ مثلاً آپ سڑک پر کھڑے ہو کر دعا کر رہے ہیں اس کا ایک اور حال ہے آپ مسجد میں آ کر دعا کرتے ہیں تو اس جگہ کی تبدیلی سے بھی آپ کے مانگنے میں فرق پڑ جائے گا۔ اسی طرح دعا کے اثر میں بھی فرق پڑ جائے گا۔ اسی طرح آپ اکیلے بیٹھیں یا دس بندوں کے ساتھ مل کر دعا کرتے ہیں تو اس میں ایک اور کیفیت پیدا ہو جائے گی۔ اسی طرح آپ کسی نیک یا شیخ یا استاد کے ساتھ مل کر اپنے لیے دعا کرتے ہیں تو اس میں ایک اور کیفیت آ جائے گی اور اگر فنافی الرسول نصیب ہو تو

اس کیفیت میں جب آپ دعا کرتے ہیں تو ظاہر ہے اس کی وہ برکات اس میں شامل ہوں گی، اس کا ایک اور حال ہو جائے گا۔ تو بہر حال سیدھا طریقہ یہی ہے کہ اپنی حاجات اللہ کریم کے حضور ضرور پیش کی جائیں اب اس کے سوال کے ساتھ ایک دوسرا جز بھی ہے جبکہ اسے مشاہدہ نہ ہو۔ مشاہدہ سب کو نہیں ہوتا اور میں نے پہلے بھی عرض کیا ہے کہ مشاہدے کی طلب میں لوگوں نے بندوں کو تنہائی میں رکھنا، غذا کم کھانا، سونے کا وقت نہ دینا مشروط رکھا پھر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ دنیاوی امور سے کٹ گئے۔ مشاہدہ تو رہ گیا لیکن ان کی عملی زندگی ختم ہو گئی۔ معاشرے میں جو حصہ وہ لیتے تھے وہ ختم ہو گیا۔ جب عملی زندگی ختم ہوتی ہے تو وہ مشاہدہ تو رہ جاتا ہے ترقی درجات ختم ہو جاتی ہیں یعنی آگے ترقی نہیں ہوتی۔ چونکہ اس کا انحصار تو عملی زندگی پر ہے اور آخرت کا معیار تو ترقی درجات کے اعتبار سے ہوگا۔ مشاہدے کے حساب سے تو نہیں ہوگا۔ مشاہدہ تو جب موت آتی ہے تو کافر کو بھی ہو جاتا ہے۔ وہ بھی فرشتوں سے باتیں کرتا ہے، فرشتہ دیکھتا ہے، آخرت کو دیکھتا ہے۔ مشاہدہ تو ایک ہو جانے والا کام ہے بات تو یہ ہے کہ جب مشاہدہ ہوگا تو نظر کیا آئے گا، اس کے پاس کیا ہوگا، اس لیے ہمارے ہاں ضروری نہیں سمجھا جاتا کہ ہر بندے کو مشاہدہ ہو بلکہ مشاہدہ ہو جائے اللہ کا احسان ہے نہ بھی ہو تو وہ کیف اور حال جو اس کی ضرورت ہے وہ اس کے پاس ہونا چاہیے۔

سوال: اگر کوئی سالک دن رات زیادہ سے زیادہ مسجد نبوی ﷺ میں مشغول رہے تو کیا اسے دربار رسالت سے مسلسل فیض حاصل ہوتا ہے؟

جواب: صرف فیض ہی حاصل نہیں ہوتا رہے گا بلکہ دو عالم کی ساری مصیبتوں سے نجات کا سب سے آسان ذریعہ ہے۔ اگر آدمی صرف درود شریف بطور وظیفہ پڑھتا رہے اسے فنا فی الرسول نہ بھی نصیب ہو تو بھی حدیث شریف میں موجود ہے کہ دو عالم کی حاجات کے لیے سب سے اچھا وظیفہ یہی ہے۔ ایک صحابیؓ نے عرض کیا "یارسول اللہ ﷺ میں نے روزانہ وظائف کے لیے اتنا وقت مختص کیا ہوا ہے اور اس میں چوتھا حصہ وقت کا میں درود شریف پڑھا کرتا ہوں۔

اجازت لینا چاہتا تھا کہ کیا یہ ٹھیک ہے۔" تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ" اگر تم درود زیادہ کر لو تو بہتر ہے۔" تو اس نے کہا" یارسول اللہ ﷺ میں آدھا وقت درود پہ لگا دوں۔ باقی آدھا وقت باقی وظائف پر۔" تو فرمایا" اگر اس سے زیادہ کر سکو۔" تو اس نے کہا" یارسول اللہ ﷺ میں تین حصے وقت درود کے لیے مختص کر لیتا ہوں اور ایک حصہ باقی وظائف کے لیے ہے۔" آپ ﷺ نے فرمایا" اس سے اگر زیادہ کر لو۔" تو کہنے لگا" حضور ﷺ اس سے زیادہ تو یہ ہے کہ میں سب کچھ چھوڑ کر صرف درود ہی پڑھتا رہا کروں۔" فرمایا" اگر تم ایسا کرو تو نہ صرف دنیا کی حاجات پوری ہوں گی بلکہ آخرت کی حاجات کو بھی کفایت کرے گا۔" تو اگر کسی کا اکثر وقت فنا فی الرسول میں درود شریف پڑھتے ہوئے گزرے تو میرے خیال میں مانگنے کی نوبت نہیں آتی۔ دو عالم کی حاجت روائی کے لیے یہ کافی ہے۔

سوال: آپ کے ساتھ ذکر کرتا ہوں تو مراقبات ثلاثہ یا سیر کعبہ کے بعد غنودگی طاری ہو جاتی ہے۔ اس میں کوئی حرج تو نہیں؟

جواب: یہ کثرتِ توجہ سے ہوتی ہے اس میں کوئی حرج نہیں البتہ لطائف میں کوشش کی جائے کہ غنودگی نہیں آنی چاہیے۔ مراقبات میں آ جائے تو کوئی حرج نہیں، اسے آدمی روک نہیں سکتا اور وہ ترقی کو مانع نہیں ہوتی

سوال: ایک اہل اور کامل شیخ یا مرشد کا بحیثیت روحانی گائیڈ کے کیا فنکشن ہے؟ کیا وہ صرف اور صرف بیعت اور ذکر کروانے پر مامور ہوتا ہے؟

جواب: شیخ کامل کا کام طالب کو دینی تعلیم سے آشنا کرنے کے ساتھ اس کے دل میں نیکی پر عمل کرنے کی طلب پیدا کرنا اور برائی سے اجتناب کی کیفیت پیدا کرنا ہے، تاکہ اس کا رجحان ظلمت سے نور کی طرف شروع ہو جائے اور یوں بندہ ہر لحظہ بہتری کی طرف بڑھتا رہے۔

سوال: حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے سامنے تصور شیخ کا مسئلہ پیش ہوا تو آپ جوش میں آ گئے اور فرمایا کہ کئی سال تک حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی تصویر میرے قلب میں رہی اور میں نے کوئی کام حاجی صاحب سے پوچھے بغیر نہیں کیا حالانکہ حضرت صاحب مکہ مکرمہ میں ہوتے تھے جبکہ میں ہندوستان میں ہوتا تھا پھر اس قلب میں محمد رسول اللہ ﷺ کی تصویر رہی بغیر آپ ﷺ کے پوچھے میں نے کوئی کام نہیں کیا پھر فرمایا آگے بھی کہہ دوں آگے بھی کہہ دوں پھر خاموش ہو گئے ظاہر ہے اب اللہ کا نام لینے والے تھے۔ اس کی وضاحت فرما دیجئے۔

جواب: یہ جو انھوں نے تصویر کہہ دیا ہے یہ محض بات سمجھانے کے لیے کہہ دیا بات یہ ہے کہ ہر سلسلہ سلوک میں سب سے پہلے رابطہ شیخ سے کرایا جاتا ہے جب وہ مضبوط ہو جاتا ہے تو پھر اسی رابطے پر بنیاد رکھی جاتی ہے، فنافی الرسول کی یہ صرف واحد سلسلہ عالیہ ہے جس میں سے تصور شیخ اور رابطہ بالشیخ سے نکال کر براہ راست فنافی الرسول تک لے جانے کا کام کیا گیا ہے باقی تمام سلاسل میں یہی ہوتا ہے ان کا تصویر سے مراد قلبی رابطہ ہے۔

سوال: حضرت کا لفظ کب اور کس کے لیے استعمال کیا جاتا ہے؟

جواب: یہ ایک لغوی اصطلاح ہے اور ہر اس آدمی کے لیے اس کا استعمال اہل زبان نے شروع کیا جس کی کچھ اہمیت ہو۔ جس کے پاس کچھ لوگ حاضر ہوتے ہوں۔ عام آدمی کے لیے نہیں۔ اہل لغت کے نزدیک اس آدمی کو حضور یا حضرت کہتے ہیں جس کے پاس جانے والے مؤدب ہو کر اس کی بات سنتے ہوں اور اسے ایک خاص احترام دیتے ہوں۔ اب چاہے وہ حاکم ہے، استاد ہے یا وہ شیخ ہے۔ رویے یا حاضری کی وجہ سے حضرت کا یا حضور کا لفظ وجود میں آیا ہے۔ یہ لفظ زیادہ اردو میں استعمال ہوتا ہے۔ عرب میں آنے جانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، حَضَر فلاں (فلاں فلاں کے پاس حاضر ہوا)۔ جس طرح ادب اور احترام کے معنی میں اردو میں استعمال ہوتا ہے، اسی معنی میں عربی میں استعمال نہیں ہوتا۔ عربی میں عام آنے جانے میں، حاضر ہونے میں استعمال ہوتا ہے۔

سوال: دوامِ حضور کی کیفیات کیا ہے؟

جواب: یہ تو وہی جانے جنھیں نصیب ہوتی ہیں۔ کیفیات نہ الفاظ میں سمجھائی جاسکتی ہیں نہ ان کے لیے الفاظ ہوتے ہیں۔ کیفیات محسوس کی جاسکتی ہیں لکھی پڑھی اور بیان نہیں کی جاسکتیں۔ دوام حضور میں حضوری حاصل رہتی ہے جبکہ وہ کام کوئی دوسرا کر رہا ہوتا ہے۔ دیکھ دوسری طرف رہا ہوتا ہے، بات دوسرے سے کر رہا ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود وہ حال اس کا قائم رہتا ہے اور یہ کیسے نصیب ہوتی ہے یہ اللہ کی عطا سے نصیب ہوتی ہے یہ زبردستی نہیں ہوتی۔ ہر آدمی دعا کر سکتا ہے ہر آدمی مجاہدہ محنت کر سکتا ہے۔ لیکن میں نے بارہا عرض کیا ہے کہ یہ جو نعمتیں ملتی ہیں یہ ثمرات ہوتے ہیں اور ثمرات ہمیشہ اللہ عطا کرتا ہے۔

سوال: درود شریف میں آل محمد ﷺ سے کیا مراد ہے جبکہ نبی کریم ﷺ کی اولاد نرینہ بقید حیات نہیں ہے۔

جواب: یہاں یہ کہنا درست نہیں ہے کہ آل محمد ﷺ اس لئے نہ کہا جائے کہ آپ ﷺ کی اولاد نرینہ بقید حیات نہیں ہے۔ حضرت فاطمہؓ کی اولاد حضور ﷺ کی ہی اولاد ہے۔ دوسرا قرآن حکیم نے لفظ آل کو خود متعدد جگہ استعمال فرمایا ہے۔ سب سے پہلے سورۃ بقرہ میں آتا ہے **واغـرقـنـا فـرعون وال فرعون** تو فرعون کے ساتھ کیا اس کی اولاد نرینہ غرق ہوئی تھی؟ آل کا مفہوم ہوتا ہے پیروکار، ماننے والے، ساتھ چلنے والے، مطیع، اطاعت کرنے والے۔ جیسے آپ پنجابی میں کہتے ہیں فلاں آدمی اور اس کا سارا ٹولہ۔ یہ جو ٹولہ کہتے ہیں اس کی اگر عربی میں بات کریں گے تو آپ اس کے نام کے ساتھ آل لگا دیں گے۔ اس کی جماعت، پیروکار یا اطاعت گزار اور اسی طرح قرآن حکیم میں جہاں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے جس نام کے ساتھ ہوا ہے اس سے پیروکار مراد لیے گئے ہیں۔ یہاں بھی درود حق ہے محمد رسول اللہ ﷺ کا اور آپ ﷺ کے نام نامی کے سوا آپ کسی پر درود نہیں پڑھ سکتے کسی نبی پر بھی نہیں آپ کسی پر بھی اگر صلوٰۃ کا لفظ پڑھیں گے تو نبی

کریم ﷺ کے حوالے سے پڑھیں گے۔ جیسے حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام تو یہ درست ہوگا ہمارے نبی پر اور ان پر درود بھی ہو اور سلام بھی ہو لیکن اگر آپ نبی کریم ﷺ کا ذکر نہیں کریں گے تو آپ کہیں گے حضرت موسیٰ۔ سلام کا حکم تو قرآن میں سب نبیوں کے لیے موجود ہے صلوٰۃ کا حکم صرف محمد رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے اور صلوٰۃ سے مراد ہے اللہ سے طلب رحمت کرنا۔ درود اس کا ترجمہ ہے۔ درود لفظ درہ یا درو سے ہے۔ درود کا معنی ہے مسلسل جاری رہنے والا اور اس کو درود اس لیے کہا گیا ہے کہ قرآن نے فرمایا۔

ان اللّٰہ وَ ملٰیکتہ یصلون علی لنبی. اللہ اپنے نبی ﷺ پر صلوٰۃ بھیجتا ہے اس کے فرشتے اللہ کے نبی پر صلوٰۃ بھیجتے ہیں تو یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ کا فعل منقطع نہیں ہوتا اس میں دوام ہے۔ اب ایک کام ہو رہا ہے ہمارے کہنے سے تو نہیں ہوتا وہ تو ہو رہا ہے اللہ کریم بھیج رہے ہیں سارے فرشتے بھیج رہے ہیں۔ صلوٰۃ والسلام ہمارے کہنے سے ہمیں یہ سعادت بخشی گئی کہ تم نہ بھی کہو تو وہ نعمت تو وہاں نازل ہو رہی ہے ہاں تم یہ دعا کر کے خود کو سعادت مند ثابت کر لو گے خود اپنے لیے اس میں سے برکات حاصل کر لو گے تمہارے کہنے کا مطلب یہ ہوگا کہ جو نعمت اللہ کریم مسلسل نازل فرما رہے ہیں اس دعا کے طفیل تمھیں بھی اور برکات نصیب ہوں اور یہ ہماری ضرورت ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی شان یہ ہے کہ آپ کی وساطت جسے نصیب ہو جائے اسے وہ خاص رحمت باری کا استحقاق نصیب ہو جاتا ہے جو صرف آپ کا خاصہ ہے۔ جیسے والد کی وراثت کا بیٹا یا اس کی اولاد مستحق ہوتی ہے۔ اسی طرح نبیؐ کی برکات کا وہ امتی مستحق بنتا ہے جو واقعی امتی ہو اسی لیے آل محمد کہا گیا۔ آل محمد میں وہی لوگ آئیں گے جو واقعی خلوص دل سے آپ ﷺ کے امتی ہیں اور جن کا امتی ہونا ثابت نہیں ہوگا وہ آل میں بھی شامل نہیں ہوں گے اور نہ ہی برکات میں شامل نہیں ہوں گے۔ درود شریف کی خصوصیت یہ ہے کہ اہل حق فرماتے ہیں کہ ہر دعا کے پہلے اور آخر درود شریف پڑھا جائے اس لیے کہ درود وہ دعا ہے کہ اس کے بعد کچھ آپ مانگیں نہ مانگیں یہ پوری ہو رہی ہے۔ اگر آپ درود پڑھتے ہیں اور دعا کا خاتمہ بھی درود پر کرتے ہیں تو فرماتے ہیں اللہ سے یہ بعید ہے کہ پہلی بات بھی مان لے آخری بھی مان لے اور درمیان کی چھوڑ دے یہ اس کی

شان کے خلاف ہے۔

سوال: کچھ عرصہ سے میں آپ کو دربار نبوی ﷺ میں حضرت جی مولانا اللہ یار خان صاحبؒ کے ساتھ کرسی پر بیٹھا دیکھتا ہوں اور ساتھ میں ایک اور کرسی خالی پڑی ہے۔ خالی کرسی کس کے لیے ہے اور آپ دنیا میں ہوتے ہوئے وہاں کیسے دیکھے جاتے ہیں؟

جواب: دربار نبوی ﷺ میں خلفائے راشدین کی چار کرسیاں ہیں جو کہ حضور ﷺ کے بائیں طرف ہیں۔ ان کے بالکل پیچھے چار اور کرسیاں ہیں جن پر ایسے اولیاء اللہ بیٹھتے ہیں جن کی وجہ سے دنیائے اسلام کی بڑی خدمت ہوئی اور انھوں نے دنیا میں دین اسلام کو ایک مشن اور ایک انقلاب بنادیا پہلی کرسی پر حضرت عبدالقادر جیلانیؒ ہیں ان کے اثرات آج تک محسوس کیے جاتے ہیں۔ ان کے سلسلہ میں اب بھی کچھ صاحب حال لوگ مل جاتے ہیں۔ دوسری کرسی پر مولانا اللہ یار خان صاحبؒ ہیں۔ انھوں نے موجودہ دور میں روحانی تربیت کی مضبوط بنیاد رکھی اور اسے مزید سے آگے چلانے اور روحانی تربیت پھیلانے کا کام منجانب اللہ میرے سے لیا جارہا ہے اس وجہ سے تیسری کرسی پر میری روح بیٹھی نظر آتی ہے چوتھی کرسی پر امام مہدی آئیں گے۔ اس سلسلے کے لوگ ان کو ملیں گے۔ درمیانی عرصہ میں سلسلہ چلتا رہے گا مگر اس پایہ کے لوگ نہ ہوں گے۔

سوال: روح کو نہ تو زوال ہے نہ فنا ہے تو پھر یہ کیسے ہے کہ دنیا میں کافر بھی ہے مسلمان بھی اور ان کے اعمال کا اثر کیسے ہوتا ہے؟

جواب: روح دو طرح سے ہے ایک تو بالکل اس طرح ہے جیسے ہر ذی روح میں ہے اسے آپ انرجی کہہ لیں جس کے سبب جسم میں حیات رواں ہے اور دوسرا انسانی شرف جو اس میں ہے وہ یہ کہ انسان میں تجلی عالم امر سے ہے وہ ہر پیدا ہونے والا لے کر پیدا ہوتا ہے لیکن جب وہ بالغ ہوتا ہے تو اگر وہ کفر اختیار کرتا ہے تو اس سے اس کا تعلق کٹ جاتا ہے لیکن اس میں اس تعلق کو دوبارہ جوڑنے کی استعداد باقی رہتی ہے، اس کے تعلق کٹ جانے کی دلیل یہ ہوتی ہے کہ پھر اس

میں پاکی پلیدی، نیک بدکا احساس مٹ جاتا ہے اوراس کی زندگی جانوروں کی طرح ہو جاتی ہے۔ جوفطری تقاضے ہیں ان کے تابع ہو جاتا ہے لہٰذا کسی کافر کو آپ ایسا نہیں پائیں گے کہ وہ معقول یا نامعقول کو دیکھ سکے۔ بلکہ ہر کافر صرف دنیوی حکومت کے قانون کو دیکھ سکے گا۔ اس سے ڈرے تو ڈرے کسی اخلاقی قدر کی پرواہ نہیں کرے گا۔ اس لیے کہ وہ اپنی عادت کے تابع ہو جاتا ہے اس میں وہ انسانی عظمت رہتی ہی نہیں۔ اس تجلی سے تعلق کٹ جانے کے سبب باقی جسم اوراس کا حیوانی روح جہنم کی سزا بھگتے گا۔ کیونکہ وہ تو ایک تجلی باری ہے اسے تو جہنم میں نہیں جانا۔ دل کی ہر برائی یا بیماری اس کے ساتھ واپس تعلق قائم کرنے کی استعداد کو متاثر کرتی ہے۔ تو اگر برائی کرتے کرتے وہ حیوانی درجے پہ چلا گیا تو پھر حضور ﷺ کی بعثت سے اسے فائدہ نہ ہوا اور آپ ﷺ کی دعوت بھی اسے متاثر نہ کر سکی اس لیے کہ وہ اپنی وہ استعداد ضائع کر چکا تھا۔ جن لوگوں میں وہ استعداد موجود تھی انھوں نے جیسے ہی حضور ﷺ کو دیکھا اور سنا ایمان لے آئے۔ بلکہ بعض ایسے تھے جو حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے بھی شرک میں مبتلا نہیں ہوئے تھے سیّدنا فاروق اعظمؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ یہ ایسے لوگ تھے کہ بعثت نبوی ﷺ سے پہلے بھی ان سے شرک ثابت نہیں ہے۔ مزاجاً اس طرف نہیں جاتے تھے۔ اگر پہلے نبیؑ کی تعلیم نہ ہو روح کا تعلق باقی رہے تو ان آثار کائنات کو دیکھ کر عظمت باری ذہن میں رہتی ہے جو واحد ہے لاشریک ہے۔ اگر تعلیمات نبوت نہ پہنچیں تو اس کی نجات کے لیے صرف یہ کافی ہے کہ وہ اللہ کو واحد جانتا ہو۔ ایسا آدمی جو شواہد قدرت کو دیکھ کر اللہ کی عظمت کا قائل ہو اور اسے وحدہٗ لاشریک مانتا ہو اس کی زندگی متوازن ہوگی۔ یہ ایک فطری عمل ہوتا ہے لیکن جب اس سے گزر جاتا ہے تو زندگی غیر متوازن ہو جاتی ہے۔ حلال حرام جائز ناجائز یا اخلاقی اقدار سب بھول جاتی ہیں۔ آج کا کافر معاشرہ ہمارے سامنے ہے۔

سوال: روحانی بیعت میں حضور اکرم ﷺ کی طرف سے جو کچھ عطا ہوتا ہے اس کی اہمیت کے بارے میں کچھ ارشاد فرمائیں۔

جواب: یہ بڑی عجیب بات ہے کہ جسے بھی روحانی بیعت نصیب ہوتی ہے اسے نبی اکرم ﷺ

ہے۔ چونکہ ایسا بندہ جس کی کوئی تربیت نہیں کرے گا جسے کوئی سکھائے گا نہیں بلکہ من جانب اللہ اسے ایک استعداد عطا کر دی جائے گی اور پھر وہ کہہ دے گا کہ میں وہ شخص ہوں۔ ہو سکتا ہے اس سے آگے کوئی سلسلہ چل پڑے۔ امام مہدی کے بارے جتنی خبر ملتی ہے اس میں یہ کہیں نہیں ملتا کہ وہ کس سلسلے سے ہوں گے یا کس سلسلے سے ان کا تعلق ہوگا۔

سوال: سلاسل کی حقیقت کیا ہے؟ نسبت سلسلہ اویسیہ کی وضاحت فرما دیجئے۔

جواب: سلاسل کی حقیقت یہ ہے کہ ایک منزل کی طرف کئی راستے ہیں۔ افغانوں کے ٹرکوں پہ ایک جملہ لکھا ہوتا ہے کہ

منزل دا تولو یو دے

لارے جدا جدا

"کہ منزل سب کی ایک ہے راستہ اپنا اپنا ہے۔" تو سلاسل میں اگر کوئی فرق ہوتا ہے تو طریقہ ذکر کا ہوتا ہے یا نسبت میں فرق ہوتا ہے۔ کسی کی مضبوط ہوتی ہے کسی کی اس سے کم مضبوط ہوتی ہے کسی کی زیادہ مضبوط ہوتی ہے لیکن مقصد سب کا ایک ہی ہوتا ہے اور منزل بھی سب کی ایک ہی ہوتی ہے اور برکات بھی تمام سلاسل میں نبی کریم ﷺ ہی کی ہوتی ہیں تو اپنی محنت مجاہدہ اس کے اوقات اس کے طریقہ کار، شیخ کا توجہ دینے کا طریقہ سیکھنے کا طریقہ ان میں فرق ہوتا ہے لیکن سکھاتے سارے اللہ ہی کا نام ہیں۔ برکات سارے نبی کریم ﷺ کی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ رضائے الہی کے طالب سارے ہوتے ہیں۔ کوئی سلسلہ کسی سلسلے کے خلاف یا متصادم نہیں ہے۔ ہمارے ہاں تو برصغیر میں چاروں سلاسل معروف ہیں لیکن سلاسل بہت سے ہیں اور جو دنیا میں تھے ختم ہو گئے بہت سے ایسے ہیں جو دنیا کے مختلف ممالک میں مسلمانوں میں چل رہے ہیں جنھیں ہم نہیں جانتے یا برصغیر کے لوگ نہیں جانتے۔ ہوتا یہ ہے کہ ایک خاص مقام تک یا عرشی منازل تک تو ہر سلسلے میں ترقی ہوتی رہتی ہے اور ہر سلسلے کا طریقہ کار ترقی کا یہی ہے کہ جب طالب شیخ کے پاس جاتا ہے تو وہ اسے جتنی اس نے محنت مجاہدہ کر کے استعداد جمع کی ہوتی ہے اتنا آگے چلا دیتا

ہے پھر الگ ہو گئے تو اپنی جگہ مجاہدہ کرتے رہے محنت کرتے رہے اور پھر جب حاضری ہوئی تو جتنا نصیب تھا اتنا اور آگے چل گئے۔ اور نسبت اویسیہ کی جو فضیلت ہے وہ یہ ہے کہ کسی بھی سلسلے میں ہو ترقی بہر حال ہر سلسلے میں شیخ کی صحبت میں آ کر ہوتی ہے لیکن کسی بھی سلسلے کا کوئی فرد اگر منازل عرشی طے کر جائے اور عالم امر میں قدم رکھے تو اسے یہ نسبت نصیب ہو جاتی ہے اور یہ استعداد نصیب ہو جاتی ہے کہ پھر وہ کہیں بھی رہے اور کتنے عرصے بعد بھی شیخ کو ملے اسے ایک حضوری نصیب ہو جاتی ہے وہ جہاں بھی ہوتا ہے اس کے منازل ترقی کرتے رہتے ہیں۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ ایک جگہ پر جا کر سارے ہی نسبت اویسیہ میں آ جاتے ہیں۔

نسبت اویسیہ اسے اس لیے نہیں کہا جاتا کہ اس کے حضرت اویس قرنیؓ مشائخ میں سے ہیں۔ نہیں بلکہ اس لئے کہ حضرت اویس قرنیؓ کو ایسی نسبت نصیب ہوگئی تھی کہ انھیں بارگاہ نبوت ﷺ میں حضوری تو نصیب نہ ہو سکی لیکن حصول فیض انھوں نے بے شمار حاصل کیا۔ بعض شرعی وجوہات کی وجہ سے وہ سفر نہ کر سکے اور بارگاہ عالی ﷺ میں حاضر نہ ہو سکے لیکن ان کا عشق ان کا جذبہ اور نبی کریم ﷺ کی ذات کے ساتھ ان کی محبت ان کی اطاعت وہ سب اتنی تھی کہ انھیں دور رہ کر بھی برکات نبوت ﷺ پہنچتی رہیں حتیٰ کہ حضور اکرم ﷺ نے اپنے وصایا میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ میرے بعد جب موقع ملے تو اویس کے پاس جانا اسے میرا سلام بھی کہنا اور اسے یہ بھی کہنا کہ میری امت کی بخشش کی دعا بھی کرتے رہنا۔ سیدنا فاروق اعظمؓ اپنے عہد خلافت میں وہاں تشریف لے گئے ان سے ملے بھی اور حضور ﷺ کا سلام بھی پہنچایا۔ یہ اتنی بڑی بات ہے کہ شاید دنیا میں کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہوئی یہ ان کی انفرادی عظمت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اتنی شفقت کا اظہار فرمایا تو جس طرح انھیں دور رہ کر بھی اتنا قلبی تعلق نصیب ہو گیا تھا کہ وہ برکات وصول ہوتی رہیں اس طرح کا تعلق نصیب ہو جائے تو اسے نسبت اویسیہ کہتے ہیں شاہ ولی اللہؒ نے روحانی سلاسل پر ایک پوری کتاب لکھی ہے۔"الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ" تو اس میں جہاں تک مجھے یاد ہے۔ مدت ہوئی کتاب دیکھے غالباً چودہ سلاسل کا تذکرہ انھوں نے فرمایا ہے جو ان کی معلومات میں یا ان کے علم میں تھے اور اس میں انھوں نے نسبت اویسیہ کا تذکرہ بھی فرمایا ہے اور وہ لکھتے ہیں

کہ نسبت اویسیہ اللہ کی ایسی عجیب نعمت ہے کہ اس کے مشائخ کا جب ظہور ہوتا ہے اور سلسلہ چشمے کی طرح جب پھوٹتا ہے تو روئے زمین کو سیراب بلکہ جل تھل کر دیتا ہے اور پھر ایسا وقت آتا ہے کہ وہ لوگ دنیا سے سفر کر جاتے ہیں پیچھے کوئی اس پائے کا نہیں رہتا جس طرح دریا ریت میں جذب ہو جاتا ہے یہ زیر زمین چلا جاتا ہے پتہ ہی نہیں چلتا کہ کہیں کوئی ہے بھی یا نہیں۔ اور پھر جب اللہ چاہتا ہے تو پھر اس کا ظہور ہوتا ہے اور اس طرح فیض عام ہو جاتا ہے۔ اب آپ دیکھیں سوا چودہ سو سال میں ہمارے شجرہ میں دس گیارہ اسمائے گرامی ہیں۔ مشائخ عظام میں کہیں دو سو سال کا فرق ہے اور کہیں چار سو سال کا تو یہ ایک عجیب نسبت ہے جس کا تعلق قلبی کیفیات' عقیدت، ادب و احترام اور اطاعت سے ہے۔ ایک جذبہ عشق ہے ایک جنون ہے ایک ایسی کیفیت ہے کہ بندہ رہتا تو دنیا میں ہے اسے بھوک بھی لگتی ہے اس کے کاروبار بھی ہوتے ہیں سب کچھ چلتا ہے لیکن فوقیت اور ترجیح وہ الفت الٰہی' حضور الٰہی اور ذکر اذکار کو دیتا ہے۔

سوال: ذکر قلبی جس میں کسی لمحہ غفلت واقع نہیں ہوتی، کیا صرف لطیفہ قلب ہونے سے حاصل ہو جاتا ہے؟ اگر نہیں تو پھر سلوک کے کونسے سبق پہ ذکر دوام نصیب ہوتا ہے؟

جواب: اگر لطیفہ قلب جلدی ہو جائے اور بفضل اللہ ایک توجہ میں ہو جاتا ہے تو ذکر میں غفلت نہیں آتی، قلب ذکر کرتا ہی رہتا ہے۔ اگر چہ اس کی قوت فریکونسی (Frequency) الگ ہوتی ہے۔ شروع میں وہ بہت تھوڑی ہوتی ہے، محسوس نہیں ہوتی پھر ذرا مضبوط ہو جاتی ہے پھر اور مضبوط ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ ایک ایسے درجے پر پہنچ جاتی ہے کہ آدمی عمداً متوجہ نہ ہو پر اس کے فزیکل دماغ میں سے پھر بھی اللہ کی یاد نکلتی نہیں۔ وہ اس میں اتنا مضبوطی سے جڑ جاتا ہے کہ کام خواہ دنیا کا ہی کر رہا ہو عمداً متوجہ نہ بھی ہو تو بھی عظمت الٰہی اس سے اوجھل نہیں ہوتی۔ لیکن اگر اس درجے کو نہ پہنچے تو جیسے ہی لطیفہ قلب جاری ہو جائے تو ذکر منقطع نہیں ہوتا۔

یہاں ایک بزرگ، بوڑھے سے اور غریب مزدور آدمی تھے، وہ حضرت اللہ یار خانؒ کے پاس تشریف لائے۔ حضرتؒ نے لطائف کرا دیے۔ جب بھی مجھے نور پور سے پیدل سیتھی تک جانا ہوتا

تو وہ میرے ساتھ تین چار فرلانگ چل پڑتے۔ یوں کبھی کبھی ان سے ملاقات ہو جاتی۔ بالکل ضعیف آدمی تھے۔ ہم سارا راستہ اپنے اپنے لطائف کرتے رہتے تھے۔ وہ تین چار فرلانگ ساتھ چل کر کہتے تھے میرا مسئلہ حل ہو گیا ہے میں واپس جا رہا ہوں۔ کوئی سال ڈیڑھ سال بعد ان کی وفات ہو گئی۔ ہم تین چار ساتھی تھے یہاں، اور رات دن ذکر کا پروگرام رہتا تھا تو ہمیں ان کے جنازے پہ جانے کا اتفاق ہوا۔ انھیں ذکر میں آئے ابھی وقت بھی تھوڑا ہوا تھا اور توجہ بھی لطائف پر ہی دی تھی۔ تو دور سے ان کا جنازہ نکلتے دیکھا تو ایسے لگتا تھا کہ ایک شعلہ ہے جو بہت بلندی تک جا رہا ہے۔ لطائف کا جو ذکر ہے وہ موت سے بھی ختم نہیں ہوتا۔ وہ مسلسل اپنا کام کرتے رہتے ہیں۔ بدن کے ذرات (Cells) تک ذاکر ہو جاتے ہیں اور ایسے لوگ جہاں دفن ہوتے ہیں۔ اس قبر کا نشان بھی ملتا رہتا ہے۔ وہاں سے مسلسل ذکر کے انوارات اٹھتے رہتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ اس کی جو طاقت ہے وہ بڑھتی ہی رہتی ہے۔ جسے آپ فریکونسی کہہ سکتے ہیں۔ اس میں جتنا وقت مل جائے اور جتنی محنت ہو وہ بڑھتی رہتی ہے۔

دو صحابیؓ اکٹھے مسلمان ہوئے اور ایک کا وصال ہو گیا۔ دوسرے کا کچھ عرصے بعد وصال ہوا تو نبی کریم ﷺ سے کسی نے پوچھا کہ یہ دونوں اکٹھے مسلمان ہوئے تھے۔ بڑی جلدی جلدی ان کا وصال بھی ہو گیا تو ان دونوں میں سبقت کون لے گیا۔ فرمایا جو کچھ دن بعد فوت ہوا، یعنی اسے کچھ دن مزید عمل کرنے کی مہلت مل گئی۔ لہٰذا جتنا کوئی مجاہدہ و ذکر کرتا اور لطائف پر زور لگاتا ہے اتنی اس کی طاقت بڑھتی جاتی ہے اور اتنے ہی اس کے اثرات عملی زندگی، سوچ، ارادوں اور اللہ جل شانہ کی حضوری پر بڑھتے جاتے ہیں۔ اگر چہ محروم وہ بھی نہیں ہوتا جسے ایک توجہ نصیب ہو جائے۔

سوال: جس فیلڈ میں آدمی کام کر رہا ہو اور وہ شریعت مطہرہ کے مطابق ہو تو اس کام میں توجہ رکھے یا عمداً ذکر کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے؟

جواب: کام کے وقت پوری توجہ کام کو دینی چاہیے۔ ذکر کا نظام ایسا ہے کہ جو ذکر کے اوقات ہیں جب آپ فارغ ہیں تو عمداً اس کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ اگر چہ آپ عمداً متوجہ نہ بھی ہوں تو

یہ از خود آپ کو اپنی طرف متوجہ کیے رکھے گا۔ ذکر میں ایک اور کمال یہ بھی ہوتا ہے کہ اس سے کام کرنے کی قوت بھی آ جاتی ہے اور کام کو سمجھنے کی استعداد بھی بڑھ جاتی ہے۔ انوارات الٰہی دماغی اور جسمانی قوتوں کے ساتھ ساتھ قوتِ برداشت کو بھی بڑھاتے ہیں۔ نہ صرف یہ کہ ذاکر غیر ذاکر کی نسبت زیادہ کام کر سکتا ہے بلکہ تھوڑے وقت میں زیادہ کام کر سکتا ہے اور زیادہ دیر تک زیادہ دانائی سے کام کر سکتا ہے۔

ذکر قلبی کیا ہی اس لیے جاتا ہے کہ آپ کام کر رہے ہوں یا سو رہے ہوں، یہ اس کو مانع نہیں ہے۔ اس میں انقطاع نہیں آتا۔ لسانی ذکر میں رکاوٹ آ جاتی ہے لیکن قلبی ذکر از خود جاری رہتا ہے اور اس کے اثرات کام اور عمل پر بھی محسوس ہوتے رہتے ہیں۔

سوال: کیا درود شریف کے لیے وضو شرط ہے؟

جواب: وضو بجائے خود فرض نہیں ہے، صرف نماز کے لیے فرض ہے۔ نماز کے علاوہ طہارت کافی ہے۔ جب کوئی حوائج ضروریہ کے لیے جاتا ہے تو پانی سے طہارت کرے، وہ کافی ہے۔ جب مسجد قبا کے لوگوں کی بات ہوئی اور یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ **واللّٰہ یحب المطھرین**۔ اللہ پاکیزہ لوگوں کو پسند فرماتا ہے۔

تو نبی کریم ﷺ نے امت کی تعلیم کے لیے ان پر سوال کیا کہ آپ ایسا کونسا عمل کرتے ہیں کہ اللہ نے آپ کی ادا کو پسند فرمایا ہے؟ تو انھوں نے عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ جب ہم کبھی بھی حوائج ضروریہ کے لیے جاتے ہیں تو پانی سے طہارت کرتے ہیں۔

کسی بھی وظیفے یا زبانی قرآن شریف پڑھنے کے لیے وضو شرط نہیں ہے۔ باوضو ہونا بجائے خود ایک عبادت ہے۔ کوئی شخص جتنی دیر باوضو رہا یہ بجائے خود ایک عبادت ہے۔ ہر وقت باوضو رہنا نہ کسی کے بس کی بات ہے اور نہ اللہ نے کوئی ایسی تکلیف دی ہے۔ وضو فرض صرف نماز کے لیے ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ کم از کم طہارت ضرور کی جائے۔ پانی سے طہارت نہ کی جائے تو آپ کاغذ یا مٹی کے ڈھیلے سے کرتے ہیں۔ اس میں احتمال ہوتا ہے کہ نجاست کا کوئی ذرہ کہیں لگا رہے

گا یا کوئی جگہ ناپاک رہ جائے گی۔ جبکہ پانی سے طہارت کرلی جائے تو اس میں ناپاکی کا احتمال نہیں رہتا، اور آدمی طاہر ہوجاتا ہے۔

سوال: سلسلہ چشتیہ والے سماع اور قوالی کے قائل ہیں اس کے بارے میں شریعت کیا اجازت دیتی ہے؟

جواب: اگر نعت خوانی یا بامعنی اچھے اشعار بغیر ساز وغیرہ کے پڑھے جائیں تو یہ تو نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں بھی ثابت ہے۔ حضرت حسان بن ثابتؓ یا دوسرے شعراء آپ ﷺ کی محفل میں آپ ﷺ کے نعتیہ یا مدح کے اشعار یا کفار کی ہجو بھی کی جاتی تھی بلکہ آپ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ ان کی ہجو لکھو۔ البتہ یہ جو ساتھ اب ساز وغیرہ ملا لیتے ہیں تو جو کرتے ہیں ان کے پاس ہوگی کوئی دلیل ہمارے ہاں یہ نہیں ہے تو ہمیں اس میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔

ہوتا یہ ہے کہ جب حقائق رخصت ہوجاتے ہیں تو رسومات رہ جاتی ہیں۔ تو اصل مسئلہ یہ نہیں ہے کہ سماع اور قوالی جائز ہے یا نہیں، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ بہت کم لوگ ایسے رہ گئے ہیں جو قلبی کیفیات کے حامل ہوں یا ان میں اتنی قوت ہو کہ اگر کچھ کیفیات ہیں بھی تو اسے دوسرے میں بھی منتقل کرسکیں۔ جب وہ چیزیں جو اصل ہیں، نہیں رہتیں تو رسومات اور رواجات، شعر و شاعری، ساز آواز (ان میں ایک کیفیت تو ہوتی ہے) میں لوگوں کو مصروف رکھا جاتا ہے۔

سوال: ''مراقبہ موتو'' میں سالک کی روح جنت تک پہنچ جاتی ہے اور انعامات کا مشاہدہ کرتی ہے جبکہ قرآن مجید میں ہے کہ اللہ نے متقین کے لیے ایسی نعمتیں تیار کی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہیں نہ کسی کے دل میں خیال آیا ہے؟

جواب: میرے بھائی مجھے پچالیس سال ہوگئے ہیں مراقبہ موتو کرتے ہوئے، ہم نے تو کبھی کوئی ایسی جنت نہیں دیکھی۔ اگر روح مشاہدہ کرتی بھی ہے تو وہ بالکل سرسری سا مشاہدہ ہوتا ہے اس میں کیا پتہ چلتا ہے کہ جنت کیا شے ہے۔ ایک ہوتا ہے کہ روح کسی چیز کا مشاہدہ کرے۔ اس

میں یہ نہیں ہوتا کہ وہ ساری چیزیں دیکھ رہی ہے۔ پل صراط یا عرصہ محشر یا باب الجنت یا حور مقصورفی الخیام۔ ایک خاص خیمہ کے مشاہدے کو جنت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

دوسرا ہوتا ہے جسم و روح کامل کر وہاں رہنا بسنا، ان دونوں میں فرق ہے۔ چونکہ لوگوں میں استعداد اس طرح نہیں رہی تو لوگوں کے گمراہ ہونے کے ڈر سے میں نے یہ مراقبہ کروانا ہی چھوڑ دیا ہے۔

مراقبات کرنا کچھ اور معنی رکھتا ہے اور وجود اور روح کے ساتھ وہاں رہنا بسنا اور معنی رکھتا ہے جیسے کہ آپ مراقبے میں یہاں سے مسجد نبوی ﷺ دیکھ لیتے ہیں، لیکن مسجد نبوی ﷺ میں جا کر نمازیں ادا کرنا اور بات ہے۔ اسی طرح مراقبے میں آپ روزانہ سیر کعبہ کرتے ہیں لیکن کیا اس سے آپ کا عمرہ یا حج ادا ہو جاتا ہے

سوال: ہمارے سلسلے میں جو درود شریف پڑھا جاتا ہے اس میں "الہٖ" ہے یا "علیٰ الہٖ" ہے؟

جواب: چونکہ علیٰ پہلے آچکا ہے، اسی کے ساتھ آگے صرف الہ آتا ہے۔

اللھم صلی علیٰ محمد ن النبی الامی و الہٖ وصحبہ و بارک وسلم.

اس پہلے علیٰ کے ساتھ اس کا ذکر آتا ہے۔

سوال: بیعت کی اہمیت وضرورت پر کچھ ارشاد فرمایئے؟

جواب: بیعت ہوتی ہے اپنے آپ کو اپنی سوچ اور اپنے اختیارات کو بیچ دینا' ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ان الذین یبا یعونک انما یبا یعون اللہ ط ید اللہ فوق ایدیھم ج فمن نکث فانما ینکث علیٰ نفسہ ج و من او فی بما عھد علیہ اللہ فسیو تیہ اجر عظیماً o

جو لوگ آپ ﷺ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ جس نے اس کو توڑ دیا اس نے اپنے آپ کو توڑ دیا اور جس نے اسے وفا کیا عنقریب اللہ

اسے اجر عظیم سے سرفراز فرمائیں گے۔

یہ آیۂ کریمہ بیعت رضوان کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ پہلی بیعت تھی جو حضور ﷺ کے دست مبارک پر موت کی بیعت ہوئی اس بیعت نے بیعت کی اہمیت کو اتنا بڑھا دیا کہ رب کریم فرماتے ہیں کہ جو لوگ آپ ﷺ سے بیعت لیتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ گویا انہوں نے اللہ کے دست قدرت میں اپنا ہاتھ دیدیا اللہ کی مدد ان کے ساتھ ہے۔

اسی طرح اس سنت کی پیروی میں مشائخ کی بیعت کی جاتی ہے۔ اگر بیعت نہ بھی کی جائے اور ارادت درست ہو' طلب صادق اور نیت میں خلوص ہو تو برکات نصیب ہو جاتی ہیں لیکن اس کے ساتھ اگر بیعت بھی نصیب ہو جائے تو برکات میں بہت زیادہ اضافے کا باعث بن جاتی ہے۔ لیکن یاد رہے کہ اس کو نبھانا پڑھتا ہے۔ بیعت کرنے سے پہلے جو جو سوال ہیں' کر لو جب بیعت ہو گئی تو اختیار ختم ہو گیا۔ تعلیم اور بات کو سمجھنے کیلئے سوال کرنا الگ بات ہے۔ لیکن سوال بطور اعتراض کرنے کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔ اگر بیعت کی عظمت دل میں نہ رہے اور بیعت کے بعد آدمی اعتراضات پر اتر آئے تو اس نے گویا بیعت توڑ دی۔ اور بیعت توڑنے والے کا انجام یقینی ہے کہ اس کی خبر اللہ نے دی ہے' یعنی بیعت توڑنے سے اس نے اپنے آپ کو تباہ کر لیا اس لئے کہ بیعت سے جو برکات نصیب ہوتی ہیں ان میں سب سے بڑی برکت حفاظت الٰہیہ ہے۔ حفاظت الٰہیہ بندے کو خطاؤں' گناہوں اور برائی سے محفوظ رکھتی ہے۔

کوئی بھی صوفی ہو' اس کا تعلق ہمیشہ محتاج ہوتا ہے۔ شیخ کے رشتے کا یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ شیخ کو چھوڑ دے اور خود وہاں اسے باریابی نصیب ہو۔ بعض بدنصیب ایسے ہوتے ہیں کہ بجائے عظمت الٰہی اور عظمت پیامبر ﷺ کو سمجھنے کے اپنی بڑائی کے اسیر ہو جاتے ہیں کہ مجھے ماننا شروع کر دو۔ یہی بات بیعت کو توڑتی ہے۔ گناہ ہو جائے تو بیعت نہیں ٹوٹتی۔ بلکہ گناہ کا دکھ ہوتا ہے اور توبہ کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔ بندہ فرشتہ نہیں بن سکتا انسان ہی رہتا ہے۔ اگر کسی سے مجبوراً جھوٹ بول بیٹھا یا کوئی غلطی سرزد ہو گئی تو اس سے بیعت نہیں ٹوٹے گی بلکہ وہاں بیعت کام آئیگی۔ وہ اندر سے اسے پکڑ کر جھنجھوڑے گی کہ کیا کر رہے ہو' توبہ کرو۔ لیکن جونہی اپنی بڑائی کا خیال آئے گا تو بیعت ٹوٹ

جائیگی۔ اور بیعت ختم ہونے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس سے اذکار کی لذت چھن جائیگی۔ آہستہ آہستہ اذکار اور اعمال چھن جائیں گے اور بالآخر اللہ پناہ دے ایمانیات تک چھنتے ہوئے ہم نے دیکھے ہیں۔ تو بیعت کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ بندے سے خطا ہو جائے تو احساس زیاں نکلنے نہیں دیتا جب تک وہ توبہ نہیں کرتا۔ یہی مراد ہے "ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے"۔

سوال: لطائف پر انوارات کہاں سے آتے ہیں' شیخ کے قلب سے انبیاء کے قلوب سے یا مقامات سے؟

جواب: یہ سب ایک ہی رابطے کی کڑیاں ہیں' انبیاءؑ کے قلوب ہی وہ واحد کڑی ہیں جو انوارات الٰہی کو مخلوق تک پہنچانے کا ذریعہ ہے اور سلاسل کے مشائخ عظام جو ہیں وہ ہم میں اور انبیاءؑ میں ایک رابطہ ہیں۔ منازل و مقام اثنائے سفر منازل قرب ہیں۔ یہ ساری چیزیں ایک ہی راستے کے مختلف مناظر ہیں۔ کوئی ابتدائی' کوئی وسط اور کوئی انتہائی۔ یہ نزاکتیں جن کے بارے میں آپ سوال کر رہے ہیں صرف محسوس کی جاسکتی ہیں' لکھی پڑھی یا بیان نہیں کی جاسکتیں۔ یہ ساری باتیں اور کیفیات جنون سے سمجھ آتی ہیں جبکہ آپ انہیں خرد سے سمجھنا چاہتے ہیں۔ اب ان کو عقل اور علم سے کیسے سمجھایا اور بتایا جائے؟ ہاں اگر آپ جاننا چاہتے ہیں کہ جنون کیسے پیدا ہو تو آسان سی بات ہے جتنا جتنا محمد رسول اللہ ﷺ کو جانتے اور پہچانتے جاؤ گے اتنا ہی فدا ہوتے چلے جاؤ گے اور آپ ﷺ کی محبت حاصل کرنے کے تین راستے ہیں۔ پہلا قرآن' دوسرا سیرت کا مطالعہ اور تیسرا مسلسل درود شریف' آپ تینوں اپنایئے۔ قرآن حکیم کو مسلسل پڑھیے' سمجھیے سیرت طیبہ کا مطالعہ روزانہ کیجئے۔ درود شریف چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے ہر وقت پڑھتے رہیے۔ وہ بارگاہ ایسی نہیں کہ مانگنے والے کو خالی لوٹائے جیسے کہ جواب شکوہ میں علامہ مرحوم نے کہا ہے کہ

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں

سوال: حصول فیض کیلئے شیخ کی خدمت یا مجلس میں کیا خیال رکھنا چاہیے جبکہ وہ دوسرے شہر

میں رہتا ہو؟

جواب: یہ ایک قلبی تعلق ہوتا ہے' اس کا شہروں کی دوری سے واسطہ نہیں ہوتا نہ ہی مادی فاصلے اس تعلق کو متاثر کرتے ہیں جتنا کسی کے پاس خلوص ہوتا ہے اتنا ہی اس کا قلبی تعلق شیخ کے ساتھ مضبوط ہوتا ہے اور جتنا مضبوط ہوتا ہے اتنی ہی برکات وہ زیادہ سمیٹتا رہتا ہے۔ دنیاوی اموراور ضرورتوں میں مادی فاصلے اہم ہیں لیکن کیا ماں باپ یا بہن بھائی کے دور رہنے سے وہ ماں باپ یا بہن بھائی نہیں رہتے ۔اگر مادی رشتے نہیں چھوٹتے تو روحانی رشتے تو اس سے مضبوط ہوتے ہیں حضور ﷺ کا ارشاد موجود ہے کہ میدان حشر میں کوئی دوستی' کوئی رشتہ کام نہیں آئے گا لیکن وہ دو بندے جن کا تعلق اللہ کیلئے قائم ہوا ہو وہ کبھی نہیں ٹوٹے گا۔ دنیا کی ضرورتیں اور ذمہ داریاں ہمیں دور نزدیک کرتی رہتی ہیں۔ اس میں ہماری کوشش یہ ہونی چاہیے کہ خلوص کے ساتھ اللہ کی رضامندی کیلئے محنت کی جاتی رہے۔ گناہ سے بچنے اور مرتے دم تک اتباع شریعت کی کوشش کرتے رہنے کے ہم مکلف ہیں۔ کوئی بھی بندہ کامل اور مکمل نہیں ہوتا۔ بندہ' بندہ ہی رہتا ہے۔ دوسروں سے درگزر سے اور پیار و ہمدردی سے رہیں کہ دوسروں کی خیراندیشی میں ہی اپنا بھی بھلا ہے۔

سوال: تصدیق قلبی سے کیا مراد ہے؟

جواب: تصدیق قلبی موجود نہ ہو تو زبان سے کہہ دینے سے آدمی مردم شماری میں تو مسلمان ہو جاتا ہے لیکن عنداللہ نہیں۔

اللہ کے نزدیک اس کا اسلام تب قبول ہوتا ہے جب اس کا دل اس بات کو قبول کرتا ہے۔ دنیاوی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ استاد کی پرواہ نہ کریں تو کوئی فرق نہیں پڑتا' وہ تعلیم ضائع نہیں ہوتی لیکن برکات نبوت ﷺ کیلئے سب سے پہلے نبی ﷺ پر ایمان ضروری ہوتا ہے۔ دین ہے ہی نبی ﷺ سے قلبی تعلق کا نام' جتنی اس میں پختگی آئیگی اتنی ہی ایمان میں مضبوطی نصیب ہوتی چلی جائیگی۔ دنیوی تعلیم صرف الفاظ ہوتے ہیں جبکہ برکات نبوت' الفاظ و کیفیات دونوں ہیں جو آدمی کا حال بن جاتی ہیں دنیادار آپ کو پڑھاتا رہے کہ دیانت کیا ہے مگر آپ کو دیانت دار نہیں

بنا سکے گا جبکہ نبی ﷺ جب فرمادیں گے کہ دیانت داری یہ ہوتی ہے تو سننے والے میں اگر ایمان ہوتو دیانت اس کا حال بن جائیگی اور یہی انبیاؑ کا کمال ہوتا ہے۔

سوال: عامل اور کامل میں کیا فرق ہے؟

جواب: ایک فرق یاد رکھئے کہ عامل اپنی عملیات کے سہارے آپ کو کچھ واقعات دکھا سکتا ہے لیکن وہ واقعات اصل نہیں ہوتے بلکہ صرف انسان کی قوت متخیلہ متاثر ہو جاتی ہے جیسے کہ حضرت موسیٰؑ کے واقعہ میں جادوگروں نے رسیوں کے سانپ بنا دیئے' اس میں رسیاں رسیاں ہی تھیں صرف دیکھنے والوں کی قوت متخیلہ متاثر ہوگئی جادو کے زور سے کسی بھی چیز کی اصل ماہیت کا بدلنا ممکن نہیں ہے۔ لیکن کامل جب کسی پر توجہ کرتا ہے تو وہ چیز اصل میں بدل جاتی ہے۔ کامل سے جب ایسی کسی چیز کا ظہور ہوتا ہے تو اس میں عمل کو دخل نہیں ہوتا بلکہ اس میں قدرت باری تعالیٰ کا دخل ہوتا ہے کہ اس کی توجہ اور تمنا اور دعا سے وہ چیز واقعی بدل جاتی ہے۔

سوال: اجتماع میں حاضری کا شرعی طریقہ بیان فرمائیں؟

جواب: دنیا ایک راستہ ہے منزل نہیں اور ہر انسان مسافر ہے اور راستے میں ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد عالی ہے

کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل وعد نفسک من اصحب القبور ()

دنیا میں ایسے رہو جیسے تم غریب الوطن ہو' یعنی پردیس میں ہو یا پھر راستہ چلتے ہوئے مسافر ہو اور اپنے آپ کو اہل قبر میں شمار کیا کرو۔ اس حدیث مبارکہ سے مراد یہ نہیں ہے کہ بندہ ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جائے اور کچھ نہ کرے بلکہ مسافر یا غریب الوطن تو اہل وطن اور مقیم لوگوں کی نسبت زیادہ محنت کرتا ہے اور جو راستے میں ہے وہ گھر بیٹھے ہوئے کی نسبت زیادہ مشکلات برداشت کرتا ہے تو مراد عالی یہ ہے کہ دنیا میں دنیا کا ہر بوجھ اٹھاؤ لیکن اس طریقے سے اٹھاؤ کہ وہ قبر اور آخرت کا سامان بنتا جائے تم مسافر ہو تمہیں گھر پہنچنا ہے' ساتھ کچھ لے کے جانا ہے کیونکہ اس گھر میں پہلے

سے کچھ نہیں ہے۔ وہی ملے گا جو ساتھ لے کر جاؤ گے۔ دنیا کو مستقل ٹھکانہ نہ بنالو کہ ہمیں یہیں رہنا ہے' موجودہ دور کی ہوس پرستی اور مادہ پرستی کے پیچھے یہی جذبہ ہے کہ ہر بندے کی یہی خواہش ہے کہ مجھے یہیں رہنا ہے اور یہیں کا سامان جمع کرنا ہے۔ جائز' ناجائز' غلط' صحیح' کسی طریقے سے اقتدار مل جائے' کسی طرح کوئی سرمایہ جمع ہو جائے لیکن اگر وہ اپنے آپ کو اہل قبور میں شمار کرے اور اسے پتہ ہو کہ مجھے اگلا لمحہ دنیا میں نصیب ہے یا قبر میں جانا ہے تو وہ غیر ضروری اور غلط طریقے سے بوجھ اٹھانے سے اجتناب کرتا ہے۔ کوشش کرتا ہے کہ قبر اور آخرت کیلئے سامان جمع کرے کہ کسی بھی وقت کوئی بھی چل سکتا ہے۔

یہ سالانہ اجتماع بہت بڑی سعادت ہے' جہاں جہاں کسی کو فرصت ملتی ہے روئے زمین سے احباب جمع ہوتے ہیں۔ دن رات تعلیم و تعلم اور اذکار رہتا ہے زندگی میں ایسے موقع بہت کم آتے ہیں کہ سوائے اللہ اللہ کے اور کوئی بات نہ ہو۔ یہ بھی یاد رہے کہ اجتماع میں آنے کا جو شرعی طریقہ ہے وہ یہ ہے کہ اپنے کام سے رخصت یا اجازت لے کر آئیں۔ جتنے دنوں کیلئے یہاں آئیں گھر والوں کے کام اور ضروریات کا اہتمام کر کے آئیں۔ اجتماع پہ آنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ کی جو شرعی ذمہ داریاں ہیں ان سے آپ فارغ ہو گئے ہیں۔ نہیں' فائدہ اسی کو ہوگا جو اتباع شریعت کرے گا تو جو ذمہ داریاں اللہ نے گھر بار یا ملازمت کے بارے میں دی ہیں ان کا اہتمام کر کے باقاعدہ اجازت لے کر آئیں اور جتنا وقت یہاں ہوں وہ سوائے ذکر اذکار کے کسی بات میں نہ لگائیں۔ اب ایسا عہد آ گیا ہے کہ ہم زیادہ وقت اور توجہ غیر ضروری کاموں میں دیتے ہیں۔ عجیب حال ہے لوگوں کا' ایک افراتفری' ایک محشر بپا ہے۔ نظام حیات ایسا بدل گیا ہے کہ زندگی ایک طوفان بلا بن گئی ہے۔ کسی کے پاس ستانے تک کی فرصت نہیں۔ ایسے میں اگر اللہ اللہ کرنے کا وقت مل جائے تو یہ اس کا احسان ہے۔ ایسے میں ایک ایک لمحے کو قیمتی سمجھو اور کم از کم اس دوران تو اپنے اوقات کو ایسے ترتیب دو (دو' چار' دس دن' مہینہ جتنا ملتا ہے) کہ کوئی بھی لمحہ ضائع نہ جائے کیا خبر سال بعد کون یہاں ہوگا اور کون نہیں ہوگا۔ کتنے ساتھی جو پچھلے اجتماع میں تھے اس میں نہیں ہیں۔

اس جگہ اور مسجد کو ایک خصوصیت یہ بھی حاصل ہے کہ اس کی ایک ایک اینٹ اللہ کے نام کی لگی ہوئی ہے اور انشاء اللہ یہ ہمیشہ صرف اللہ ہی کا گھر رہے گا اور اس میں اللہ اللہ ہی ہوگی اس میں کوئی جھگڑا' گروہ بندی' فرقہ پرستی' مخالفت یا بہتان تراشی نہیں نہ ہی کسی کیخلاف کوئی فتویٰ ہے صرف اللہ اللہ کرنا اور سیدھا سیدھا دین اسلام سکھایا جاتا ہے۔

سوال: شیخ کی استعمال شدہ اشیا کو بطور تبرک پاس رکھنے کے متعلق کچھ فرمایئے؟

جواب: تبرکات کا اپنا ایک مقام ہے جس طرح جو چیزیں نبی کریم ﷺ کے استعمال میں آئیں ان میں سے کچھ چیزیں بطور تبرک ابھی تک محفوظ ہیں اور ان کی اپنی ایک برکت ہوتی ہے۔ قرآن حکیم میں جہاں حضرت داؤدؑ کی طالوت کے ساتھ جنگ کا ذکر ہے وہاں اللہ تعالیٰ حضرت داؤدؑ سے فرماتے ہیں کہ تمہیں وہ صندوق فرشتے لاکر دیں گے جس میں موسیٰؑ کے تبرکات ہونگے۔ سو تبرکات کی اپنی ایک برکت اور ایک اثر ہے۔ اگر کوئی رکھتا ہے تو بہت اچھی بات ہے۔ لیکن ان سے اس طرح کی امیدیں وابستہ کر لینا جو ذات باری کے ساتھ منسوب ہیں وہ درست نہیں۔ تبرکات محض برکت کیلئے ہوتے ہیں۔ امور کا انجام دینا صرف دست باری میں ہے۔ اللہ کریم جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔ جس چیز کو اچھے لوگوں سے نسبت ہو جائے اسکا اپنا ایک اثر ہوتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی سواری کے جانور' ہتھیار' لباس' نعلین مبارک' موئے مبارک جو کچھ جس کو نصیب ہوا اس نے وہ بطور تبرک رکھے۔ اسی طرح شیخ کی کوئی چیز اگر بطور تبرک رکھی جائے تو اس سے صرف یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے فضل سے برکت ہو جاتی ہے لیکن اس میں حاجت روائی کی کوئی طاقت نہیں ہوتی۔

اصل میں ہمارے ہاں اعتدال نہیں رہا' یا تو ایک گروہ بالکل ہی انکار کر دیتا ہے جبکہ دوسرا اسی کی پوجا کرنی شروع کر دیتا ہے دونوں طرف ہی انتہا پر چلے جاتے ہیں جبکہ اسلام اعتدال کا راستہ ہے برکت سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن ان چیزوں کو پوجنا بھی جائز نہیں ہے عبادت کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ کسی نفع کی امید یا نقصان کا ڈر جب اطاعت پر مجبور کر دے تو یہ عبادت ہوتی ہے اور یہ

صرف اللہ کریم کا حق ہے اللہ کریم کے علاوہ کسی کی عبادت نہیں کی جاسکتی۔

تبرکات رکھنا جائز ہے' تبرکات کے حوالے سے دعا کرنا درست ہے۔لیکن دعا اللہ سے ہی کی جائے گی' یہ کہنا کہ اس کی وساطت سے میری دعا قبول فرمائے۔اس میں کوئی ہرج نہیں ہے' اس کا اثر بھی ہے اور برکت بھی ہوتی ہے۔لیکن راستہ اعتدال کا ہے۔اللہ کریم ہمیں ہدایت پہ قائم رکھے اور بزرگوں سے اور ان کے تبرکات سے حقیقی طور پر مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

عقائد
عبادات
معاملات
اخلاقیات
فقہ

دیگر

سوال: اگر کوئی قبر پر جائے تو کیا طریقہ اختیار کرے؟ اللہ پاک سے کیا مانگے؟ اس کا طریقہ کیا ہے؟

جواب: اگر تو قبر پر جا کر آپ کی مراد ایصالِ ثواب کرنے سے ہے تو اچھی بات ہے کہ اپنے ان عزیز رشتہ داروں کے ایصالِ ثواب کا سوچا جائے جو دنیا سے گزر چکے ہیں، لیکن اس سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ پہلے اپنی زندگی کو اطاعت الٰہی میں لایا جائے۔ پہلے اپنے فرائض و واجبات پورے کیے جائیں۔ کیا آپ نے دنیاوی معاملات میں کسی چور کو کبھی کسی دوسرے چور کی سفارش کرتے دیکھا ہے؟ اسی طرح جس کے اپنے پاس کچھ نہ ہو گا وہ کسی کو کیا ایصالِ ثواب دیگا دنیاوی معاملات کے حساب سے اس کو یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ فرائض اصل زر ہیں اور نوافل پرافٹ ہوتا ہے۔ ایصالِ ثواب پرافٹ میں سے کیا جاتا ہے، جبکہ اس زمانے میں تو یہ حال ہے کہ اصل زر کے بھی لالے پڑے ہوئے ہیں تو ایصالِ ثواب (جو کہ پرافٹ میں سے ہوتا ہے) کہاں سے کیا جائے گا۔ اور اگر مراد قبر والوں سے برکات حاصل کرنا ہے تو پہلے تو یہ دیکھنا چاہیے کہ کیا آپ کے مراقبات اتنے ہیں کہ آپ کو صاحب قبر اور ان کے مراقبات کا علم ہو سکے پھر یہ کہ کیا آپ کی رسائی بذریعہ مراقبات برزخ تک ہے جہاں جا کر وہ منازل حاصل کی جا سکتی ہیں، مزید برآں کیا صاحب قبر آپ کو وہ منازل کروانا بھی چاہتے ہیں۔ اس میں اتنے مراحل ہیں کہ یہ ناممکن ہو جاتا ہے اور پھر یہ ساری باتیں سوچنے کی نوبت بھی صرف تب آتی ہے جب پتہ ہو کہ کسی کے شیخ وہ مراقبات نہیں کروا سکتے جو صاحب قبر کے ہیں۔

اب رہی دوسری بات کہ کسی قبر پر گزر ہوتا ہے تو دعائے مسنون ہر مسلمان کے لیے ہے

اور پھر قبر کا احترام اور قاعدہ موجود ہے۔ آپ سمجھتے ہیں کسی بزرگ کی قبر ہے دعا کرنی ہے تو آپ دعا کریں کہ اللہ تیرا یہ نیک بندہ ہے مجھے بھی نیک کر دے، باقی دال روٹی تو ملتی ہی رہتی ہے۔ جو لوگ دنیا سے اپنی ذمہ داریاں پوری کر کے چلے گئے ہیں۔ آپ دنیا کے کام لے کر ان کے پاس مت جائیں۔ انھیں فکر نہیں ہوتی۔ حضرتؒ کے زمانے میں ساتھی حضرتؒ سے کہتے تھے کہ فلاں حضرت سے ہماری سفارش کروا دیں تو کئی دفعہ ایسا اتفاق ہوا حضرتؒ نے مشائخ میں سے کسی سے عرض کی۔ (حضرتؒ بھی خود نہیں کہتے تھے کسی ساتھی سے کہتے تھے کہ یار تم میرا اسلام کہہ کر یہ بات عرض کر دو) تو مجھے اچھی طرح یاد ہے حضرت سلطان العارفینؒ نے فرمایا کہ حضرت ہم سے بیگانی بھیڑیں نہیں چرائی جاتیں یہ جس کے لیے دعا کرنے کا کہہ رہے ہیں یہ آپ کے سلسلے میں ہے یہ اللہ اللہ کرتا ہے، اگر اسے اللہ اللہ کی ضرورت نہیں ہے تو ہم خواہ مخواہ اس کے قرضے اتارنے اور بیماریاں دور کرنے کی دعائیں کرتے پھریں جو شخص اللہ سے بے نیاز ہے اس کے لیے ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ہاتھ اٹھاتے پھریں۔ باقی رسومات جو ہیں وہ بے شمار ہیں کہ کسی قبر پر دیا جلا دو، کسی قبر پر چونا لگا دو، زندہ لوگ بھوکے مر رہے ہیں پینے کو پانی نہیں ملتا قبروں پر کئی کئی لاکھ خرچ ہوتا ہے تو یہ ساری غیر شرعی رسومات ہیں ان کی کوئی حیثیت نہیں اور جس چیز کی شریعت میں کوئی اصل نہیں اس سے کبھی فائدہ نہیں ہوا۔

سوال: تاریخ اسلامی کی ایک مستند کتاب ہے جو علمائے دیوبند کی لکھی ہوئی ہے اس میں حضرت امیر معاویہ کی طرف داری کرنے پر، حضرت عمرو بن العاصؓ کے متعلق بڑے نازیبا الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟

جواب: علمائے دیوبند نے اس طرح کی تصانیف نہیں لکھیں۔ بعد میں آ کر جو لوگ ایک الگ راہ کے پیدا ہوئے اور انھوں نے علمائے دیوبند پر اور متقدمین پر بھی فتوے لگائے، یہ ان لوگوں کی تصنیفات ہیں اور وہ خود کو دیوبندی ہی کہتے ہیں۔ میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ صحابہ کرامؓ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے باہمی اختلافات جو تھے انھیں علمائے حق نے مشاجرات صحابہؓ لکھا ہے۔ مشاجرہ شجر سے مشتق ہے۔ جس کا مطلب درخت ہوتا ہے۔ جس طرح درخت کی ٹہنیاں ایک دوسرے میں الجھ جاتی ہیں اور درخت کی ٹہنیوں کے الجھنے سے اس کا سایہ گھنا ہو جاتا ہے صحابہؓ

کے ایک دوسرے کے ساتھ اختلافات سے علمائے حق نے یہ مطلب لیا ہے کہ ارشاد نبوی ﷺ یا آیہ کریمہ کے جو مختلف پہلو مختلف صحابہ کی نظر میں مختلف تھے۔ وہ سارے سامنے آ گئے اور بعد میں آنے والوں کو زیادہ فائدہ ہوا کہ سایہ گھنا ہو گیا۔ اس لیے انھیں فساد کوئی نہیں لکھتا۔ انھیں مشاجرات لکھتے ہیں۔ اب مشاجرات صحابہؓ میں ہم ایک صحابیؓ کا فریق بن کر دوسرے پر اعتراض کریں تو ہمیں یہ زیب نہیں دیتا ہماری یہ جرأت نہیں ہونی چاہیے آپس میں وہ ایک دوسرے سے بات کریں تو ایک منصب کے ایک مقام کے لوگ ہیں اور پھر کسی صحابیؓ سے آپ یہ توقع نہ رکھیں کہ اس نے کسی دوسرے کے خلاف نازیبا زبان استعمال کی ہو۔ صحابہؓ سے تو یہ تک ثابت نہیں کہ انھوں نے کفار کے خلاف نازیبا زبان استعمال کی ہو۔ ان لوگوں کا یہ حال تھا کہ سیدنا عثمانؓ بہت لمبی عمر پانے کے بعد شہید ہوئے (اسی نوے کے درمیان چوراسی پچاسی سال عمر تھی ان کی) اور نوجوانی میں حضور ﷺ پر ایمان لائے اور بیعت سے بہرہ ور ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ جب سے میں نے بیعت کی ہے۔ جس ہاتھ سے میں نے نبی ﷺ کا ہاتھ مس کیا بحالت مجبوری بھی اسے اپنی شرمگاہ سے مس نہیں کیا۔ اب ایسے لوگوں پر بیٹھ کر ہم اعتراض کرنے لگیں۔ وتر کی ایک رکعت میں ان کی عادت تھی۔ ''الحمد'' سے شروع کر کے ''والناس'' پر رکوع کرتے۔ اتنے مناصب جلیلہ ذوالنورین، خلیفہ ثالث اور مجاہدہ اس طرح کرتے تھے تو جن لوگوں نے براہ راست نبی ﷺ سے عشق کیا، در اقدس پر عمریں بسر کر دیں، دو دو بیٹیاں حضور ﷺ نے ان کے عقد میں دیں اور فرمایا کہ اللہ کی قسم اگر میری کوئی اور بیٹی ہوتی تو میں وہ بھی عثمانؓ کے عقد میں دیتا۔ اب اعتراض کرنے والے کو دیکھو تو وہ اس طرح کی تصویر بناتا ہے جس سے ہمیں یوں نظر آتا ہے جیسے کوئی سیاسی پارٹی کا جیالا ہو۔ یہ تو زیادتی اور بیوقوفی ہے ویسے بھی وہ ہماری طرف داری سے بلند و بالا ہیں۔ تمام صحابہؓ کا ادب لازم ہے حضور ﷺ کا ارشاد ہے ''اصحابیؓ کالنجوم'' میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں۔ او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم بایھم اقتدا یتھم اھتدیتم' جس کا اتباع کر لو گے ہدایت پاؤ گے۔ ان میں اگر کسی کو حضرت امیر معاویہؓ کی رائے منظور نہیں، عمرو بن العاصؓ کی رائے منظور ہے تو اس کا اتباع کر لے۔ حضرت علیؓ کی پسند ہے تو ان کا اتباع کر لیں۔ جس کا اتباع کر لے وہ پہنچے گا حق پر۔

سوال: کیا ہندومت اور بدھ مت سچے مذاہب تھے؟

جواب: بدھ مت یا یہ سکھ مذہب جو ہے یہ دونوں ہندومت کی اصلاحی تحریکیں تھیں۔ ہندومت ان سے پرانا ہے، گوتم بدھ کا باپ بھی ہندو تھا اور گورونانک کا باپ بھی ہندو تھا، ہندومت میں بہت زیادہ جنسی اور دیگر معاملات کی خرابیاں تھیں۔ ان کا برہمن یا پنڈت دوسروں کا مال بھی لوٹتا، آبرو بھی لوٹتا اور اسے کار ثواب بھی قرار دیتا تو یہ دونوں سکھ مت اور بدھ مت دراصل ہندومت کے دامن سے اٹھنے والی اصلاحی تحریکیں تھیں۔ آوارگی' لوٹ کھسوٹ اور دہشت گردی کا جو عنصر ان مذاہب میں آ گیا تھا اسے روکنے کے لیے یہ تحریکیں خود ہندومت کے بطن سے اٹھیں، جہاں تک خود ہندومت کا تعلق ہے تو ہندومت کی کوئی بات بھی آسمانی مذاہب کے مطابق نہیں ہے۔ عیسائیت' یہودیت یا دیگر مذاہب جن میں آسمانی مذاہب ہونے کا امکان پایا جاتا ہے ان کے ہزار بگاڑ کے باوجود ان میں آسمانی کتابوں کے مطابق کوئی نہ کوئی اثر رہ گیا ہے لیکن ہندومت جو ہے اس کے سارے قصے کہانیاں انسانوں کے گرد گھومتے ہیں اور انسانوں میں سے ہی اس طاقت کو مانا جاتا ہے جسے آپ خدا کہتے ہیں یا آخری طاقت مانتے ہیں اور پھر اسی کا عجیب وغریب افسانہ بنا دیا جاتا ہے تو اس کی کوئی ادا ایسی نظر نہیں آتی جس میں کوئی آسمانی بات ہو۔

سوال: اس وقت بھی دنیا کی آبادی کا تقریباً ۳ چوتھائی حصہ غیر مسلم ہیں جو لوگ مسلمان کہلاتے ہیں ان کی اکثریت بھی نام کی مسلمان ہے اور بے عملی کا شکار ہے۔ تو کیا ان حالات میں یہ درست ہے کہ شیطان نے اللہ کی بارگاہ میں جو دعویٰ کیا تھا کہ میں آدمؑ کی اولاد کو جہنم میں لے جاؤں گا وہ اپنے دعویٰ میں کامیاب ہو گیا؟

جواب: آپ نے وہ آیت پوری نہیں پڑھی۔ شیطان نے یہ ضرور دعویٰ کیا تھا کہ میں اولاد آدمؑ کو ہر طرف سے گھیر لوں گا آگے پیچھے، دائیں بائیں سے اور یہ میری پوجا کریں گے، میری بات مانیں گے آپ کی بات نہیں مانیں گے تو جواباً اللہ نے ارشاد فرمایا تھا کہ جو لوگ میری بات مانیں گے ان پر تیرا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ ان عبادی لیس لک علیھم سلطان جو میری بات مانیں گے ان پر تیرا کوئی داؤ نہیں چلے گا، اب رہ گئے وہ جو تیری مانیں گے تو تیرے اور تیرے ماننے والوں کے لیے میں نے جہنم بنا دی ہے۔ شیطان نے دعویٰ بعد میں کیا تھا بنانے والے کو

پہلے علم تھا کہ کتنے لوگ جہنم میں جائیں گے کتنے اس کی بات سنیں گے اور کتنے اس کی بات ٹھکرائیں گے۔ شیطان کے دعوے ادھورے ہیں، اس کا علم ادھورا ہے وہ مخلوق ہے، ناقص ہے اور اللہ خالق ہے۔ شیطان کے شیطان بننے سے پہلے بھی وہ جانتا تھا جب شیطان فرشتوں کا استاد بنا ہوا تھا وہ تب بھی جانتا تھا کہ یہ ہے تو شیطان نتیجتاً شیطان ہی ہوگا وقتی طور پر عبادت کر رہا ہے جب آزمائش آئے گی تو یہ سب کچھ کھو کر اس طرف چلا جائے گا اس لیے جب شیطان مرتد ہوا تو اللہ نے یہ نہیں کہا کہ شیطان کافر ہو گیا فرمایا کان من الکفرین یہ تھا ہی کافروں میں سے۔ علم الٰہی میں کسی بات کا ہونا اور شے ہے اور ان واقعات کا ظہور پذیر ہونا اور بات ہے۔ مخلوق کو تب پتہ چلتا ہے جب وہ ظہور پذیر ہوتی ہے اور اللہ خالق ہے اور اس مخلوق کے پیدا ہونے سے پہلے واقف ہے تو یہ شیطان کا دعویٰ سچ نہیں ہوا بلکہ اللہ کا ارشاد سچ ہوا۔ جس نے فرمایا تھا و قلیل من عبادی الشکور اتنے حوصلے والے لوگ بہت کم ہوں گے جو شکر گزار ہوں گے اور اکثریت جو ہے وہ دنیا کی رنگینی میں کھو جائے گی اور ان کے لیے جہنم اسی دن سے تیار کر دی گئی ہے جس دن مخلوق کو پیدا فرمایا تھا۔

سوال: غلام احمد پرویز نے سورۃ فتح انا فتحنا لک فتحاً مبیناً کے ترجمہ اور تشریح میں لکھا ہے؟ میں اللہ کریم فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ ﷺ کی غلطیاں معاف کر دیں اس نے مختلف تاویلوں سے لیغفر لک اللّٰہ من ذنبک ماتقدم و ما تاخر کے الفاظ کا مفہوم لکھا ہے کہ اللہ معاف کر دے آپ ﷺ کے وہ گناہ جو پہلے تھے یا بعد میں ہوں"۔ لیکن دل نہیں مانتا آپ ﷺ معصوم عن الخطا تھے؟

جواب: پہلی بات تو یہ ہے کہ قرآن حکیم میں ایک قانون ہے کہ انبیاءؑ کے متعلق اس قسم کی جو باتیں آئی ہیں ان سے اسم فاعل کا صیغہ نکالنا حرام ہے جیسے حضرت یونسؑ نے کہا کہ لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین اس میں اسم فاعل بنے گا ظالم لیکن انھیں ظالم کہنا جائز نہیں۔ یہ ان کی ان کے رب کی بات ہے وہ اپنا عجز، اپنی نیاز مندی اپنے مالک کے حضور پیش کر رہے ہیں دوسرا کوئی کرے گا تو اس کا ایمان جاتا رہے گا۔ اسی طرح حضرت موسیٰؑ کے متعلق اجیر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ یا ابت استا جرہ اجیر اس غلام کو کہتے ہیں جس کا کوئی ایک

خاص شعبہ نہ ہومثلاً ایک مالی ہے ایک باورچی ہے ایک خاکروب ہے ان کا ایک ایک شعبہ ہے اجیر وہ خادم ہوگا جس سے ہر ضرورت کا کام لیا جاسکے گا۔ مالک جو کام چاہے لے لے اسے کوئی اعتراض نہیں ہوتا اب یہاں معاملہ ہے یا ابت استاجرہ۔ اے ابا انھیں آپ ملازم رکھ لیجئے انھیں اجیر رکھ لیجئے۔ لیکن اس سے اسم فاعل بنا کر حضرت موسیٰؑ کو اجیر کہنا حرام ہے۔ اسی طرح سے قرآن حکیم نے جو ارشاد فرمایا ہے اس کی نسبت حضورﷺ کی طرف کر کے اسم فاعل کا صیغہ نکالنا حرام ہے ایک بات تو یہ ہوگئی۔ اب دوسری بات یہ ہے کہ نبی کریمﷺ ساری انسانیت کے نبی اور رسول ہیں اس لیے کہ تمام نبیوں کے بھی آپﷺ نبی ہیں اور جو پہلی امتیں گزر چکی ہیں ان سب امتوں پر بھی آپﷺ پر ایمان لانا فرض تھا اور انبیاء کرامؑ کو حکم تھا کہ تم اپنے ماننے والے کو یہ بتاؤ گے کہ میرے بعد نبیﷺ آنے والے ہیں تو یہ ان کے ایمان کا جزو تھا کہ وہ بھی حضورﷺ کو مانیں۔ پہلی امتیں اپنے نبیوں کے واسطے سے حضورﷺ کی امتیں ہیں اور ہم وہ خوش نصیب ہیں جو براہ راست حضورﷺ کے امتی ہیں۔ اب کسی بہت بڑے بیرسٹر کو یہ کہہ دینا کہ ہم نے آپ کے سارے مقدمے بری کر دیے یہ ثابت نہیں کرتا کہ وہ بیرسٹر چوریاں کرتا رہا ہے یا شاید وہ چوروں کا بیرسٹر تھا یا وہ بے شمار خطا کاروں کا وکیل تھا شاید وہ بے شمار لوگوں کی طرف سے عدالت میں پیش ہوا تھا اور عدالت نے کہہ دیا کہ آپ کے سارے مقدمے بری کرتے ہیں۔ تو اس کی ایک تعبیر یہ بھی ہے کہ بے شمار خطا کار جو حضورﷺ کے خادم ہیں اور اطاعت گزار ہیں دل سے حضورﷺ کا اتباع کرنا چاہتے ہیں لیکن بتقاضائے بشریت ان سے خطائیں بھی ہوتی ہیں تو رب کریم کے ارشاد کا مفہوم یہ ہے کہ جو آپﷺ کے امتی ہیں جن کی قلبی وابستگی آپﷺ کے ساتھ ہے ان سے جو چھوٹی موٹی خطائیں ہوگئی ہیں ان کو ہم نے معاف کیا ان کو چھوڑ دیا۔

سوال: ایک بریلوی امام کے خطبے کے الفاظ ہیں ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ کائنات کے ذرے ذرے پر حضورﷺ کو تصرف حاصل ہے اور ایک نعت خواں کے الفاظ کہ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ حضورﷺ محفل نعت میں تشریف فرما ہیں اور میری نعت سن رہے ہیں۔ کیا یہ عقیدہ رکھنا درست ہے؟

جواب: اصل بات یہ ہے کہ دین حضورﷺ کے اتباع کا نام ہے اب اپنی طرف سے کوئی یہ سمجھ لے کہ ایسا کہنے میں شاید نبی کریمﷺ کی زیادہ عظمت ہے کہ میرا اظہار محبت اس انداز سے زیادہ

پسند کیا جائے گا، یہ نادانی ہے۔اس میں محبت ہو یا عشق، یہ سارے آداب کے اور ضابطوں کے پابند ہیں۔حضورﷺ کی بارگاہ ایسی ہے جہاں نہ عشق بے خود ہے اور نہ محبت خودسر ہے۔ یہ بھی ضابطوں کے پابند ہیں اور اس بارگاہ کے ضابطے خود رب کریم نے ارشاد فرمائے ہیں۔ یہ بیچارے لوگ جو اس طرح کہتے ہیں یہ سادے ہیں انھیں اسلامی عقائد کی صحیح سمجھ ہی نہیں آئی ان کے لیے دعا کی جاسکتی ہے کہ اللہ صحیح سمجھ عطا فرمائے۔ یہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح ہم زیادہ اظہار محبت کرتے ہیں۔مثلاً اس نعت خوان کو لے لیں۔اب یہ زبان سے تو کہہ دیتے ہیں کہ حضورﷺ اس مجلس میں موجود ہیں۔لیکن جس طرح وہ گلا پھاڑ پھاڑ کر چلا رہے ہوتے ہیں۔اس سے سمجھ آتی ہے کہ اس کا عقیدہ یہ ہے کہ یہاں کوئی بھی نہیں ہے یعنی اگر واقعی کسی کا یہ عقیدہ ہو کہ جہاں ہم بیٹھے ہیں نبی کریم ﷺ بھی تشریف فرما ہیں تو کیا ہم اس طرح بے تکلفی سے بات کرسکیں گے یا گلا پھاڑ پھاڑ کر شعر پڑھ سکیں گے تو اس کا عمل یہ بتا رہا ہے کہ اس کا عقیدہ یہ نہیں ہے۔ بلکہ ویسے ہی سادگی سے کہہ رہا ہے ۔ میری ذاتی رائے میں تو یہ اچھے لوگ ہیں، اور خلوص دل سے مسلمان ہیں۔ اللہ کی توحید پر رسولﷺ کی رسالت پر، آخرت پر، دین پر کتاب اللہ پر ان کا ایمان ہے۔کمالات نبوتﷺ جو ہیں وہ الگ چیز ہیں اور اوصاف باری جو ہیں وہ اللہ کے لیے مختص ہیں، اور نبیﷺ اس بات پر خوش نہیں ہوتے کہ ان میں وہ اوصاف ماننا شروع کر دیے جائیں جو اللہ کے لیے مختص ہیں۔ یہی بات تو حضورﷺ نے ساری دنیا کو سمجھائی کہ اللہ کی صفت کسی غیر اللہ میں نہ مانو۔ جو مقصد آپ کی بعثت کا ہے اس کی بنیاد اسی بات پر تھی کہ اللہ کی ذات میں کسی طرح بھی کسی کو شریک نہ کرو۔ اس مکتب فکر میں جو حضرات ان چھوٹی چھوٹی باتوں میں پھنسے ہوئے ہیں، یہ بڑے مخلص لوگ ہوتے ہیں اور یہ بڑی اچھی طرح بڑی جلدی، بڑی آسانی سے سمجھ جاتے ہیں۔اس لیے کہ گستاخی کا تصور ان کے پاس نہیں ہوتا جو کچھ بھی کرتے ہیں اسے ادب سمجھ کر کرتے ہیں تو اصلاح کی گنجائش زیادہ ہوتی ہے۔لیکن جو اعتراضات کی طرف نکل جاتے ہیں وہ نسبتاً ہارڈ (سخت) قسم کے لوگ ہو جاتے ہیں اور وہ کم ہی سمجھتے ہیں۔ بہر حال یہ باتیں درست نہیں ہیں۔ ان سے توبہ کی جانی چاہیے اور چاہیے کہ مسلمانوں کو پیار محبت اور درد دل سے سمجھایا جاسکے۔جس کسی کو بھی بچایا جاسکے اس کو بچانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

سوال: اگر شیطان کا ہونا امر ہی تھا تو ابلیس کا اس میں کیا عمل دخل ہے کہ وہ شیطان بنا؟

جواب: ابلیس نے براہ راست اللہ کے حکم کا انکار کیا اور توبہ کی بجائے الزام بھی اللہ پر لگایا کہ اگر آپ مجھ سے سجدہ کرانا چاہتے تو کرا سکتے تھے۔ مگر یہ نہ جانا کہ قدرت کاملہ سے تو وہ سب کچھ کر سکتا ہے یہاں تو اپنی مرضی اور دل کی گہرائی سے اطاعت مقصود تھی۔ اللہ کا علم ایسا ہے کہ اسے ہر بات کا علم ہے لہٰذا وہ جانتا تھا کہ ابلیس ایسا کرے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے علم کی بنا پر سزا و جزا نہیں دیتے بلکہ جب تک مخلوق کے اپنے نامہ اعمال میں وہ بات نہ آ جائے اور خود نہ دیکھ لے کہ وہ اسی کا مقدار تھا جو اسے دیا گیا اور یہ کہ اللہ رب العزت زیادتی کرنے والے اور زبردستی کرنے والے نہیں ہیں۔ اس لیے یہ مان لینا کہ اللہ نے زبردستی ابلیس بنا دیا درست نہیں بلکہ یہ تو وہی ابلیسی فلسفہ ہے۔ اللہ کو علم ہے کہ کون کیا گناہ کرے گا تو کیا اس کا معنی یہ لیا جائے کہ معاذ اللہ گناہ خود اللہ کرواتا ہے۔ العیاذ باللہ۔

سوال: شیطان ایک سجدہ نہ کرنے سے راندہ گیا کوئی ایسا طریقہ کہ انسان شیطان نہ بنے اگر بن جائے تو اصلاح کا طریقہ فرمائیں؟

جواب: بات ایک سجدے کی نہیں ہے بات براہ راست اللہ کے حکم کو رد کرنے کی ہے۔ شیطان کے مارے جانے کا سبب صرف سجدہ نہیں۔ ویسے تو زندگی میں شاید کتنے سجدے اس سے قضا ہو گئے ہوں گے مگر اسے کسی نے نہیں پوچھا۔ بات یہ تھی کہ اس نے براہ راست اللہ کے حکم کو صرف رد ہی نہیں کیا بلکہ چیلنج بھی کیا کہ تو نے اس پتلے کو مجھ پر فضیلت دے دی اور مجھے حکم دیا کہ اس کو سجدہ کرو تو اس کی بنیاد یہ تھی کہ اس نے خود کو بڑا سمجھا۔ اللہ کے فیصلے کے مقابلے میں اپنے فیصلے پر اکڑ گیا۔ متعدد بار قرآن کریم میں اس واقعہ کو دہرایا اس لیے گیا ہے کہ جب کفار کے نہ ماننے، ضد کرنے، اپنے آپ کو بڑا اور دانا سمجھنے اور اللہ کے نبیؐ کی تبلیغ اور ارشادات کو معاذ اللہ کبھی کسی جادوگر آدمی کی بات، کبھی کسی مجنوں کی بات، کبھی کسی پاگل کی بات کہہ کر مذاق اڑانے کی بات آتی ہے تو وہاں پھر سے یہ واقعہ دہرایا جاتا ہے کہ اس طرح شیطان نے کیا تھا۔ تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ کے الفاظ ملتے ہیں کہ ان کے پہلے اسی طرح کرتے تھے اب یہ کر رہے ہیں تو ان کے قلوب کی ایک ہی کیفیت ہے۔ تو انسان کا اگر اپنا عجز اس کی نگاہ میں رہے تو اللہ کریم تکبر سے اسے بچائے رکھتے

ہیں۔ یہ ساری محنت مجاہدہ یا عبادت اس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ اللہ کی عظمت کا احساس ہو اور اپنا عجز اور محتاجی اپنی آنکھوں میں رہے اللہ مالک ہیں پناہ دینے والے۔

سوال: کتاب اللہ کے ارشادات کے اندر رہ کر حالاتِ حاضرہ کے مطابق معانی و مفاہیم کا اظہار ہوسکتا ہے؟

جواب: یہ تب تک درست نہیں جب تک مندرجہ ذیل اصولوں اور ان کی حدود کو نہ توڑا جائے وہ اصول یہ ہیں کہ

۱۔قرآن فردِ واحد کی ارشاد فرمائی ہوئی بات ہے جسے اللہ سے وصول کرنے میں وہ اکیلا ہے حتیٰ کہ کوئی ایسا گواہ نہیں رکھتا جو نزول آیات کے وقت ساتھ ساتھ سن رہا ہو۔

۲۔وہ شخص اتنا سچا اتنا دیانتدار اور اتنا امین ہے کہ پوری مسلمان دنیا تب سے اب تک اس کی اس بات پر مکمل یقین کیے ہوئے ہے اور اس یقین میں ادنیٰ سا شبہ بھی حلقہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔

۳۔اس ہستی کی نبوت دائمی اور ابدی ہے اور بعثت سے لے کر قیام قیامت تک اسی کا اتباع کیا جائے گا۔

۴۔اس کا فرض منصبی صرف قرآن پہنچانا ہی نہیں بلکہ فرائض نبوت چار ہیں۔تلاوت آیات، تزکیہ، تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت۔دوسری جگہ ارشاد ہے۔یعنی آپ لوگوں پر بیان کریں کہ ان کی طرف کیا نازل ہوا' مقصد قرآن کے معانی سے ہے۔تبین کے معنی ہیں کھول کر وضاحت سے بیان کرنا اگر ایسا نہ ہوتا تو عرب کے فاضل ہر آیت سے اپنی مرضی کا مفہوم اخذ کر لیتے کہ عربی وسیع المعانی زبان ہے اور ایک ایک لفظ کے بعض اوقات سینکڑوں معانی بن جاتے ہیں۔اب ان سب کی روشنی میں ایک اصول نکھر کر سامنے آ گیا کہ کتاب اللہ کے جو معانی آپ ﷺ نے ارشاد فرمائے ہیں صرف اور صرف ان کے اندر رہتے ہوئے ہمیں اپنے مسائل کا حل تلاش کرنے کا حق حاصل ہے اور یہ درست ہے۔

سوال: کیا صحابہ کرامؓ پر ایمان لانا فرض ہے؟ اگر جواب ہاں ہو تو ایمان مجمل میں اس کا ذکر

نہیں۔ اگر نہیں ہوتو ان کے نقش قدم پر نہ چلنے والا دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہونا چاہیے۔ یہ امر قطعی مسلمہ ہے کہ ہر شخص کا معیار فہم وادراک یکساں نہیں ہوتا اور ہر شخص صادق اور امین بھی نہیں ہوتا اگرچہ کہ وہ مخلص ہی کیوں نہ ہو۔ اب ایک استاد کی بات دوسرے شخص تک پہنچانے کے لیے انسان اپنی عقل کو بروئے کار لاتا ہے۔ مخلص ہونے کی بنا پر وہ یہ کوشش کرتا ہے کہ بعینہ وہ مدعا بیان کرے اور وہی الفاظ استعمال کرے مگر پھر بھی غلطی ہو جاتی ہے۔ لہٰذا کیا عجب کہ وہ کلام کو پوری طرح سمجھ بھی سکا ہو یا نہیں۔ اور اس کے اپنے جذبات درمیان میں شامل ہو جائیں ہاں اس کی صرف ایک ہی صورت ممکن ہے اور وہ یہ کہ استاد خود کہے کہ میرے فلاں شاگرد نے میری بات کو صحیح طور پر سمجھا ہے اور اس پر عمل پیرا بھی ہے۔ اگر یہ بات صحابہ کرامؓ پر منطبق آتی ہے تو کیوں کر تمام کے تمام صحابہؓ لائق تقلید ہوئے؟ اور اگر نہیں آتی تو اس کی دلیل کیا ہے؟

جواب: صحابہؓ پر ایمان لانا فرض نہیں۔ البتہ قرآن کریم پر ایمان لانا فرض ہے اور قرآن کریم میں چونکہ صحابہؓ کی عظمت تقویٰ، صداقت، بڑے اہتمام سے بیان ہوئی۔ اس لیے صحابہؓ کی عظمت کا انکار دراصل قرآن کا انکار ہے اور یہ بات انسان کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتی ہے اور حدیث نبوی ﷺ ہے، ان اللہ اختارنی و اختارلی اصحابیؓ یعنی اللہ نے جس طرح میرا انتخاب کیا اسی طرح میرے لیے میرے صحابہؓ کا انتخاب فرمایا رب جسے منتخب کرے بندہ کو اس میں عیب نظر آئے تو افسوس ہے اس بندے پر۔

سوال: کیا میت والے گھر سے کھانا کھانا شرعاً جائز ہے؟

جواب: ہمارے ہاں لین دین، شادی بیاہ، بچے کی پیدائش، موت و جنازہ اور ایسے بہت سے دوسرے معاملات میں ہم کچھ فرائض، سنن وواجبات پورے کر رہے ہوتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جن کے متعلق ہم سمجھتے ہیں کہ اگر ایسا نہ کیا تو برادری یا معاشرے میں نکّی ہو جائے گی۔ میت والے گھر میں دھڑلے سے دعوت دی جاتی ہے کہ کھانا کھا کر جائیے گا۔ اور کئی کئی دن تک میت والے گھر میں لنگر جاری رہتا ہے۔ تو شرعاً اہل بستی کا ایسے گھر میں کھانا کھانا ممنوع ہے۔

سوال: اسلام سے پہلے جتنے سچے مذاہب آئے یعنی یہودیت یا عیسائیت' وہ مشرق وسطیٰ یا

اس کے قریب کے علاقوں اور ملکوں میں آئے جبکہ دنیا کی بہت زیادہ آبادی روس، چین، جاپان، ہندوستان میں پائی جاتی ہے کیا ان لوگوں کی طرف کوئی پیغمبر مبعوث نہیں ہوئے؟

جواب: یہ خیال درست نہیں ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ قرآن کریم نے جن مذاہب کا جن انبیاء کا ذکر مناسب سمجھا اور فرمایا وہ سارے مشرق وسطیٰ میں تھے اس لیے کہ قرآن کے پہلے مخاطب عرب تھے اور عرب مشرق وسطیٰ کے حالات سے عموماً واقف تھے اپنے آباؤ اجداد سے اپنے قصے کہانیاں سنتے آئے تھے، تو جب مثال دینا پڑی کسی غرق ہونے والی قوم کی یا کسی اللہ کے نیک اور مقرب بندے نبی اور رسول کی تو عربوں کو قرآن نے وہی بات بطور مثال پیش فرمائی جو ان کی معلومات میں ایک حد تک تھی۔ لہٰذا قرآن حکیم نے جن انبیاء کا ذکر فرمایا یا جن کے بارے میں ذرا تفصیل سے یا مثال کے طور پر جنھیں ارشاد فرمایا وہ مشرق وسطیٰ میں مبعوث ہونے والے نبی اور رسول تھے۔ لیکن اس کے ساتھ قرآن نے یہ بھی خبر دی کہ کوئی ایسی قوم نہیں ہے جس میں ہم نے رسول نہ بھیجا ہو۔ اور کوئی ایسا ملک یا آبادی نہیں ہے جو نبوت کے پیغام سے محروم رہی ہو۔ اب یہ اللہ کو پسند نہیں تھا کہ عرب جب جاپان یا چین سے واقف ہی نہیں تھے تو جاپان یا چین میں مبعوث ہونے والے نبی کی بات یا حالات کا تذکرہ کرتا۔ چونکہ پہلے مخاطب قرآن کے، محمد رسول اللہ ﷺ کے، عرب تھے لہٰذا قرآن کا فرمان بھی انہی کی زبان میں ہوا اور ان کی سمجھ اور علم کے مطابق اس نے مثالیں بھی دیں، تو نبی ہر جگہ ہر قوم میں مبعوث ہوئے۔ ہندوستان میں معروف تھا کہ ایک جگہ پانچ انبیاء کی قبریں یکجا ہیں تو میں نے مولانا تھانویؒ کے حالات میں پڑھا کہ وہ بھی ان کی زیارت کو گئے اور انھوں نے بھی تصدیق فرمائی کہ انبیاءؑ ہیں۔ وہ صاحب کشف تھے۔ حضرت اللہ یار خانؒ کے سامنے لوگ ایسی باتیں کرتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ میرے سامنے بات ہوئی ایک صاحب قبر کے بارے میں کہ پاکستان میں بھی ایک ایسی ہی جگہ ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا بھائی یہ تو صاحب کتاب نبیؑ ہیں۔ یہ تو رسول ہیں۔ ان کے پاس اپنی کتاب ہے اگرچہ اب اس کتاب کی کوئی سمجھ نہیں آتی کہ کونسی زبان ہے، کیسی ہے۔ بھیرہ میں ایک ولی بہت پائے کے دفن ہیں یہ جو معروف ہیں ان میں سے نہیں۔ بلکہ ان کی قبر پر لوگوں نے مکان بنا لیے ہوئے ہیں۔ آبادی کے نیچے ہے اور وہ اپنے عہد کے اپنے زمانے کے غوث گزرے ہیں (غوث اولیاء اللہ میں وہ بندہ ہوتا ہے جو اپنے وقت میں دنیا میں ساری آبادی میں ایک فرد ہوتا ہے) حضرتؒ اکثر ساتھیوں کی ان

سے ملاقات کراتے رہتے تھے اور بات چلتی رہتی تھی۔ ایک دفعہ حضرت اللہ یار خانؒ نے فرمایا غوث صاحب سے عرض کرو (حضرت کی عادت تھی دو تین کشفیوں کو کہتے تھے) کہ یہ نبیؑ جو ہیں ان کی کتاب کس زبان میں ہے، کیسی ہے، اس کے احکام کیا ہیں (چونکہ سب کتابوں میں اخبار ایک ہیں' اللہ کی ذات اس کی صفات قیامت، آخرت، عذاب وثواب کے بارے۔ جہاں تک خبر کا تعلق ہے وہ وہی ہے جو آدمؑ نے دی' باقی انبیاء نے بھی وہی دی اور وہی محمد رسول اللہ ﷺ نے دی۔ جہاں تک احکام کا تعلق وہ حالات، لوگوں کی حیثیت ضروریات اور وقت کے تقاضوں کے مطابق ہر قوم پر مختلف آتے رہے۔ مختلف چیزیں حلال حرام ہوتی رہیں۔ مختلف طریقہ ہائے عبادت آتے رہے) انھوں نے فرمایا دیکھو ہمارا ایمان تمام نبیوںؑ کے ساتھ ہے۔ انکار کریں تو کفر ہے لیکن ہمارے لیے صرف ایک دروازہ ہے اور وہ ہے محمد رسول اللہ ﷺ کا، اور کسی شریعت کے ہم مکلّف نہیں ہیں۔ ہمیں کیا ضرورت ہے کہ جانیں کہ ان کی کتاب میں کیا ہے؟ ہم مکلّف ہیں اس کتاب کے جاننے کے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے دی ہے۔ تو ان کی عظمت ان کی نبوت ان کی رسالت پر ایمان ان کا ادب و احترام جزو ایمان۔ میں جس ہستی کے بارے میں بات کر رہا ہوں یہ بات کشفی مشاہدے کی ہے۔ لیکن وہ اس سرزمین میں دفن ہیں جسے آپ پاکستان کہتے ہیں۔ اسی طرح ہندوستان میں بھی قبریں پائی جاتی ہیں، یقیناً چین میں بھی ہوں گی، جاپان میں بھی ہوں گی۔ چند سال پہلے چین کے ایک علاقے سے کسی کھدائی کے دوران بہت سی قبریں برآمد ہوئیں جن کے وجود ابھی تک تروتازہ تھے اور اس پران کے ماہرین کی رائے بھی آئی کہ جی یہ علاقہ جو ہے اس میں مٹی ایسی ہے اس میں ریت کا عنصر زیادہ ہے بارشیں کم ہوتی ہیں اس میں رطوبت نہیں پائی جاتی۔ بھئی صرف ان وجودوں کے لیے رطوبت نہیں تھی دس، بارہ، چودہ، کب سے لوگ دفن ہو رہے ہیں، باقیوں کو رطوبت کیوں کھا گئی۔ پتہ یہ چلتا ہے کہ وہاں بھی اللہ کے نبی مبعوث ہوئے اور وہ کوئی نبیؑ یا صحابیؓ تھے یا وہ شہداء تھے' بہرحال قرآن نے یہ خبر دی ہے کہ جہاں جہاں انسانی آبادی تھی وہاں وہاں اللہ نے نبی مبعوث فرمائے۔

سوال: حدیث شریف میں ہے کہ اللہ نے آدمؑ کو اپنی صورت پہ بنایا ہے۔
ان اللّٰہ خلق ادم علی صورتہ۔ اس کا کیا مفہوم ہے؟

بحوالہ صورت سے جو میں سمجھ سکا ہوں مراد شکل وصورت نہیں ہے۔صورت سے مراد یہ ہے کہ چیزوں کو استعمال کرنا ان پر حکومت قائم کرنا ان پر اپنا کنٹرول رکھنا مختلف چیزوں سے مختلف کام لینا یہ اللہ نے انسان کے مزاج میں رکھا ہے اور یہ صورت حال جو ہے یہ سزاوار ہے اللہ کو جس نے چیزیں بنائی ہیں کہ وہ ان چیزوں سے کام لے تو وہ صورت وہ کیفیت اللہ نے انسان کو بھی انسان کی حیثیت کے مطابق دی ہے چونکہ صفات کا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ صفت جب موصوف کی طرف منسوب کی جاتی ہے تو اس کی حیثیت کے مطابق اس صفت کی استعداد بدل جاتی ہے مثلاً جب آپ کہتے ہیں کہ اللہ بصیر ہے تو بصارت کی صفت اس انداز سے ہوگی جیسی اللہ کو سزاوار ہے، جب انسان کی طرف بات آتی ہے تو قرآن کہتا ہے **وجعلنہ سمیعاً بصیرا** ہم نے انسان کو سننے والا دیکھنے والا بنایا ہے ایک اور جگہ **ان اللّٰہ سمیعٌ بصیر** ''بے شک اللہ دیکھنے اور سننے والا ہے''۔اس میں جب سمیع وبصیر کا موصوف اللہ ہوگا تو وہ سمع وبصارت اس کی شان کے مطابق ہوگی جب سمیع وبصیر کا موصوف انسان ہوگا تو سماعت وبصارت انسان کی حیثیت کے مطابق ہوگی۔نبی کی بصارت اپنی ہوگی صحابیؓ کی اپنی ہوگی ولی کی اپنی ہوگی مومن کی اپنی ہوگی اور کافر کی اپنی ہوگی۔یہ جو ہے کہ اللہ نے آدمؑ کو اپنی صورت پہ بنایا اس میں چیزوں سے کام لینے کا خدمت لینے کا اپنے لئے استعمال کرنے کا داعیہ اور جذبہ اللہ نے مطلق انسان میں رکھا۔اس لیے آپ دیکھتے ہیں کہ کافر بھی ایجادات کرتا ہے، جہاز بنالیتا ہے چیزوں کو استعمال کر کے ان پر حکومت کرتا ہے تو یہ شان اللہ نے اس لیے دی کہ یہ استعداد رکھتے ہوئے بھی میری اطاعت کرتا ہے یا میرے مقابلے میں اتر جاتا ہے۔

اگر انسان میں یہ استطاعت ہی نہ ہوتو پھر تو وہ اطاعت ہی کی زندگی بسر کرتا جیسے جانور کرتا ہے کہ وہ عدم اطاعت کیوں کرے اس کی روٹین لائف ہے ایک بندھی بندھائی زندگی ہے اس سے باہر وہ نہیں جاتا۔آپ کسی جانور کو دانے دیں وہ دانے کھانا شروع کر دیتا ہے انہیں پیس کر روٹی بنانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔سارے جانور قدرتی غذا کھاتے ہیں، قدرتی پانی پیتے ہیں قدرتی لباس میں رہتے ہیں قدرتی ٹھکانوں میں زندگی بسر کرتے ہیں۔لیکن جس طرح اللہ تعالیٰ خود چیزیں تخلیق کرتا ہے اس طرح انسان کو نئی نئی چیزیں بنانے کی، ان سے فائدہ حاصل کرنے کی، ان پر حکومت چلانے کی، ان سے خدمت لینے کی استعداد دی گئی ہے اور یہ استعداد اس کا امتحان بن گئی

ہے کہ وہ خود خدا بن جاتا ہے یا یہ سمجھتا ہے کہ یہ ساری چیزیں میرے پاس کسی کی دی ہوئی ہیں۔ میں تو بس مٹی کا ایک ڈھیر ہوں۔

سوال: ملازمت سے اگر اعتکاف کے لیے چھٹی نہ ملے تو کیا کرنا چاہیے؟

جواب: تو آپ اعتکاف نہ بیٹھیے۔ اعتکاف کوئی فرض عین نہیں، جھوٹ بول کر اعتکاف بیٹھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جس طرح ہیرا پھیری کر کے، چوری کر کے یا ادھار مانگ کر حج پر جانے کی ضرورت نہیں۔ جب آدمی مکلّف ہی نہیں یا اس میں استطاعت ہی نہیں تو اپنے لیے بوجھ بڑھانے کی ضرورت نہیں ہے جو طریقے اللہ نے فرض کیے ہیں ان کو پورا کریں۔ مثلاً ہم تنخواہ لیتے ہیں تو کام کرنا اور حاضر رہنا ہم پر فرض ہے۔ اعتکاف سنت ہے اور سنت کے لیے فرض کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں؟ عبادت کے لیے جھوٹ بولنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ جائز طریقے سے چھٹی ملتی ہے تو ضرور بیٹھیں، بہت اچھی بات ہے۔ نہیں ملتی نہ بیٹھیں، اپنا کام کریں۔

سوال: الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ درودوں میں سے ایک درود ہے۔ آدمی اگر اس خیال سے پڑھتا ہے کہ حضورﷺ تک میرا درود پہنچا ہے یا اللہ کے فرشتے پہنچا دیتے ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، جس طرح اللہ سنتا ہے اس طرح حضورﷺ نہیں سنتے اور حضورﷺ کا یہ دعویٰ بھی نہیں کہ میں اللہ کے برابر ہوں، بلکہ اس دعویٰ ہی کو تو مٹانا حضورﷺ کا منشاء عالی ہے۔

ہمارا اختلاف اس پر ہے کہ اگر ان کا خیال ہے کہ میں جو بات کر رہا ہوں حضورﷺ بھی یوں سن رہے ہیں جیسے سامنے موجود ہوں تو میں حضورﷺ سے لاؤڈ سپیکر پر بات کرنے کی جرأت کیسے کر سکتا ہوں، جبکہ قرآن نے منع کر دیا ہے۔

لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی

(مت اونچی کرو اپنی آوازوں کو نبی کی آواز سے)

حضور اکرمﷺ کی موجودگی میں اونچا بولنا حرام ہی نہیں بلکہ ساری زندگی کی نیکیاں کھا جاتا ہے۔ آپ جب لاؤڈ سپیکر کھول کر پورا زور لگا کر کہتے ہیں۔ الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ، اور

آپ مانتے ہیں کہ حضورﷺ موجود ہیں تو آپ کی تو ساری نیکیاں گئیں۔

مسنون درود پاک پڑھنے کی فضیلت بہت زیادہ ہے۔اس کی فضیلت کو یوں سمجھئے کہ ایک شخص سارا سارا دن وظیفے اور تسبیحات پڑھتا رہے لیکن ان کا وہ فائدہ نہیں ہوگا جو شیخ کی بتائی ہوئی ایک تسبیح کا ہے تو اندازہ کیجئے کہ حضور اکرمﷺ کچھ پڑھنے کو فرما دیں تو اس کا کس قدر فائدہ ہوگا۔ اس لیے بہترین درود وہ ہے جو آپﷺ سے مسنون ہے۔ ان کی تعداد سینکڑوں میں ہے اور احادیث مبارک میں موجود ہے۔

سوال: درود وسلام الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ تسبیحات کی شکل میں پڑھنا کیسا ہے؟

جواب: درست ہے کوئی حرج نہیں ہے اگر بندے کو یہ ایمان ہو کہ اللہ میری بات پہنچا رہا ہے اللہ کے فرشتے میرا اسلام بارگاہ نبویﷺ میں پہنچا رہے ہیں تو کوئی حرج نہیں۔لیکن سب سے اچھے درود وہ ہیں جو صحابہؓ نے حضورﷺ سے پوچھے اور حضورﷺ نے فرمائے۔آپ کو تجربہ ہوگا یوں تو سارا قرآن حکیم ہمارے پاس ہے اور ہم تلاوت بھی کرتے ہیں۔اللہ کا احسان ہے لیکن کوئی بزرگ بتا دیتا ہے کہ یہ آیت سو بار پڑھو دس بار پڑھو اس پر یہ فائدہ ہوگا یا یہ مرض چھوڑ جائے گا تو وہ آیت اس طرح پڑھنے سے وہ فائدہ ہو جاتا ہے جبکہ ہم سارا قرآن مجید پڑھتے رہتے ہیں پھر وہ فائدہ کیوں نہیں ہوتا۔اس کا مطلب ہے ہر بندے کو ایک نسبت ہوتی ہے اللہ سے' اس کے منہ سے نکلی ہوئی بات سے وہ اثر پیدا ہوتا ہے اگر ولی اللہ کی بات سے اتنا اثر ہو جاتا ہے تو جو الفاظ رسول اللہﷺ نے فرمائے کہ اس طرح پڑھو ان کا ثانی کون ہوسکتا ہے۔؟۔حدیث شریف میں اور سیرت کی کتابوں میں بہت سے درود ہیں مجھے تعداد یاد نہیں ہے۔نبیﷺ سے روایت کیے گئے ہیں لیکن آپﷺ نے فرمایا جتنے درود بھی میں نے ارشاد فرمائے ہیں وہ پڑھے جائیں تو ان کے ثواب کا حساب ہزاروں' لاکھوں' کروڑوں گنا زیادہ ہوگا۔لیکن اگر یہ درود پڑھا جائے۔

اللھم صلی علی محمدن النبی الامی و الہ و صحبہ و بارک وسلم

تو اس کا ثواب ایسے ہے جیسے کوئی سارا ڈھیر اٹھا لے۔حساب نہ کرے بلکہ کہے یہ سارا ڈھیر لے جاؤ۔تو اس طرح کے ارشادات نبویﷺ موجود ہیں اور میری ناقص رائے میں تو یہی درود بہتر ہے جو حضور نے پڑھنے کو فرمائے ہیں انہی میں سے کوئی نہ کوئی پڑھا جائے ۔درود کے لیے

ملائکہ مقرر ہوتے ہیں کچھ فرشتے ایسے ہیں جن کی ڈیوٹی ہی صرف درود پر ہوتی ہے۔ جہاں کوئی درود پڑھتا ہے وہ فرشتے لے کر دربار نبوی ﷺ میں پہنچاتے ہیں۔اس کا نام اوراس کی شناخت کہ فلاں کا بیٹا فلاں یا فلاں کی بیٹی نے یہ درود بارگاہ عالی میں بھیجا ہے۔اس لیے درود جہاں بھی پڑھا جائے پہنچ جاتا ہے اللہ نے اس کے پہنچانے کا اہتمام کر رکھا ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نگاہ کی وسعت میں کائنات کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔آپ ﷺ کی نگاہ اس سے وسیع تر ہے۔نگاہ کا ہونا اور بات ہے اورکسی کو دیکھنا اور بات ہے۔ بندہ اس قابل نہیں ہے کہ حضور ﷺ اس کی طرف متوجہ ہوں نہ ہماری یہ حیثیت ہے اور نہ ہماری یہ مجال بلکہ یہ اللہ کا احسان ہے کہ اس نے کچھ فرشتوں کی ذمہ داری ہی یہ لگا دی ہے کہ اگر روضہ اطہر ﷺ پر حاضر ہوکر پڑھا جائے تو وہاں سلام دینے کا ایسے ہی حکم ہے جیسے آپ کی حیات دنیوی میں بارگاہ نبوی ﷺ میں پیش کیا جاتا تھا تو وہاں آپ کھڑے ہوکر بصد شوق عرض کرتے ہیں **السلام علیک یارسول اللہ وسلم علیک یا حبیب اللہ**

سوال: ایک ایسا طالب علم جس کا ذریعہ معاش نہیں ہے اس کے والدین کا ذریعہ معاش حرام ہے اسے اللہ اللہ شروع کرادیں تو حرام کھا کر تزکیہ ہوجائے گا؟

جواب: والدین کے کمانے کا وہ ذمہ دار نہیں ہے۔ یہ جو رزق کا معاملہ ہے اس میں یہ ہوتا ہے کہ ایک آدمی رشوت لیتا ہے اس کے پاس پیسے جمع ہو گئے اب اس نے زکوٰۃ دی تو زکوٰۃ والے یہ نہیں پوچھیں گے کہ اس کے پاس پیسے حلال کے ہیں یا حرام کے ہیں جو سرمایہ اس کے پاس ہے اس پر اسے زکوٰۃ دینا ہے جب وہ زکوٰۃ دے گا تو جو زکوٰۃ کے مستحق ہیں انھیں وہ پیسے ملیں گے ان کے لیے وہ حلال ہے۔انھوں نے اللہ کے قانون کے مطابق لی ہے۔ جب صورت بدلتی ہے لین دین کی تو احکام بدل جاتے ہیں وہی پیسہ ایک کے لیے حلال ہو جاتا ہے دوسرے کے لیے حرام رہتا ہے،اب ایک نے رشوت لی اس پر جرمانہ ہوگیا پیسہ تو وہی ہے جو حرام سے آیا تھا حکومت کے خزانے میں چلا گیا اور پھر آپ کی تنخواہ میں آ گیا تو آپ کے لیے حلال ہے کیونکہ آپ نے اپنی ملازمت کر کے تنخواہ لی تو اس طرح جب تک بچہ والدین کا زیر دست ہے تب تک وہ جو بھی اسے کھلاتے ہیں اس کے لیے حلال ہے یہ الگ بات ہے کہ اس میں حرام کی نحوست تو ضرور ہوگی لیکن

حرمت والی جو سختی ہے وہ نہیں ہوگی۔

اسی طرح ایک خاتون کا مسئلہ تھا کہ میرا میاں ناجائز کمانے سے باز نہیں آتا میں نے کہا تم اسے سمجھانے کی، مشورے دینے کی مکلّف تو ہو لیکن گھر اجاڑنے کی نہیں۔ اگر باز نہیں آتا تو تم نے حق ادا کر دیا۔ چھوٹے چھوٹے بچے ہیں گھر اجاڑنے کی اجازت نہیں ہے جب میدان حشر میں معاملہ پیش ہوگا تو تم کہہ سکو گی کہ اللہ میں کہاں سے لے کر کھاتی میرا تو تو نے حق مقرر کر دیا تھا کہ میں اس سے لے کر کھاتی اب اگر یہ غلطی کرتا تھا تو میں نے اسے بارہا کہا تھا کہ نہ کر، نہیں باز آیا تو تو جان اور یہ جانے۔ چونکہ عورت مستحق ہے نان ونفقہ لینے کی تو وہ حرام کما کر بھی اسے دے گا تو اس کے لیے حلال ہے۔ اس کا تو ذریعہ ہی وہی ہے نا اس کے لیے حرام نہیں رہے گا۔ ہاں یہاں البتہ جب وہ بچہ بالغ ہو جاتا ہے تو پھر اس پر فرض ہے کہ وہ اپنا رزق خود کمائے اور حلال کمائے پھر وہ باپ کی حرام کمائی سے کھائے تو اس پر حرام والے احکام آجاتے ہیں چونکہ وہ خود معاشرے کا ایک فرد بن گیا ہے اب بچہ نہیں رہا۔

سوال: کیا درود شریف پڑھ کر ایصال ثواب نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ اس کا ثواب صرف اپنی ذات کے لیے ہوتا ہے؟

جواب: نہیں یہ بات نہیں۔ یہ سمجھنے میں غلطی لگتی ہے۔ اس سے جو ثواب حاصل ہوتا ہے وہ آپ کا اپنا سرمایہ ہے پاس رکھیں یا کسی کو بخشیں اس پہ کسی کو اعتراض نہیں۔

ایصال ثواب کا فلسفہ یہ ہے کہ وہ عمل جو آپ نفلی طور پر کرتے ہیں جو آپ پر فرض نہیں ہے، جو فرض ہے وہ تو ذمہ داری ہوگئی وہ کسی کو کیا دو گے لیکن فرض کے علاوہ آپ نوافل نماز پڑھتے ہیں یا تلاوت کرتے ہیں یا تسبیحات پڑھتے ہیں یا درود پڑھتے ہیں تو وہ آپ کا بنک بیلنس بنتا جاتا ہے اب اس میں آپ کی مرضی کہ آپ کس کو دینا چاہتے ہیں۔ ہمارے ہاں یہ بھی رواج ہو گیا ہے کہ ثواب صرف مردوں کو بخشا جا سکتا ہے حالانکہ آپ کسی زندہ دوست کو باپ کو بھائی کو بہن کو بیٹے کو کسی زندہ انسان کو استاد کو کسی کو دینا چاہتے ہیں (وہ ثواب) آپ اللہ سے دعا کریں وہ اس کھاتے میں منتقل فرما دے گا۔

نبی کریم ﷺ لیٹے ہوئے تھے اور رات تھی آسمان کھلا ہوا تھا بے شمار ستاروں سے بھرا ہوا تھا تو

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے پوچھ لیا کہ یا رسول اللہ جس طرح یہ جو آسمان پر لامحدود حدوں تک ستارے ہی ستارے نظر آتے ہیں انسان کے بس میں نہیں کہ انھیں شمار کر سکے کیا کسی کا نامہ اعمال نیکیوں سے بھی اسی طرح مزین ہوگا اس طرح بھرا ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا بے شک عمرؓ کی نیکیاں بالکل ایسی ہی نظر آتی ہیں اعمال نامے میں جیسے یہ آسمان میں ستارے بھرے ہوئے ہیں۔ اگلا سوال انھوں نے یہ کیا کہ اگر حضرت عمرؓ کی نیکیاں ایسی ہیں یا رسول اللہ ﷺ تو میرے والد ابوبکرؓ کا اعمال نامہ کیسا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ابوبکرؓ کے اعمال نامے کی بات نہ کرو اس نے جو تین راتیں غار ثور میں میرے ساتھ پالیں ساری کائنات ان کا مقابلہ ہی نہیں کر سکتی۔ یہ بات حضرت فاروق اعظمؓ تک پہنچی، سیدنا ابوبکر صدیقؓ کو ابھی پتہ نہ چلا۔ انھوں نے سوچا اس سے پہلے کہ حضرت ابوبکرؓ یہ بات سن لیں مجھے ان سے مل لینا چاہیے وہ ان کے پاس پہنچے کہنے لگے میں آپؓ کو حضور ﷺ کا ایک ارشاد سناؤں فرمایا ضرور سناؤ کہ رات حضور ﷺ نے فرمایا ہے میرے بارے میں کہ میری نیکیاں اعمال نامے میں ایسی ہیں جیسے آسمان پر ستارے' اب میں اس لیے آپؓ کے پاس آیا ہوں کہ آپؓ یہ ساری نیکیاں لے لیجئے اور آپؓ کو جو تین راتیں غار ثور میں نصیب ہوئی ہیں نبی کریم ﷺ کے ساتھ آپؓ ان میں سے ایک رات کا ثواب مجھے دے دیجئے۔ انھوں نے فرمایا نیکی نیکی ہوتی ہے اور رفاقت حبیب ﷺ اپنی کیفیت رکھتی ہے میں کیوں دوں؟ میں ایسا نہیں کروں گا۔

یعنی یہ ایک بیلنس ہے میں یہ واقعہ عرض کر کے یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ یہ آپ کا سرمایہ ہے آپ اسے بیچیں خریدیں رکھیں یا کسیکو انعام دیں مفت دیں تو اس کے لیے آپ کو الفاظ کہنے کی (زبان سے) ضرورت نہیں ہے آپ خلوص سے دل میں یہ سوچیں گے کہ اس نیکی کا ثواب فلاں شخص کے حساب میں جانا چاہیے تو اللہ دلوں کی بات جانتا ہے وہ ادھر کر دے گا اور یہ دیکھا گیا ہے کہ اگر زندہ اولاد یا زندہ دوست یا احباب اچھے نہ ہوں اور ان کے لیے ایصال ثواب کیا جائے تو اللہ انھیں نیکی کی طرف مائل کر دیتا ہے ان پر تھوڑی تھوڑی پھوار سی پڑنی شروع ہو جاتی ہے مزاج میں تبدیلی آنا شروع ہو جاتی ہے۔ ایک درخت ویرانے میں کھڑا ہے وہاں بارش نہیں ہوتی آپ کبھی کبھی ایک گلاس پانی کا بھی اسے ڈال دیتے ہیں تو اپنا اثر ضرور دکھاتا ہے ایک آدمی خود نیکیاں نہیں کرتا تو آپ اس کے لیے اگر ایصال ثواب کرنا شروع کر دیں تو اس کا مزاج آہستہ آہستہ بدلنا شروع ہو

جاتا ہے۔

سوال: کیا باجماعت نماز میں امام صاحب سے تجاوز کرنا (آگے بڑھ جانا) جائز ہے؟
جواب: نماز میں نیت کرنے کے بعد آپ امام سے ذرا سا پیچھے رہ جائیں وہ قابل برداشت ہے۔ امام رکوع میں چلا گیا اور آپ ابھی قیام میں ہیں تو اس میں حرج نہیں۔ آپ رکوع میں شامل ہو سکتے ہیں امام نے دو تسبیح پڑھ لی آپ تیسری میں جا ملے تو بھی کوئی حرج نہیں لیکن امام سے ذرا سا بھی تجاوز کرنا درست نہیں مثلاً اگر امام ابھی پورا نہیں جھکا اور آپ پورے جھک گئے تو وہاں آپ کی اقتداء ٹوٹ گئی باطل ہو گئی پھر باقی نماز جو ہے وہ محض ورزش رہ گئی اگر ایسا ہو جائے تو وہاں سے نماز نئے سرے سے پھر شروع کرنا پڑے گی جو باقی رکعت پہلے نکل گئی ہیں وہ اٹھ کر بعد میں ادا کرے گا

سوال: ذکر لسانی درود شریف کلمہ استغفار وغیرہ تسبیح پر پڑھنا زیادہ اچھا ہے یا کاؤنٹر پر پڑھنا زیادہ اچھا ہے؟
جواب: میاں تسبیح بھی اور کاؤنٹر بھی یہ ساری بعد کی چیزیں ہیں۔ عہد نبوی ﷺ میں تسبیح بھی نہیں تھی۔ صحابہ کرام کھجور کی گٹھلیوں وغیرہ پر گن لیتے تھے۔ وہ بھی اس لیے کہ جب ایک تعداد مقرر کر لی جائے تو پھر آدمی کم از کم مقررہ تعداد جتنا ضرور پڑھتا ہے اگر وہ تعداد مقرر نہیں کرتا تو کسی دن تو زیادہ پڑھ لیتا ہے کوئی دن خالی بھی چلا جاتا ہے۔ اس میں تسبیح یا کاؤنٹر بجائے خود کوئی چیز نہیں یہ مذکر ہیں یعنی ہاتھ میں ہوں تو ذکر کرانے کا سبب بنے رہتے ہیں۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ سارے بزرگوں کے پاس تسبیح ہوتی تھی اس وقت کاؤنٹر تھے ہی نہیں۔ اب کاؤنٹر آ گئے۔ تسبیح بھی شمار کرتی ہے کاؤنٹر بھی شمار ہی کرتا ہے۔ یہ چھوٹی چھوٹی قیدیں اپنے اوپر لگانا کوئی زیادہ مناسب بات نہیں ہے۔ چونکہ کوئی ایسا حکم قرآن میں یا سنت میں موجود نہیں ہے کہ اس طرح کی تسبیح بنائی جائے اور اس پر پڑھا جائے بلکہ اگر کوئی حکم ملتا ہے تو یہ ہے اتنی دفعہ فلاں کلام پڑھ لو اس کے ساتھ یہ قید نہیں ہے کہ تم نے کس چیز پر گنی۔

سوال: قرآن پاک میں ہے کہ ماں کے پیٹ میں کیا ہے' یہ تمھیں نہیں بتایا گیا۔ انگریز کہتے

ہیں ہم بتا سکتے ہیں ماں کے پیٹ میں نر ہے یا مادہ۔اس دلدل سے کیسے نکلیں گے؟

جواب: سادگی بھی بڑی عجیب شے ہے مسلمان بیچارے سادگی میں ہی مارے گئے۔ اللہ جانتا ہے ایک چیونٹی سے لے کر بڑے سے بڑے جانور تک۔انسان چرند، پرند کہ کونسی مادہ کیا جنے گی؟ کتنی اس کی عمر ہوگی؟ کیا اس کی شکل ہوگی؟ کیا عقل ہوگی؟ کیا شعور ہوگا؟ کتنے بخت ہوں گے۔ سعید ہوگا یا بد بخت ہوگا۔ حاکم بنے گا یا مظلوم ومحکوم ہوگا۔قید میں اس کی عمر بسر ہوگی یا وہ سیشن جج بنے گا یہ ساری باتیں اللہ جانتا ہے۔اب چھ سو کروڑ انسانی آبادی میں سے ایکسرے کے ذریعے، مشین کے ذریعے اندازہ لگایا جاتا ہے اس میں سے ہزار میں سے دو سو درست بھی ہو جاتے ہیں تو اس سے کیا فرق پڑا۔ پھر اللہ بغیر کسی سبب کے جانتا ہے۔انگریز نے کوئی تیر نہیں مارا کہ اس نے ایکسرے یا لیزر ایجاد کر کے اندازہ لگالیا کہ پیٹ میں بچہ ہے یا بچی۔آپ اگر طب پڑھے ہوتے۔ یا اطباء کا حال جانتے ہوتے تو آپ کو خبر ہوتی کہ ہمارے طبیب عورت کو چلتا دیکھ کر بتا دیتے تھے کہ اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوگا یا بیٹی۔ پاؤں کا نقش لگا ہوا زمین پر دیکھ کر طبیب بتا دیتے تھے کہ یہ عورت حاملہ ہے یا نہیں اور اگر حاملہ ہے تو بچہ جنے گی یا بچی جنے گی اور ایسے ماہرین پائے گئے طب کے معاملے میں (امراء اور نوابین کے ہاں ہوتے تھے) میں نے کئی اطباء کا حال پڑھا کہ خواتین کے بازو کے ساتھ وہ دھاگہ باندھ دیتے تھے اور پردے سے باہر دھاگہ پکڑ کر وہ اس کے بدن کی نبض کی حرکات معلوم کر لیتے تھے۔آپ نے کبھی کسی نباض کو دیکھا ہو تو یوں پتہ چلتا تھا کہ مریض کی زندگی کی تہیں کھولتا چلا جا رہا ہے اور پشتوں کے امراض بتا دیا کرتے تھے۔بھیرہ میں ایک نباض ہوتے تھے ہمارے علاقے کا ایک مریض ان کے پاس گیا اور انھوں نے لا علاج قرار دے دیا اور انھوں نے تاکید کی کہ اسے واپس لے جاؤ تاکہ تم اسے زندہ گھر لے جا سکو۔تب زمانہ تھا کہ چارپائی پر اٹھا کر مریضوں کو بھی پیدل لے جایا جاتا تھا۔گاڑیاں واڑیاں نہیں ہوتی تھیں تو وہ جب واپس چلے تو راستے میں کماد کے کھیت تھے تو اس مریض نے کہا بھئی پرہیز کرتے دو سال چار سال بیت گئے اب جی چاہتا ہے کہ مجھے آپ گنے کا رس پلائیں تو آپ ایسا کریں کہ مجھے گنے کا رس پلوائیں۔ پرہیز کو چھوڑیں تو انھوں نے اس کماد میں سے چار پانچ گنے کاٹ لیے اور اسے گنڈیریاں بنا بنا کر چبانے لگے وہاں کوئی رس نکالنے والا تو تھا نہیں اور کماد بھی وہ تھا گڑ بنانے والا لیکن وہ چھیل چھال کر باریک سی پھانکیں بنا کر مریض کو دیتے رہے اور وہ چوستا رہا۔وہ جوں جوں

گنڈیریاں چوستا گیا اس کی طبیعت بحال ہونا شروع ہوگئی اور انھوں نے دیکھا کہ یہ تو بہتر ہو رہا ہے تو وہ چار پانچ گنے اسے انھوں نے اور کھلا دیے اور بندہ نوے فیصد ٹھیک ہو گیا۔ Weakness رہ گئی مرض ختم ہو گیا تو وہ مریض اٹھا کر واپس چل دیے انھوں نے کہا حکیم صاحب نے ہمارے ساتھ کیا مذاق کیا ہے اتنا بڑا طبیب اور اس کا علاج گنے کا رس تھا اور ہمیں انھوں نے جواب دے دیا اس سے بات تو کریں۔ حکیم صاحب کو جب انھوں نے ساری بات بتائی تو وہ ساتھ چل پڑے انھوں نے کہا چلو میرے ساتھ اور مجھے وہ جگہ دکھاؤ جہاں سے تم نے گنے کاٹے ہیں جب انھوں نے دکھایا جی یہ بوٹا ہے ابھی ہم نے کاٹا ہے دو چار گھنٹے گزرے ہیں۔ انھوں نے کہا اس بوٹے کی جڑیں کھودو۔ کھودا تو نیچے ایک سانپ کا ڈھانچہ تھا۔ اس نے کہا اس کا علاج یہ تھا کہ فلاں نسل کا سانپ ہو اسے دفن کیا جائے اس پر کماد بویا جائے اور وہ کماد جب رس دے گئے ہیں تو وہ رس اسے پلایا جائے یہ اس مرض کا علاج تھا یہ میں جانتا تھا۔ لیکن یہ ممکن نہیں تھا اس کے پاس اتنی فرصت نہیں تھی اب اگر قدرت نے اسے شفا دی ہے تو اللہ کا شکر ادا کرو۔ تو اس حد تک تو ان کے پاس علم طب ہوتا تھا لیکن انگریز کا لیزر امریکن کا ایکسرے، طبیب کی نبض سب ظنی ہے۔ یہ علم قطعی نہیں ہے۔

سوال: رفع یدین کے بارے میں وضاحت فرمائیں کہ آیا یہ ضروری ہے؟

جواب: ضروری نہ ہوتا تو کوئی بھی نہ کرتا۔ رفع یدین سارے نمازی کرتے ہیں کوئی بندہ بھی جب نماز شروع کرتا ہے تو دونوں ہاتھ اٹھا کر کانوں کو لگاتا ہے۔ اسی کو رفع یدین کہتے ہیں۔ ہاتھوں کے اٹھانے کے متعلق اگر آئمہ میں ترجیح کا اختلاف ہے تو وہ ہر تکبیر پر ہے۔ جو ہر تکبیر پر ہاتھ اٹھاتے ہیں ان کے نزدیک زیادہ ثواب اس میں ہے کہ جب بھی آپ اللہ اکبر کر کے رکوع میں جاتے ہیں یا سجدے میں جاتے ہیں تو رفع یدین بھی کریں اور ہم حنفیوں کے نزدیک نماز کی نیت کرتے وقت رفع یدین کرنا ہی کافی ہے۔ احناف کے دلائل یہ ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہ عمل بھی کیا، آپ سے ثابت ہے اور یہ بھی کیا۔ لیکن جو عمل حضور ﷺ کا آخر میں تھا وہ یہ ہے کہ صرف نماز شروع کرتے وقت ہاتھ مبارک اٹھایا کرتے تھے۔ فقہ میں اس کی دلیلیں بھی ہیں۔ میں نے آپ کو جو حاصل ہے عرض کر دیا۔ اس میں رفع یدین کا منکر کوئی بھی نہیں ہے چاروں آئمہ میں

فرق صرف یہ ہے کہ احناف صرف نماز کی نیت کرتے وقت اور عیدین کی چھ تکبیروں میں رفع یدین کرتے ہیں اور باقی اوقات میں نہیں کرتے۔ دوسرے آئمہ کے نزدیک ترجیح باقی تکبیرات پر ہے جس کو جو اچھا لگے اپنا لے کوئی حرج نہیں۔

سوال: فاتحہ خلف امام پڑھنا ضروری ہے؟

جواب: ہاں دوسرے آئمہ کے نزدیک ضروری ہے اور احناف کی طرف سے امام اپنے مقتدیوں کا نمائندہ ہوتا ہے۔کوئی شخص خواہ مسجد کا امام ہی ہو' اکیلا صرف اپنی نیت کر کے کھڑا ہو جائے۔ پیچھے خواہ دس نمازی آ کر کھڑے ہو جائیں ان کی نماز نہیں ہوگی کیونکہ وہ ان کی طرف سے نیت کر کے کھڑا نہیں ہوا تھا۔ امام امامت کی نیت کرے گا خود کو نمائندہ سمجھ کر کھڑا ہوگا تو جو پیچھے آتے جائیں گے ان کی نمائندگی وہ کرتا جائے گا لہٰذا احناف کے نزدیک پیچھے کھڑے ہونے والوں کا نمائندہ وہی امام ہے اور قرآن جب پڑھا جا رہا ہوتا ہے تو پھر سننا فرض ہو جاتا ہے اور خاموشی سے سننا پڑتا ہے۔ جو فاتحہ خلف امام پڑھتے ہیں ان کو بھی یہ تکلف کرنا پڑتا ہے کہ امام فاتحہ پڑھ کر ختم کرے' خاموش ہو کر کھڑا ہو اتنی دیر پچھلے فاتحہ پڑھیں اس کے ساتھ نہیں پڑھتے چونکہ جب امام پڑھ رہا ہوتا ہے تو ان کے لیے بھی خاموشی سے سننا واجب ہو جاتا ہے۔ ہم چونکہ حنفی ہیں اپنے دلائل پہ عمل کرتے ہیں۔ اس میں کوئی انکار کی بات نہیں ہے بلکہ سوال وہی ترجیح کا ہے۔

سوال: نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنی چاہیے یا نہیں؟

جواب: نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام جنازے کو دفن کرنے کے بعد دعا مانگا کرتے تھے۔ مسنون طریقہ یہ ہے کہ حضور ﷺ جنازہ پڑھاتے' میت لے جائی جاتی' قبر میں دفن کرتے' سورہ بقرہ کی پہلی اور آخری آیات پڑھ کر مٹی دست مبارک سے قبر پہ ڈالتے اور قبر برابر کر کے حضور ﷺ دعا فرمایا کرتے تھے۔ یہ تو ہے مسنون طریقہ۔ اب اگر نماز جنازہ پڑھنے کے بعد کوئی دعا مانگنا چاہتا ہے' اس پر اسے اصرار ہے تو دعا ہی مانگ رہا ہے ٹھیک ہے۔ لیکن اگر کوئی نہیں مانگتا تو کوئی حرج نہیں، خیر ہے۔ اگر اصرار کیا جائے کہ نہیں جی دعا کے بغیر جنازہ مکمل نہیں ہوگا تو پھر یہ بدعت بن جائے گی۔

سوال: سر اور داڑھی کے بالوں کو رنگنے کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ کیا صرف مہندی لگائی جاسکتی ہے یا بازار میں دستیاب ہیئر کلر بھی استعمال کیا جاسکتا ہے؟

جواب: اس میں جو علماء کا اختلاف ہے وہ صرف سیاہ رنگ پہ ہے وہ بھی صرف مردوں کے لیے خواتین کے لیے نہیں کہ سیاہ رنگ جو ہے وہ استعمال کریں یا نہ کریں اگر چہ کچھ لوگ اس کے بھی حق میں ہیں لیکن اکثریت اس کے خلاف ہے اور جو خلاف ہیں وہ بھی بعض وجوہات پر اس کے جواز کے قائل ہو جاتے ہیں۔ جیسے مجاہدین کے لیے، فیلڈ ورکرز کے لیے، یا کسی کی بیوی جوان ہو یعنی اگر بال سفید ہونے لگیں تو جوان عورت سے شادی کر لے تو جواز مل جاتا ہے۔

پیچھے اس ارشاد نبوی ﷺ میں جو مصلحت ہے وہ یہ ہے کہ بندہ خواہ مخواہ اپنی عمر چھپانے کی کوشش نہ کرے۔ مہندی لگانے کا جہاں تک تعلق ہے تو چونکہ اس دور میں متبادل تھی ہی مہندی تو ابوبکر صدیقؓ تک تو ثابت ہے۔ نبی کریم ﷺ کے ذات والا صفات کے بارے میں بعض نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ مہندی استعمال فرماتے تھے۔ لیکن حق یہ ہے کہ آپ ﷺ کے بال مبارک سفید ہوئے ہی نہیں تھے۔ چند بال قلموں میں سفید تھے۔ جو اس بات کے قائل ہیں کہ حضور ﷺ مہندی استعمال فرماتے تھے ان کے پاس جو حضور ﷺ کے بال تھے وہ سرخ تھے اور وہ بال قدرتاً سرخ تھے۔ جیسے سیاہ بالوں میں قدرتی طور پر سرخ ہوتے ہیں بہر حال سیاہ رنگ سر یا بالوں میں لگانے کو ان دو تین دلیلوں کے علاوہ پسند نہیں فرمایا گیا۔ عورتوں کے لیے نہیں۔ چونکہ یہ زیب و زینت میں آ جاتا ہے اور زینت مردوں کے لیے نہیں، خواتین کے لیے ہوتی ہے۔

سوال: حدیث شریف میں ہے مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ عَرَفَ رَبَّهٗ اس کی وضاحت فرمائیں۔

جواب: بڑی سادہ سی وضاحت ہے اس کی کہ اگر اپنی تخلیق پر غور کر لیا جائے تو انسان کو اپنی حیثیت کا اور مالک کی عظمت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ انسان اپنے آپ کو جانتا نہیں اپنے آپ کو مالک سمجھنے لگ جاتا ہے تو مالک نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ اسے اگر اپنی ضرورتوں کا اپنی احتیاج کا اپنے نفس کی ایک ایک محتاجی کا اپنے بدن کے ایک ایک سیل کیمر آن محتاج ہونے کا ادراک ہو جائے کہ میں کیا ہوں تو اسے مالک کے احسانات کی لمبی فہرست نظر آ جاتی ہے جو ہر

رہے میں حیات رواں دواں رکھتا ہے، ہر ایک نفس کو قائم دائم رکھتا ہے جو اس کے ایک ایک عضو کو قوت کار دیتا ہے تو عظمت باری خود بخود سمجھ میں آ جاتی ہے۔

سوال: عبادت اور عادت میں کیا فرق ہے؟

جواب: کسی بھی کام کے عبادت ہونے کے لیے صرف اور صرف ایک ثبوت ضروری ہے اور وہ یہ کہ یہ کام نبی کریم ﷺ نے کیا یا کرنے کا حکم دیا یا کسی نے آپ ﷺ کے سامنے کیا تو آپ ﷺ نے پسند فرمایا۔ ان تینوں باتوں کو سنت کہا جاتا ہے۔ فرض کی حیثیت بھی یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اس کی خبر دی کہ یہ اللہ کا حکم ہے اور امتی پر وہ کام فرض ہو گیا۔ اب سنت موکدہ ایسی عبادت ہے جو باعتبار عقیدہ تو سنت ہے لیکن اس پر عمل کرنا فرض ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ نے حضور ﷺ کی اطاعت کا حکم واضح دیا ہے۔ اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول اور جو حکم نص قرآن سے ثابت ہو وہ فرض ہوتا ہے۔

آپ نے دوسرا سوال پوچھا ہے عادت کے متعلق تو اگر اس سے مراد میری آپ کی عادت ہے تو وہ تو کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ ہاں عادت محمد رسول اللہ ﷺ جو نہ فرض ہے، نہ واجب، نہ سنت اور نہ ہی حضور ﷺ نے ویسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ لیکن اگر کوئی اس عادت کو بھی اپنا لے تو نور علیٰ نور ہو جاتا ہے۔ سنن عبادی ہیں تو سنت لیکن ان پر عمل فرض ہے لیکن جو امور عادیہ ہیں ان پر عمل کرنا ضروری نہیں، لیکن عمل کرے تو نور علیٰ نور ہے۔

سوال: گھروں میں ہر جمعرات کو ختم دلایا جانا جائز ہے؟

جواب: پہلی بات تو یہ ہے کہ اگر کوئی خود روزانہ تلاوت کرتا ہو اور مزید برکت کے لیے چاہے کہ لوگ بھی اس کے گھر تلاوت کریں، پھر تو ختم دلانے کی بات سمجھ میں آتی ہے لیکن اس طرح ختم دلانا کہ زندگی بھر خود تو نہ پڑھے لیکن کبھی دو چار بندے بلا کر ان سے پڑھوا دیا جائے اور یہ سمجھے کہ اس طرح ٹوٹل پورا ہو جائے گا تو یہ درست نہیں۔ ختم دلانا ویسے کوئی منع نہیں ہے، شرعاً جائز ہے اگر ختم برکت کے لیے یا بیمار کے علاج کے لیے دلایا جائے۔ مثلاً کسی نے مکان بنایا وہ کہتا ہے ختم دلاؤں کہ اس میں برکت ہو گی۔ گاڑی خریدی، ٹرک خریدا اس پہ قرآن کا ختم پڑھ دو برکت ہو، یا

بیمار ہے قرآن کا ختم پڑھوا سے صحت ہو جائے تو وہاں علاج مطلوب ہے اور اگر کوئی کہے جی اتنے پیسے دو تو وہ علاج کے پیسے ہیں اور وہ جائز ہے، وہ ختم کے نہیں۔ اگر ختم اس غرض سے پڑھایا جائے کہ کسی مرنے والے کو ایصال ثواب کرنا ہے تو اس پر اجرت حرام ہوگی۔ وہ بندہ پڑھے جسے اجرت نہیں چاہیے۔ نہ وہاں سے کھانا کھائے، نہ ان سے پیسے لے، فی سبیل اللہ پڑھ کر ایصال ثواب کر دے اور جو فی سبیل اللہ نہیں پڑھ سکتا وہ نہ پڑھے کہہ دے کہ خود پڑھ لو مجھے فرصت نہیں۔ ختم کا قاعدہ یہ ہے جہاں ایصال ثواب چاہیے وہاں کوئی دنیاوی ایوارڈ یا دنیاوی اجرت جائز نہیں ہوگی۔ دنیاوی اجرت لے گا تو ثواب نہیں بنے گا کیونکہ ایک نے قرآن پڑھ دیا دوسرے نے کھانا کھلا دیا ادلا بدلا برابر ہوگیا۔ نبیؐ کے زمانے میں صحابہؓ سفر پر تھے تو ایک قبیلے کے پاس سے گزرے تو کسی نے آواز دے کر بلا لیا کہ ہمارے آدمی کو سانپ نے کاٹا ہے آپ اس پر کوئی منتر پڑھ دیں تو ایک صحابیؓ نے دم کر دیا وہ ٹھیک ہوگیا۔ انھوں نے غالباً بیس بکریاں نذر کیں اس علاج کی۔ اب سوال یہ پیدا ہوا کہ پڑھا تو قرآن تھا اور دم کر دیا اور اللہ نے صحت دے دی یہ بکریاں لینا جائز ہے یا نہیں تو طے یہ ہوا کہ چل کر بارگاہ نبوی ﷺ میں حضورؐ سے فیصلہ کراتے ہیں۔ وہ بکریاں لے کر جب مدینہ منورہ پہنچے تو حضورؐ سے گذارش کی آپ ﷺ نے فرمایا بھئی وہ تو علاج کا معاوضہ دیا وہ تو جائز ہے۔ ان میں میرا حصہ بھی رکھو اور پوچھا پڑھا کیا تھا۔ انھوں نے کہا میں نے سورۃ فاتحہ پڑھی تھی، فرمایا تمھیں کس نے کہا کہ یہ دم بھی ہے کہا کہ یارسول اللہ ویسے ہی میں نے سورۃ فاتحہ پڑھ کر پھونک ماردی اور وہ ٹھیک ہوگیا۔ ضرورت کے لیے، بیمار کے لیے، برکت کے لیے پڑھنا درست ہے۔ خود بھی قرآن کریم پڑھنا چاہیے، سمجھنا چاہیے البتہ یہ جو جمعرات کی تعین ہے یہ درست نہیں ہے۔ ختم پڑھنے کے لیے، کوئی دن، کوئی رات، کوئی گھڑی، کوئی لمحہ متعین کرنا درست نہیں ہے۔ جب موقع ہو جب جی چاہے پڑھ لو۔

سوال: اسلام میں عورت کا مقام بیان فرمائیے؟

جواب: عورت کے مقام کے متعلق میری ناقص رائے میں راویتی ملا اور جدید مہذب مسلمان دونوں زیادتی یعنی افراط وتفریط کے مرتکب ہیں۔ نہ اس قدر تنگی ہے جو ملا کا تصور اور نہ اس قدر آزادی کہ جہاں اس سے آنکھیں سینکا کرے اور سر بازار اسے نچایا جائے۔ اسلام نے عورت کو

نہایت معزز و محترم مقام دیا ہے۔

عہد نبوی ﷺ میں عورتوں کے پردہ کا حکم دیا گیا۔ جس کا مقصد مرد و زن کو ایک دوسرے کی نگاہوں سے محفوظ رکھنا تھا اور جدید ترین سائنس نے یہ عقدہ حل کیا ہے کہ مرد اور عورت کے اندر ایک خاص غدود ہوتا ہے۔ اگر مخالف جنس کے افراد کے غدود ایک جیسے ہوں اور ان کی نگاہیں چار ہو جائیں تو جذبات میں انگیخت پیدا ہو جاتی ہے اسلام نے انسان کو اس دلدل میں گرنے سے پہلے خبردار کر دیا اور بچ کر چلنے کا حکم دیا ہے علاوہ ازیں احد سے قادسیہ تک عورتیں میدان کارزار میں نہ صرف پانی پلاتی یا مرہم پٹی کرتی ہوئی بلکہ بوقت ضرورت تلوار چلاتی ہوئی بھی نظر آتی ہیں مگر بے حجابانہ اختلاط کہیں نظر نہیں آتا اور نہ اس میں جری اور تلوار کی دھنی بیبیوں کو کہیں سالار بنا کر بھیجا گیا۔ رہی بات دیار مغرب کی حکمران عورتوں کی تو مغرب کا ہی ایک مفکر کہتا ہے ''عورت باہر آ کر ہر وہ کام کر سکتی ہے جو مرد کرتا ہے مگر پھر وہ عورت نہیں رہتی۔''

سوال: کیا کسی غیر مسلم ادارے میں کام کرنا جائز ہے؟

جواب: کام کرنا کسی بھی جگہ اور اس کی اجرت لینا اس حد تک جائز ہے کہ آپ کے اس کام کرنے سے دین کے خلاف کام کرنے والی کسی بھی تحریک کو تقویت نہ ملے۔ کام آپ کافر کے ہاں بھی کر سکتے ہیں۔ مزدوری یہودی کے ہاں بھی کر سکتے ہیں۔ بدترین انسان کے ہاں بھی کر سکتے ہیں لیکن ایسی مزدوری جس کے کرنے سے اس کا دنیوی فائدہ ہوتا ہو۔ آپ کو اجرت ملتی ہے، ملتی رہے۔ لیکن وہ کوشش دین کے خلاف استعمال نہ ہو۔ جہاں یہ احتمال آ جائے گا کہ آپ کے کام سے قوت حاصل کر کے اگلا دین کے خلاف اسے استعمال کرے گا تو وہ کام کرنا جائز نہیں ہے۔

سوال: چند دن پیشتر جناب نے بیان میں فرمایا تھا کہ کفار کا مسلمانوں پر غلبہ یا فوقیت مادی وسائل کی زیادتی کے باعث نہیں بلکہ مسلمانوں کی ایمان کی کمی کے باعث ہے وہ آیت مبارکہ یاد نہیں؟ وضاحت فرمادیں۔

جواب: میں نے پورا تجزیہ کر کے صرف یہ جملہ نہیں کہا تھا بلکہ میں نے تجزیہ کیا تھا افرادی قوت کا بھی اور مادی وسائل کا بھی کہ آج مادی وسائل مسلمانوں کے پاس زیادہ ہیں۔ اس لیے کہ مادی

وسائل کے اعتبار سے پچھلے سال جوکسی امریکن ادارے کا تجزیہ شائع ہوا تھا اس میں انھوں نے لکھا تھا کہ دنیا کے مادی وسائل کا چھیالیس فیصد مسلمانوں کے پاس ہے لیکن یہ انھوں نے ڈنڈی ماری تھی یعنی جتنا وہ کم کر سکتے تھے کہ مسلمان اس پر تکڑے نہ ہو جائیں جتنا کچھ وہ گھٹا سکتے تھے اتنا جھوٹ بول کر گھٹا کر انھیں پھر بھی چھیالیس فیصد کہنا پڑا اور نہ دنیا کا نقشہ ہمارے سامنے ہے۔ مادی وسائل میں سب سے پہلے افرادی قوت آتی ہے پھر اس کے بعد رزق کی باری آتی ہے۔ سرمائے کی باری آتی ہے۔ لینڈ سکیپ کی باری آتی ہے اگر آپ افرادی قوت کے اعتبار سے دیکھیں تو دو سو کروڑ مسلمان یعنی دو ارب مسلمان ہیں جبکہ چھ ارب سے دنیا کی آبادی کم ہے یعنی ہر تیسرا بندہ مسلمان ہے۔ آپ دنیا کی قوموں کی لسٹ بنائیں تو چار ارب آبادی میں کتنی قومیں ہیں اور ان میں دو ارب صرف ایک قوم ہیں۔ مسلمان افرادی قوت میں زیادہ ہیں۔ دنیا کا نقشہ پھیلا کر دیکھیں کہ اس میں زرخیز میدان، برفانی چوٹیاں، خوبصورت دریا اور پھلوں سے لدی ہوئی وادیاں جو ہیں وہ کس کے پاس ہیں۔ اس کا اسی فیصد حصہ مسلمانوں کے پاس ہے۔ کافروں کے پاس دنیا کا یا بہت جنوبی علاقہ ہے یا انتہائی شمالی علاقہ ہے جہاں دس دس مہینے برف پڑی رہتی ہے جبکہ مسلمانوں کے پاس بہترین علاقے ہیں۔ حتیٰ کہ اس چھوٹے سے ملک پاکستان ہی کو دیکھیں۔ اس میں جہاں سمندر، بندرگاہ، دریا اور دریاؤں کے میدان اور صحرا موجود ہیں وہاں اس میں ہمالہ کی چوٹیوں کے برف پوش پہاڑ بھی موجود ہیں۔ اس چھوٹے سے ملک میں ہر طرح کا لینڈ سکیپ، ہر موسم اور اس کا پھل موجود ہے۔ یعنی برف پوش چوٹیوں سے لے کر صحرا تک اس چھوٹے سے ٹکڑے میں موجود ہیں جبکہ کسی دوسرے ملک میں برف ہوگی تو صحرا نہیں ہوگا۔

جتنی بہترین بندرگاہیں ہیں وہ ساری مسلمانوں کے پاس ہیں۔ گرم پانیوں کے مالک بھی مسلمان ہیں۔ دنیا کے مشرق سے لے کر مغرب تک چلتے جائیے تو غیر مسلم دنیا کے پاس جو وسائل اور ذرائع ہیں وہ مسلمانوں کی نسبت کم ہیں۔ یہاں پر ایک اور مغالطہ دیا جاتا ہے کہ مسلمان تعلیم کے میدان میں پیچھے ہیں۔ یہ بھی جھوٹ ہے پورے یورپ اور امریکہ میں چوٹی کے ڈاکٹر مسلمان ہیں، چوٹی کے وکیل مسلمان ہیں اور چوٹی کے سائنٹسٹ مسلمان ہیں۔ حتیٰ کہ دنیا کا سب سے بڑا امریکہ کا جو خلائی ادارہ ناسا ہے۔ اس کی سب سے ہائیر باڈی پانچ آدمیوں پر مشتمل ہے جس میں تین مسلمان Scientist ہیں۔ دو غیر مسلم ہیں۔ تو میں نے یہ سارا تجزیہ پیش کر کے کہا تھا کہ

مسلمانوں کے پاس وسائل کی کمی نہیں۔اب ان کے پاس اگر کمی ہے تو قوت ایمانی کی ہے کہ ان سب وسائل کے باوجود کافر جیسا بننا اور کافر کے پیچھے چلنا اپنے لیے باعث فخر سمجھتے ہیں اور اسلام کو کبھی ہم قدامت پسندی اور کبھی بنیاد پرستی کا نام دیتے ہیں۔حالانکہ دنیا میں واحد School of thought اسلام ہے جو اپنی اسی بنیاد پر قائم ہے جس پر اسے رسول اللہ ﷺ نے قائم کیا۔یہ اس کے علاوہ کسی بات کو قبول ہی نہیں کرتا نہ اس سے کمی کرتا ہے اور نہ بیشی کرتا ہے۔بنیاد پرستی مغرب والوں نے گالی سی بنادی ہے۔وہ اپنی بنیادیں کھو چکے ہیں (ان کے پاس تو عیسیٰؑ کی سوانح حیات تک محفوظ نہیں) اس لیے آپ کسی عیسائی سے پوچھیں وہ عیسیٰؑ کے بارے ایک نیا قصہ بتائے گا۔جو کتاب ان کے پاس ہے جسے کتاب مقدس کہتے ہیں۔اس میں ایک بھی لفظ خود ان کے مطابق عیسیٰؑ کا کہا ہوا نہیں ہے بلکہ ساری ان کے حواریوں کی کہی ہوئی باتیں ہیں۔یعنی یہ ان کا دعویٰ ہی نہیں کہ یہ عیسیٰؑ نے براہ راست لکھا ہوا دیا یا لکھنے کا حکم دیا۔اسلام کے پاس اس کی بنیاد آج بھی اس طرح روشن ہے جس طرح سورج روشن ہے، کب حضور ﷺ مبعوث ہوئے، حضور ﷺ کا نام نامی کیا تھا۔ان کا خاندان کیا تھا، کن لوگوں میں حضور ﷺ پلے بڑھے، آپ ﷺ نے کیا فرمایا، بنیادی دعویٰ کیا تھا، کس کلام کو آپ نے فرمایا یہ قرآن ہے، کس کلام کو آپ نے حدیث قرار دیا، فرض کیا ہے، سنت کیا ہے۔الف سے ی تک من وعن ایک ایک چیز موجود ہے۔اپنی اصلی اساس اور بنیاد پر اور اسی پر رہنا اسلام ہے۔اس سے ہٹنا اسلام نہیں ہے تو یہ چیزیں میں نے اس دن بھی تجزیہ کر کے پیش کی تھیں۔

سوال: کیا اپنے قریبی رشتہ داروں کی مدد کے لیے رہائشی مکان بیچا جا سکتا ہے؟

جواب: کسی کی مدد کرنا تو بہت اچھی بات ہے۔اس میں صلہ رحمی بھی ہے اور صدقہ بھی۔البتہ رہائشی مکان اگر سب کا ہے تو اسے بیچ کر سب کو بے گھر کر کے ان کی مدد کرنا اچھی بات نہیں۔

سوال: اہل دنیا کے میاں بیوی جنت میں اگر ایک دوسرے کے ساتھ نہ رہنا چاہیں تو کیا یہ ممکن ہے؟

جواب: خدا نے ہمیں نکاح کرتے وقت ہاں یا نا کرنے کی اجازت دی ہے۔ایجاب وقبول

کے بغیر تو نکاح ہوتا نہیں (میاں بھی قبول کرتا ہے بیوی بھی قبول کرتی ہے) اور شرعی قاعدہ یہ ہے کہ ان سے جبراً قبول نہ کرایا جائے وہ اپنی پسند سے قبول کریں۔ اسلامی طریقے سے جب مرد و زن میاں بیوی بنتے ہیں تو دراصل اسلام ان دو خاندانوں کو ایک دوسرے کا دست و بازو بنا دیتا ہے۔ شادی کرتے وقت جس نے ہاں کہہ دیا پھر اسے اپنے کہے کو نبھانے کی کوشش کرنی چاہیے اور اپنے میں قوت برداشت بھی پیدا کرنی چاہیے چونکہ ہر بندے کا مزاج ایک سا نہیں ہوتا اور پھر ہر بندہ ہمیشہ اپنی رائے میں صحیح بھی نہیں ہوسکتا (شاید ایک وقت اگر میاں ٹھیک کہہ رہا ہو تو دوسرے وقت بیوی کی رائے صحیح ہو) تو مل جل کر صبر، سکون اور سمجھوتے سے ہی زندگی گزرتی ہے۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ اگر گھر میں بالکل ہی لڑائی بھڑائی نہ ہو تو پھر سمجھو میاں بیوی کا رشتہ کوئی نہیں۔ اسے اتنا سیریس نہیں لینا چاہیے کہ ایک دوسرے پہ جنت کے دروازے بند کر کے بیٹھ جائیں

لیکن ایک بات ہے جو مرد اور خاتون جنت میں جائیں گے ان کے دل میں ذرا برابر بھی کوئی دنیا کے غصے جسے غل کہا ہے قرآن نے، اس کا ہر ذرہ نکال دیا جائے گا۔ جنت کی اپنی ایک فضا اور ماحول ہوگا جس کے بارے میں ہم یہاں بیٹھ کر سوچ بھی نہیں سکتے۔ اور جنتیوں کا حسن بھی دنیوی حسن سے مختلف اور بڑھ کر ہوگا۔

ایک بات اور کہ جو مرد اور خاتون جنت میں جائینگے اللہ ان کو جوان اور خوبصورت بھی بنا دے گا اور سب کے دلوں میں سے ہر طرح کی کدورت نکال دیگا اور وہاں پہ وہ ایک دوسرے سے حقیقی معنوں میں محبت کریں گے۔

سوال: شرعی لحاظ سے رسم قل خوانی کی کیا اہمیت ہے اور اس وقت دیگیں پکا کر لوگوں کو کھلانی چاہیے یا نہیں؟

جواب: ارے بھائی یہ قل خوانیاں نہیں ہوتیں۔ یہ ہوتا ہے ذاتی رعب داب۔ جب کوئی آدمی فوت ہو جاتا ہے تو دوست احباب دور نزدیک سے آ جاتے ہیں انھیں کھانا وانا کھلانا ہوتا ہے۔ اس کے لیے ذمہ داری ہے مرنے والے کے اعزا و اقارب کی اور قریبی رشتہ داروں کی کہ انھیں تین دن کھلانے کا اہتمام کریں۔ مرگ والے گھر کی اتنی مدد کرنا اس کی برادری کا، رشتہ داروں کا، دوستوں کا فرض ہے۔ بلکہ ہمارے ہاں قاعدہ ہے تین کے بجائے سات، آٹھ دن تک رشتہ دار باری باری

آنے والے مہمانوں کو کھانا دیتے رہتے ہیں۔ جبکہ مقامی لوگوں کو گھر جا کر کھانا چاہیے۔ اب ایک بندہ جو دور سے آیا ہے دعا کرنے کے لیے کھانا تو ساتھ باندھ کر نہیں لائے گا لیکن عام نارمل حالات میں جو آپ کھاتے پیتے ہیں اسی طرح کا کھانا ان کے لیے بھی ہونا چاہیے۔ اس میں دعوت کے اہتمام کی ضرورت نہیں۔ تین دن تک تو اعزا و اقارب کو چاہیے کہ ایسے لوگوں کو کھانا کھلا دیں اور چوتھے دن ماتم ختم ہو جاتا ہے بات ہی ختم ہوگئی ہر کوئی اپنے کام پر جائے۔

سوال: حضرت علیؓ حضرت امیر معاویہؓ نے قصاص حضرت عثمانؓ کے بارے میں حضور اکرم ﷺ سے کیوں رہنمائی نہ لی۔ حالانکہ ہر ولی اللہ کو حضور اکرم ﷺ سے ملاقات کا شرف حاصل تھا؟

جواب: حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ قصاص عثمانؓ پر متفق تھے۔ آپ کو کس نے بتایا کہ ان میں اختلاف تھا۔ اختلاف اگر تھا تو یہ کہ حضرت معاویہؓ فرماتے تھے کہ ابھی سے اس سارے گروہ کو گرفتار کر کے سزا دی جائے۔ حضرت علیؓ فرماتے تھے کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ ان نامساعد حالات میں ان سے ٹکر لینا ایک اور فتنے کو ہوا دینے کے برابر ہے۔ ایک بات۔ دوسری بات یہ ہے کہ سارے گروہ کو ہم شرعاً سزا نہیں دے سکتے۔ قتل کے بدلے میں وہ بندہ قتل ہوگا جو قاتل ہے۔ اس کی تحقیق کی جانی چاہیے' تو اختلاف اس کے انعقاد پر تھا۔ دونوں طرف شرعی دلائل تھے۔ لیکن اسے اچھالا اتنا گیا اور روافض نے اس میں اتنی گرہیں لگائیں کہ اسے انھوں نے تماشا بنا دیا۔ حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ میں کوئی جنگ نہیں ہوئی جو جنگ ہوئی وہ یہ تھی کہ جب مشاورت کی بات چلی۔ ادھر کے سفیر ادھر گئے ادھر سے ادھر آئے کہ اس مسئلے کو حل کیا جائے تو قاتلان عثمانؓ جو آٹھ نو سو بندے تھے انھوں نے حضرت امیر معاویہؓ کے لشکر پر حملہ کر دیا وہ سو رہے تھے۔ وہ اٹھے تو وہ دفاع کرنے لگ گئے تو یوں وہ لڑائی ہوئی۔ اور دوسری یوں ہوئی کہ جب ان کی وہ چال بھی کامیاب نہ ہوئی حضرت امیر معاویہؓ نے حکم دیا کہ قرآن کو نیزے پہ اٹھا کر اعلان کرو کہ بھئی ہمیں قرآن پر فیصلہ کرنا ہے۔ اس تلوار پر نہیں تو وہ گروہ جو تھا وہ الگ ہو گیا کہ اب اگر قرآن پہ فیصلہ ہے تو ہم مارے جائیں گے۔ انھوں نے کہا کہ صرف معاویہ ہی نہیں علی بھی کافر ہے (نعوذ باللہ من ذلک) لہٰذا وہ خارجی کہلائے انھوں نے اعلان کر دیا کہ جو ہمارے ساتھ نہیں آتا وہ مسلمان ہی نہیں ہے اور یہ سارے لوگ کافر ہیں۔ صرف ہم آٹھ، سات سو آدمی مسلمان ہیں۔ دوسری جنگ

خارجیوں اور حضرت علیؓ کے درمیان ہوئی اور وہ جو واقعہ گھڑا گیا ہے کہ جی ثالث چنے گئے اور ثالثوں نے حضرت علیؓ کو معزول کر دیا اور حضرت امیر معاویہؓ کو خلیفہ بنا دیا وہ سارا جھوٹ ہے۔ اس لیے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا۔ (تاریخ میں کہیں بھی ثابت نہیں) کہ حضرت علیؓ کی خلافت صحیح نہیں مجھے خلیفہ بنایا جائے یہ کوئی جھگڑا ہی نہیں تھا۔ خلافت کا تو جھگڑا ہی نہیں بات اس سزا دینے کے طریقے پر تھی کہ حضرت امیر معاویہؓ فرماتے تھے کہ عثمانؓ ایک عام بندہ نہیں بلکہ مسلمانوں کا امیر المومنین شہید کیا گیا۔ یہ ملک کے خلاف' حکومت کے خلاف سازش ہے اور یہ جو نو سو، آٹھ سو بندہ سازشی ہے یہ سارے تہ تیغ کیے جانے چاہئیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے تھے کہ پہلی بات تو یہ کہ ہم ان سے ٹکر لینے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ یہ آٹھ نو سو بندے تو یہاں کوفے 'مصر 'بصرے سے آئے ہوئے ہیں وہاں ان کے مراکز ہیں اور یہ ہمارے خلاف ایک فورس بن جائے گی۔ خانہ جنگی کا سبب بنے گی۔ اس وقت حکمت عملی چاہیے۔ تحقیق کی جائے اور قاتل کو سزا دی جائے اور اس فساد کو آگے نہ بڑھایا جائے۔ یہ رائے تھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی۔ حضرت امیر معاویہؓ کی رائے یہ تھی کہ وہ فرماتے تھے کہ اگر یہ یہاں سے بچ گئے تو آپ کو قتل کرنے کا سبب بھی یہی لوگ بنیں گے اور یہ حکومت اسلامی کو پھلنے نہیں دیں گے اور واقعات نے حضرت امیر معاویہؓ کی رائے درست ثابت کر دی بعد میں جو سیاسی واقعات ہوئے اور جس بے دردی سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو شہید کیا گیا اور جتنا عرصہ' پانچ سالہ عہد خلافت میں مسلمانوں کو خانہ جنگی میں مبتلا رکھا گیا وہ باتیں یہ ثابت کرتی ہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ والا نسخہ استعمال کیا جاتا تو شائد یہ فتنہ دب جاتا۔ تو یہ ان بزرگوں کے اختلافات نہیں تھے ان کی رائے تھی۔ ان دونوں کی رائے صائب تھی اور دونوں صاحب الرائے تھے۔ ایک نبی ﷺ کے داماد اور دوسرے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے برادر نسبتی تھے۔ دونوں آپ کے خاندان کے تھے۔ دونوں آپ کے قریبی تھے۔ دونوں پائے کے صحابیؓ تھے۔ حضرت علیؓ عشرہ مبشرہ جنتیوں میں سے تھے۔ حضرت امیر معاویہؓ کے لیے حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ وہ قطعی جنتی ہیں۔

سوال: بیوی کہنے کے باوجود ساری نمازیں نہ پڑھے تو ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

جواب: تو ہمیں بیوی کو برداشت کرنا چاہیے چونکہ بیوی تو ہے۔ ہم کہنے کے مکلّف ہیں

سمجھانے کے مکلف ہیں، سہولتیں دینے کے مکلف ہیں اس کے باوجود اگر نہیں پڑھتی تو پھر برداشت کرنا چاہیے چونکہ اسے برداشت کرنے پر بھی اللہ کریم اجر دیں گے۔اگر شوہر بدکار ہے نمازیں نہیں پڑھتا بیوی نیک ہے وہ اسے مشورہ دے سکتی ہے سمجھا سکتی ہے لیکن اس کو بنیاد بنا کر گھر نہیں اجاڑ سکتی گھر میں لڑائی نہیں کر سکتی۔اسی طرح اگر بیوی بے نمازی ہے تو اسے آپ سمجھا سکتے ہیں کوشش کر سکتے ہیں لیکن اس حد تک نہیں جا سکتے کہ اسے برداشت ہی نہ کریں برداشت بہر حال کریں۔

سوال: کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہ نے اسلام کو بچپن میں قبول کیا تھا۔لیکن جب نبی کریم ﷺ نے ہجرت فرمائی تو امانتیں آپ کے ذمے لگا گئے۔بچے میں یہ شعور نہیں ہوتا؟

جواب: تیرہ برس بھی تو گزر گئے تھے مکہ مکرمہ میں اب وہ اتنے چھوٹے نہیں تھے کہ وہ بالکل بے شعور ہوں۔سیرت کی کتابوں میں ملتا ہے کہ حضرت علیؓ کو پالا ہی نبی کریم ﷺ نے ہے۔دادا کے وصال کے بعد ابوطالب کی باری آئی ابوطالب غریب بھی تھے اور ان کی اولاد بھی زیادہ تھی۔اس زمانے میں حضور ﷺ اپنی پختہ سن کو پہنچ چکے تھے بالغ تھے اور محنت پر بکریاں چراتے تھے حضور ﷺ وہ اجرت لا کر ابوطالب کو دیتے تھے۔جب آپ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ سے نکاح فرما لیا تو آپ ﷺ نے چچا سے فرمایا شاید میں یہاں سے آپ کی براہ راست خدمت تو نہ کر سکوں آپ اپنا ایک بچہ مجھے دے دیں یہ بھی آپ کی خدمت ہی ہوگی۔اس طرح حضرت علیؓ کو حضور ﷺ نے اپنے پاس رکھ لیا۔آپؓ کی عمر چھوٹی سی تھی۔جب حکم ہوا کہ اپنے قرابت داروں کو دعوت دیجئے تو آپ ﷺ نے سب کی دعوت کی۔کھانے پہ بلایا اس میں حضرت علی کرم اللہ وجہ موجود تھے ان کا جو حلیہ سیرت کی کتابوں میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ ایک چھوٹا بچہ جس کی آنکھیں بیمار تھیں پیٹ بڑھا ہوا تھا اور ٹانگیں کمزور تھیں۔یہی یا اس سے ملتا جلتا مفہوم تھا۔تو آپ ﷺ نے جب کھانے کے بعد ان لوگوں سے فرمایا کہ مجھے اللہ نے نبوت سے نوازا ہے۔مجھ پر وحی آتی ہے اور یہ حکم ہوا ہے۔وانذر عشیرتک الاقربین تو آپ لوگوں میں سے کون ہے جو میری بات سنے گا اور میرا ساتھ دے گا تو سب نے ایک دوسرے کا منہ دیکھا کہ عجیب بات ہے ہم کیسے اپنا مذہب چھوڑ دیں۔کیسے یہ بات قبول کر لیں یہ تو بہت مشکل ہے بلکہ بعد میں کہا کہ آپ ﷺ تو بڑی مصیبت

مول لے رہے ہیں آپ ﷺ تو بہت بڑی بات کہہ رہے ہیں۔ اس وقت حضرت علیؓ نے کہا کہ میں آپ ﷺ کا ساتھ دوں گا۔ وہ بچپن ہی شمار ہوتا ہے۔ چھوٹی سی عمر تھی جب حضور ﷺ نے ہجرت فرمائی تو تیرہ برس کی زندگی بیت چکی تھی۔ اگر سات آٹھ برس کی بھی عمر ہو گی تو بیس بائیس سال کا جوان ہو جاتا ہے۔

سوال: سکول میں سٹاف کے ساتھ کھانا کھانا کیسا ہے؟ حرام ہے یا حلال؟

جواب: جب کسی کے ساتھ دسترخوان پر کھانا کھایا جاتا ہے تو کھلانے والا مکلّف ہے کہ کھانا حرام ہے یا حلال۔ کھانے والا تحقیق کا مکلف نہیں ہوتا۔ طالب علم جو لے آتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں۔ بلکہ دوسروں کی دلجوئی ہوتی ہے مل کر رہنا احسن بات ہے۔ معاشرے سے کٹ کر رہنا دینداری نہیں ہے۔ لوگ بھی دو اقسام کے ہوتے ہیں ایک وہ جو معاشرے میں ملیں تو خود بھی ویسے ہی ہو جائیں' ان کیلئے تو معاشرے سیکٹ کر رہنا ضروری ہے اور ایک وہ جو خود نہیں بدلتے بلکہ انہیں دیکھ کر ارد گرد کے لوگ بدلنے لگتے ہیں۔ ان کے لیے معاشرے میں ملنا واجب ہو جاتا ہے۔

سوال: ہر نعمت کے بعد ہم الحمد للہ کہہ کر شکر ادا کرتے ہیں۔ شکر کا شرعاً مفہوم کیا ہے؟

جواب: علماء کے نزدیک شکر کی اصل اطاعت ہے۔ اگر ایک دکاندار سارا دن لوگوں کو دھوکا دیتا ہے اور جھوٹ بول کر خراب مال زیادہ منافع پہ بیچ دیتا ہے اور شام کو کہتا ہے اللہ کا شکر ہے بڑا منافع ہوا، تو یہ شکر کرنا نہیں ہے۔ اسی طرح کسی کی زمین مار لی اور اس پر ہونے والی فصل کا شکر کیا کہ بڑی اچھی فصل ہو گئی، یا کوئی اپنے دفتری معاملات پوری طرح یا ایمانداری سے ادا نہیں کرتا اور مہینے کے آخر میں شکر ادا کرتا ہے کہ اللہ کا شکر ہے کسی نے مجھے پکڑا نہیں یا کسی کو پتہ نہیں چلا تو یہ صرف زبان سے شکر ادا کر دینا شکر نہیں ہے۔ شکر کی بنیاد اطاعت پر ہے۔ اگر زبان سے نہ بھی کہے لیکن اپنے ہر کام اور عمل میں یہ فکر ہو کہ وہ طریقہ اختیار کروں جس سے میرا اللہ مجھ سے راضی ہو تو یہ شکر ہے۔ پھر اگر زبان سے بھی شکر کہیں تو نور علی نور۔ پھر آپ کھانے پینے پر شکر کریں یا باقی معاملات پر۔ ورنہ اگر اطاعت کو زندگی سے خارج کر دیا، عملی زندگی شریعت کے مطابق نہ رہی اور خالی زبان سے الحمد للہ کہتے رہے تو وہ شکر نہیں ہو گا۔

سوال: فقہی احکام کو حالات و واقعاتِ جدیدہ کے مطابق انھیں حدود کے اندر حل کیا جائے اور پرانے فقہی ذخیرہ پر نہ چھوڑا جائے؟

جواب: تمام فقہی مکاتب فکر میں صرف فتوے یا فیصلے ہی نہیں بلکہ ہر فتوے کے پیچھے مکمل دلائل موجود ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم بھی کتاب اللہ کی اس تفسیر و تشریح سے جو آپ ﷺ نے فرمائی دلائل جمع کریں پھر ان کا پرانے فقہی دلائل سے مقابلہ کریں اگر ہمارے دلائل وزنی ہوں تو اطاعت' اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ضروری ہے نہ کہ فقہا کی بیشک انھیں چھوڑ دیا جائے لیکن اگر اس معاملہ میں وہ ہم سے بازی لے چکے تو پھر تحصیل حاصل سے فائدہ؟ پھر تو صرف جرأت اقرا چاہیے۔

سوال: فرقہ بندی جیسے سنی، دیوبندی، اہلحدیث وغیرہ یہ سب کے سب اپنے آپ کو سچا سمجھتے ہیں تو ہم یہ کیسے تلاش کریں کہ کون سچا ہے اور ہمیں کیسا ہونا چاہیے اور کیسا عقیدہ رکھنا چاہیے؟

جواب: دیوبندی، بریلوی، اہلحدیث سب ایک ہی درخت کی سایہ دار شاخیں ہیں۔ ایک تنے سے جڑی ہوئی ہیں یعنی اصول میں سب متفق ہیں۔ توحید، رسالت، ختم نبوت ﷺ، کتاب، فرشتے، آخرت، ثواب و عذاب غرضیکہ ضروریات دین اور عبادات، صلوٰۃ، رمضان، زکوٰۃ سب میں اتفاق ہے۔ فروعات یعنی جزئیات میں ایک دوسرے پر ترجیح ہے جسے جہلاء نے اپنی مطلب براری کے لیے مقابلے کا رنگ دے کر کفر اسلام تک پہنچا دیا ہے۔ رہا یہ جملہ کہ کسے قبول کریں تو قلب کو ذاکر کیجیے۔ اس میں یہ استعداد پیدا ہو جائے گی کہ صداقت میں بھی اعلیٰ بات قبول کرے گا اور ادنیٰ چھوڑ دے گا انشاءاللہ۔

سوال: حضرت بینکوں کا نظام سود پر چلتا ہے کیا بنکوں میں ملازمین جو اپنی محنت سے کماتے ہیں ان کے لیے یہ برائی جائز ہے؟

جواب: کراہت کے ساتھ۔ اگر متبادل وسیلہ مل سکے تو چھوڑ دینا بہتر ہے لیکن متبادل وسیلہ نہ ہو تو بیکار رہ کر بھیک مانگنے سے یہ بہتر ہے۔

سوال: زرعی زمین سے حاصل شدہ پیداوار سے عشر کی ادائیگی کے متعلق وضاحت طلب ہے کہ آیا سالانہ اخراجات از قسم ہل بیج کھاد وغیرہ کی قیمت منہا کر کے باقی پیداوار کا عشر دیا جائے یا تمام حاصل شدہ پیداوار سے ہی عشر ادا کیا جائے؟

جواب: کھاد بیج وغیرہ آپ محنت کرتے ہیں اس کا عشر کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تو آپ محنت نہیں کریں گے تو اس میں اگے گا کیا؟ اسی لیے تو جہاں بارش کا پانی ہے وہاں دسواں حصہ عشر ہے اور جہاں آپ پانی بھی دیتے ہیں تو وہ دوگنی محنت ہوگئی تو اللہ نے اپنا حصہ بیسواں کر دیا جس کھیت کو پانی بھی زمیندار دیتا ہے اس کھیت سے جو حاصل ہوتا ہے اس کا بیسواں حصہ عشر دیا جاتا ہے اس لیے کہ اس کی محنت دوگنا ہوگئی اور جہاں وہ بارش سے سیراب ہوتا ہے پھر اس کا دسواں حصہ اس لیے دیا جاتا ہے کہ محنت آدھی ہوگئی گویا اس کی محنت کھاد بیج Compensate کر دیے گئے ہیں۔ ہاں جو ٹیکس حکومت لے لیتی ہے یہ علماء کا فیصلہ تھا جب انگریزوں کی عمل داری میں تھا اب آبیانہ یا زرعی زمین کا مالیہ اور بیانہ جو دو قسم کے ٹیکس حکومت لے لیتی ہے وہ اس عشر سے منہا کر دیے جائیں تو ٹھیک ہے۔

سوال: ہوائی جہاز میں نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

جواب: ہوائی جہاز میں نماز نہیں ہوتی نماز کے لیے قبلے سے تعلق شرط ہے۔ سمندر کے جہاز پر آپ ہوں تو پانی کا تعلق زمین سے اور زمین کا قبلے سے ہے۔ ریل پر ہوں موٹر پر ہوں تو بھی قبلہ سے تعلق ہے۔ ہوا میں اگر آپ معلق ہوں آپ کا تعلق قبلے سے نہیں رہتا جب آپ واپس آئیں تو پڑھ لیں بغیر قبلے کے نماز نہیں ہوتی ہوائی جہاز کا تعلق قبلے سے نہیں رہتا وہ فضا میں اڑتا ہے جو پڑھتے ہیں وہ اچھا کرتے ہیں۔ لیکن ادا نہیں ہوتی۔

سوال: وکالت کے پیشہ سے متعلق مختصر شرعی نقطہ نگاہ کی وضاحت فرمائیے؟

جواب: وکالت کا جو پیشہ ہے اس کا بنانے والا ہی اسلام ہے۔ اسلام نے فقہ میں سب سے پہلے وکیل مقرر کرنے کی اجازت دی ہے۔ جیسے کہ نکاح نامہ کے فارم میں دولہا کے وکیل، دلہن کے وکیل۔ وکیل کون ہوتا ہے؟ جو کسی بندے کے حقوق کے تحفظ کے لیے اس کی طرف سے اس کی

اجازت سے بات کرتا ہے۔تو وکالت کی بنیاد ہی اسلام نے رکھی اور وکیل لفظ ہی اسلامی اور عربی ہے۔مثلاً اب نکاح کے وقت خاتون مجلس میں جا کر یہ بات کرے کہ جی میرا نکاح کر دیا نہ کرو ایک بڑی مشکل بات تھی۔ خواتین کے لیے اسلام نے وکیل اختیار کرنے کی اجازت دی کہ اس کا وکیل آ کر بتائے کہ میں اس کے ایماء پر کہہ رہا ہوں کہ نکاح کی اجازت ہے یا نہیں ہے یا اس اس شرط پر نکاح ہوسکتا ہے یا اتنا حق مہر ہوگا یا یہ شرائط ہوں گی۔وکیل تحفظ کرتا ہے اپنے موکل کے حقوق کا اس کی اجازت کے ساتھ۔اب جب یہ ایک باقاعدہ پیشہ بن گیا ہے تو وکیل جب اجرت لیتا ہے تو اس کے لیے حلال ہے کہ وہ دوسرے کے لیے کام کرتا ہے۔اپنا وقت اور محنت لگاتا ہے، اس کیلئے وہ اجرت لے سکتا ہے۔اسلام صرف ایک بات سے منع کرتا ہے (جو وکالت کی مسخ شدہ صورت آج ہے) کہ ناحق کو حق ثابت کرنے کے لیے جھوٹ بولا جائے اور اپنے موکل کو بھی جھوٹ پڑھایا جائے تو اسلام میں اس وکالت کی اجازت نہیں ہے بلکہ کوئی بھی ناجائز کام آپ وکالت میں نہیں کسی شعبے میں بھی کریں گے تو وہ ناجائز ہی ہوگا۔آپ مقدمہ لینے سے پہلے خوب تحقیق کریں کہ جس کا مقدمہ لے رہا ہوں یہ مستحق بھی ہے کہ نہیں۔اگر اس کا حق بنتا ہے تو پوری دیانت داری سے اس کا مقدمہ لڑیں۔اس سے آپ دوگنا فیس لے لیں اور بجائے دو جھوٹے مقدمے لینے کے ایک سچا مقدمہ لیں اور محنت سے لڑیں۔

سوال:ادویات میں الکحل کے متعلق ارشاد فرمایئے؟

جواب:الکحل شراب نہیں ہوتی بلکہ خود شراب میں سات پرسنٹ الکحل ہوتی ہے' الکحل دراصل ایک پریزرویٹو(Preservative) ہوتا ہے ایک ایسا عنصر جو چیزوں کو خراب ہونے سے محفوظ رکھتا ہے۔ادویات میں بھی الکحل اس لئے استعمال ہوتی ہے کہ اجزا خراب نہ ہوں۔ چونکہ شراب میں الکحل ہوتی ہے تو اس کا نام بھی الکحل پڑ گیا۔بعض حضرات بڑی شدومد سے خوشبوؤں کو منع کرتے ہیں۔جبکہ جو الکحل خوشبو جات میں استعمال ہوتا ہے وہ کھانے والا نہیں ہوتا۔یہ پٹرولیم سے بنتا ہے۔

سوال:اگر کوئی تلاوت وتسبیحات اپنے وقت کے مطابق مقرر کرے پھر مصروفیات زیادہ ہو

جائیں تو کیا کرے؟

جواب: بھئی یہ جو مقرر کی جاتی ہیں یہ کرنی ہی اتنی چاہئیں کہ کبھی مصروفیت زیادہ بھی ہو جائے تو بندہ پوری کرتا رہے۔ زیادہ مقرر کرنے کی ضرورت کیا ہے؟ جب اللہ اور نبی ﷺ کی طرف سے مقرر نہیں تو آپ اپنے اوپر کیوں مقرر کرتے ہیں؟ یہ معاملہ حساب کتاب کا نہیں ہے بلکہ اصل بات تو اللہ جل شانہ کی یاد ہے۔ اس میں مقرر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ فرصت ہو اور زیادہ پڑھے جاتے ہیں تو الحمد للہ۔ کہیں جانا ہے یا کوئی کام یا مصروفیت ہے اور دس آیات پڑھ کے قرآن کریم بند کر دیا تو یہ غنیمت ہے کہ چلو الحمد للہ دن قرآن کریم سے شروع کیا اور جب رات ہوئی' دن ختم کیا تو قرآن کریم سے کیا۔ تو اس کی بڑی نعمت بڑا انعام ہے اسی طرح درود شریف چلتے پھرتے پڑھتے رہیں زیادہ پڑھا گیا تو زیادہ ثواب ہوگا اس میں حد مقرر کرنے کی کیا ضرورت ہے اور کریں تو ممکن حد تک اس کی پابندی کرنی چاہیے ۔ جہاں بات بس سے باہر ہو جائے تو پھر اللہ معاف کرنے والا ہے۔